

غالب

غلام رسول مہر

غالب انسٹی ٹیوٹ نیو دہلی

غالب

غلام رسول مہر

Anjuman Taraqqi Urdu Hind



غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی

(© جملہ حقوق محفوظ)

GHALIB

By :

Ghulam Rasool Mehar

اہتمام :	شاہد مابلی
اشاعت :	۲۰۰۵ء
قیمت :	۲۵۰ روپے
مطبوعہ :	اصیلا آفسیٹ پریس، دہلی



غالب انسٹیٹیوٹ،
ایوانِ غالب مارگ، نئی دہلی-۲

تعارف

غالب کے بارے میں حالی کی یادگار غالب کے بعد جو کتابیں لکھی گئیں ان میں غالب کی سوانح سے متعلق پہلی سب سے اہم کتاب غلام رسول مہر کی 'غالب' تھی۔ مہر نے جس محنت، ذہانت اور احتیاط کے ساتھ غالب سے متعلق معلومات جمع کیں وہ ان کے بعد غالبیات پر تحقیق کرنے والوں کے لیے ایک راہ بنا گئیں۔ مہر کے بعد تحقیق و تنقید کے اعتبار سے اب ہم بہت آگے پہنچ چکے ہیں۔ بے شمار معلومات کے مآخذ اور ذرائع انہیں حاصل نہیں تھے۔ مگر ان میں سے بہت کچھ ایسا ہے جن کی دریافت کی سمت میں ان ہی کی اس کتاب کی بدولت آگے قدم بڑھے۔

غلام رسول مہر غالب کے 'طرف داروں' میں تھے۔ اس لیے ان کا شوق ہی اس سلسلے میں ان کا راہ نما بنا۔ مگر معلومات بہم پہنچانے میں انہوں نے عموماً طرف داری سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے جو کچھ حاصل کیا اُسے نہایت سلیقے سے نثر کے ایک سنجیدہ اور خوش گوار اسلوب میں پیش کر دیا۔ مہر کے زمانے میں غالب کی زندگی اور اپنے بارے میں خود ان کے بہت سے بیانات کو حقائق کی روشنی میں جانچنے کی کوشش زیادہ نہیں کی گئی تھی، نہ اس کے سارے وسائل جمع تھے، چنانچہ مہر نے زیادہ تر غالب کے بیانات کو ہی قبول کر لیا۔ مختلف شہادتوں سے وہ کام نہ لے سکے مثلاً ان کا یہ بیان آج کی تحقیق کی روشنی میں قابل قبول نہیں:

”...ملا عبدالصمد کی دو سالہ تربیت نے ان کے نادر

طبعی جوہروں کو یگانہ جلادے دی تھی... وہ ہندوستان کے اُن

فارسی گو شعرا کو کب خاطر میں لا سکتے تھے جن کی زبان اسلوب

بیان اندوختہ و فکر ہر چیز فرومایہ تھی۔“

مہر نے کلیاتِ نظم فارسی مطبوعہ نول کشور (۱۸۹۳)، کلیاتِ نثر فارسی مطبوعہ نول

کشور (۱۸۸۴) ان کے خطوط کے مجموعوں اردوئے معلیٰ اور عودِ ہندی سے اور دیوان

غالب اردو کے مختلف ایڈیشنوں سے جن میں نسخہ حمید یہ بھی شامل ہے استفادہ

کیا ہے۔ غالب کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں سب سے زیادہ اہمیت انہوں

نے مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریروں کو دی ہے۔

اس کتاب میں غالب کی اردو شاعری اور نثر پر تنقید و تبصرہ سے احتراز

کیا گیا ہے۔ تصانیف کے باب میں ضمنی طور پر چند جملے ادھر ادھر مل جاتے ہیں۔ مثلاً

نسخہ حمید یہ کے بعض اشعار پر پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ:

”نسخہ حمید یہ والے اشعار کا کوئی مجموعہ اگر انتخاب

کے وقت غالب یا ان کے دوستوں کے پیش نظر تھا تو ماننا چاہیے

کہ انتخاب میں فروگزاشتیں ہوئیں اس نسخے میں بعض ایسی

غزلیں ہیں جو تمام تر یا جزواً انتخاب میں آنی چاہئیں جو نہیں

آئیں۔“

”بعض اُن اشعار کی وجہ سے جن میں فارسیت زیادہ

اور معانی معمولی ہیں، ان کی عظمت و کمال کا حقیقی مدار عام لوگوں

کی نظروں سے اوجھل ہو رہا ہے اور ”غالبیت“ کے غلط تصور سے

مروجہ اردو دیوان کے عام مطالعے کا لازمی نتیجہ تھا۔ بہتیرے

لوگوں کو اس راستے پر ڈال دیا ہے جو غالب کا راستہ یقیناً نہیں
تھا۔“

ظاہر ہے کہ اس طرح کے فقرے ناکافی ہیں مگر اس کتاب کی تصنیف سے غلام رسول
مہر کا مقصد بھی صرف ان کی سوانح اور شخصیت سے متعلق اس عہد کی حاصل شدہ
معلومات کو یک جا کر کے پیش کر دینا تھا اور یہ مقصد نہ صرف پورا ہوا بلکہ ”غالبیات“
کی تاریخ میں غلام رسول مہر کا نام ہمیشہ کے لیے اہمیت اختیار کر گیا۔

غالب انسٹی ٹیوٹ اپنے تالیفی منصوبے کے مطابق غالبیات کے اس
سارے سرمائے کی بازیافت کر رہا ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ گم ہو گیا، یا اگر کہیں
موجود ہے بھی تو ان تک سب کی رسائی آسان نہیں۔ یہ کتاب بھی اس سلسلے کی ایک
کڑی ہے، ہمیں اُمید ہے کہ اس طرح غالب ان کے عہد اور ان کے عصور سے
متعلق مطالعات کا سلسلہ فروغ پائے گا۔

صدیق الرحمن قدوائی

غلام رسول مہر

حالات زندگی

غلام رسول مہر ۴ اپریل کو پھول پور جالندھر میں پیدا ہوئے، وہیں ابتدائی تعلیم پائی، پھر لاہور کے اسلامیہ کالج سے ۱۹۱۵ء میں بی۔ اے کیا۔ اس کے بعد حیدرآباد میں انسپکری تعلیمات مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں حیدرآباد سے اپنے وطن واپس آ گئے۔ مہر مولانا ابوالکلام آزاد کے شروع سے ہی ارادت مند تھے۔ ان کے خیالات سے متاثر ہو کر خلافت تحریک میں شامل ہوئے۔ وہ حیدرآباد کے قیام کے دوران اپنا اخبار 'سلطنت' نکالنا چاہتے تھے مگر مولانا ابوالکلام آزاد کے قرب کی وجہ سے انہیں اس کی اجازت نہیں دی گئی۔ مولانا آزاد کا 'الہلال' بند کیا جا چکا تھا۔ اور اپنی صحافتی اور سیاسی سرگرمیوں کی بنا پر وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ ان کے اثر سے مہر صاحب بھی صحافت اور سیاست سے گہری دلچسپی لیتے تھے۔ اس زمانے میں مولانا ظفر علی خاں کا اخبار 'زمیندار' بہت اہمیت رکھتا تھا۔ جب مولانا ظفر علی خاں اور دوسرے لوگ گرفتار ہو گئے تو نومبر ۱۹۳۱ء میں مہر 'زمیندار' کے ایڈیٹر ہو گئے۔ زمیندار حکومت کے عتاب کا شکار تھا۔ چنانچہ مہر کے اعزائے انہیں اس سے الگ ہونے کے لئے مجبور کیا 'زمیندار' کی اشاعت بھی حکومت نے عارضی طور پر بند کرادی۔ جب 'زمیندار' دوبارہ شائع ہوا تو مہر پھر اس کے ایڈیٹر ہو گئے۔

ان کو بین الاقوامی مسائل سے بھی گہری دلچسپی تھی چنانچہ انہوں نے یورپ اور مغربی ایشیا کے متعدد ملکوں کا سفر بھی کیا۔ سیاست و صحافت کے ساتھ ادب سے ان کو خاص دلچسپی تھی جو ہر زمانے میں قائم رہی۔ خصوصاً 'غالب' کے تو وہ شیدائی تھے۔ ۱۹۳۶ء میں ان کی کتاب 'غالب' پہلی بار شائع ہوئی۔ یہ کتاب خود ان کے بیان کے مطابق ایک بڑے منصوبے کا حصہ تھی جو ان کی مصروفیتوں کی بنا پر پورا نہ ہو سکا۔

انہوں نے خطوط غالب بھی حواشی اور تعلیقات کے ساتھ دو جلدوں میں شائع کیے۔ ۱۹۵۲ء میں انہوں نے حضرت سید احمد شہید پر ایک کتاب شائع کی جس کی تیاری وہ ۱۹۳۰ء سے کر رہے تھے۔ سید احمد شہید کے رفیقوں کے حالات "سرگزشت مجاہدین" اور ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے حالات "انقلاب ۱۸۵۷ء" کے عنوان سے شائع کئے۔

اقبال سے بھی وہ بہت قریب تھے۔ ۱۹۳۱ء میں وہ ان کے ساتھ لندن گئے جہاں اقبال گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے گئے تھے۔ اقبال پر ان کی کئی کتابیں شائع ہوئیں۔ مالک رام صاحب کے قول کے مطابق ان کے پاس اقبال کا بہت سارا غیر مطبوعہ کلام تھا جو وہ شائع نہ کر سکے۔

انہیں بچوں کے ادب سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ بچوں کے لئے انہوں نے متعدد کتابیں شائع کیں۔ انہوں نے ترجمے بھی کئے۔

ان کی زندگی بڑی منظم تھی ان کا زیادہ تر وقت علمی و ادبی کاموں کے لئے وقف تھا۔

ان کی وفات ۱۶ نومبر ۱۹۷۱ء کو حرکت قلب بند ہونے سے ہوئی۔

(یہ حالات "تذکرہ معاصرین" مرتبہ مالک رام دلی، جلد اول، ص ۳۹۸ تا ۴۰۶ سے اخذ کئے گئے ہیں۔ مالک رام صاحب کے بیان کے مطابق مہر سے آخر وقت تک ان کے دوستانہ تعلقات رہے)

فہرست مضامین

۱	پیدائش، نام و نسب، خاندانِ عظیم	۱ پہلا باب
۲۶	شادی، اور خانگی زندگی اور متعلقین	۲ دوسرا باب
۵۰	دہلی میں سکونت اور مکان	۳ تیسرا باب
۵۸	سفرِ کلکتہ	۴ چوتھا باب
۸۴	ہام پورا اور میرٹھ کے سفر	۵ پانچواں باب
۹۸	پنشن کا مقدمہ	۶ چھٹا باب
۱۲۴	ابتلا و اسیری	۷ ساتواں باب
۱۳۴	مالی حالات۔ مدح گوئی اور حلیہ بلی	۸ آٹھواں باب
۱۷۰	دہستانِ قدر	۹ نواں باب
۲۲۷	پنشن کے لئے سعی و سفارش	۱۰ دسواں باب
۲۴۳	عوارض اور وفات	۱۱ گیارھواں باب
۲۵۸	اخلاق و عادات اور تفریقِ حالات	۱۲ بارھواں باب
۲۹۳	قصائِف	۱۳ تیرھواں باب
۳۵۱	کلامِ طریقی، اصلاح اور شاعری	۱۴ چودھواں باب

تصاویر

(۱) غالبؔ

(۲) غالبؔ

(۳) غالبؔ کا ایک غیر مطبوعہ فارسی خط



مہرا غالب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

پیشکش، نام و نسب، خاندان اور ہم

غالب نام اور نام و نشان ہمیں
ہم اللہ ہم اللہ ہم اللہ ہم

تاریخ پیشکش، اسد اللہ بیگ تھاں نام، میرزا نوشہ عورت، نجم الدولہ ویر الملک نظام جنگ خطاب ۱۲۱۲ھ
در ذراکتہ ۱۲۹۹ھ کو اکبر آباد (اگر وہیں زینت آستے عالم وجود ہوتے۔ نواب علار الدین احمد خاں
عبارتی رئیس لوہارو ایک خط میں جو غالب نام ۱۲۳۰ھ کا لکھا ہوا ہے فرماتے ہیں:-

میں ۱۲۳۰ھ میں پیدا ہوں، اب کے جبکہ میں نے اُنہندوں میں شروع ہوا ہے۔

ایک اور خط میں نواب صاحب مدوح ہی کو لکھتے ہیں:-

فائدہ عام یہ ہے کہ علامہ آسٹل کے مجرم مالدار وراج میں مندرجہ ہیں، میں نے جو اسے کہ مالدار

ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھی کرنا دیتے ہیں، چنانچہ یہ خط ۱۲۳۰ھ کو لکھا، و بھاری کے وسطے یہاں

یعنی دنیا میں، جس ۱۲۳۰ھ کو لکھا، یہ خط ۱۲۳۰ھ

فرشی حبیب اللہ خاں صاحب ذوالحیدر آبادی، فرشی، دفتر نواب نثار الملک سر سالہ جنگ دوم

کو لکھتے ہیں:-

اس جیسے جی، جب کی آٹھویں تیار سے بہتہ دیاں برس شروع ہو، تو دوم نومبر ۱۲۳۰ھ

نواب میرا برابری خاں لودھی ۱۲۳۰ھ کے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

اس جیسے یعنی جب کی آٹھویں تیار سے بہتہ دیاں برس شروع ہو گیا۔

نواب قلام غوث خاں صاحب تجیر کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

حضرت میں اب چراغ سحری ہوں جسکے شمع کی آٹھویں تاریخ سے اکھنڈاں ہیں شروع ہو گیا۔

طاقت سلب، حواس معقودہ، امراض مستوائ۔

دیوان فاسی کے خاتمہ کی نشر میں غالب نے اپنی تاریخ پیدائش کے متعلق ایک پچھپائی لکھی ہے

جس میں دو مادے نظم کئے ہیں اور دونوں اس ناورد روزگار مستی کی شاعرانہ زندگی کی صحیح تصویر پیش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

غالب چو زنا سازی فرجام نصیب ہم خونت عدد دارم و ہم ذوق حبیب

تاریخ و ادب من از عالم قدس ہم شورش شوق آمد و ہم لفظ غریب

”شورش شوق“ اور ”غریب“ دونوں سے ۱۲ سالہ تاریخ نکلتی ہے اور دونوں مادے غالب کی زندگی

کا نہایت ہی صحیح مرقع ہیں۔

نام ”انام“ عرف اور خطاب کے متعلق غالب کی اردو ادب داری تحریرات میں جا بجا تصریحات ملتی ہیں۔ غالب

کی مشہور کتاب ”دستنبط پہلی مرتبہ اگرہ میں منشی شیونرائی آرام کے مطبع منیفہ خلاق میں چھپی تھی اور چھپائی کا

سارا انتظام منشی بہر کوپال قصہ منشی نبی بخش تجیر اور مرزا حاتم علی بیگ تھرے سپہ دہوا تھا۔ غالب ایک خط

میں قصہ کو دستنبط کے سرورق کی عبارت کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:-

منشی شیونرائی کو بھی دینا کہ زناور سرورق دستنبط عرف یہ کہیں۔۔۔ اور اسے خطاب کا لکھنا

نامناسب بدینہ ہے۔ مگر ان کے بعد فقط ہمارا اور ہمارے بعد تخلص اسدا شدہ خاں بہادر

پشمنی شیونرائی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:-

سٹویری مان، ذہنی کام کوئی سبب نہ ہو اور خلاف وجوہ ان کے اسباب مجھ کو زناوب لکھتے

ہیں بلکہ منشی انگریزی میں چنانچہ مناسب، مادے دیوان دونوں ایک رو بخاری صحیحی سب تو لغاف پر زناوب

اسدا شدہ خاں لکھا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ ذرا کے لفظ کے ساتھ میرزا یا نہیں لکھنے۔ یہ غلاف دستو

سے، یا زناوب اسدا شدہ خاں لکھو یا میرزا اسدا شدہ خاں لکھو اور ہمارا کا قلم دونوں میں اس کا سبب لازم

علوم ہوتا ہے فقہ نے چھپا تھا کہ "اسد اللہ خاں" کے بجائے "محمد اسد اللہ خاں" کیوں نہ لکھا جائے
نیز نام سے پہلے "میرزا" لکھا جائے یا "مولانا" یا "نواب"۔ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:-

صاحب نصاب رک م، ح، م، د (یعنی محمد کے سرحد پر میری جان شاربے مگر چکر لکھ سکے
ولایت تک حکام کے ہاں سے یہ لفظ بھی محمد اسد اللہ خاں میں لکھا جاتا ہے نے بھی موقوف کر دیا
ہے۔۔۔ "میرزا" و "مولانا" و "نواب" اس میں سے ہم کو اور بھائی منشی غنی بخش حقیر کو اختیار ہی چاہا ہو لکھو۔
عرف کا ذکر غالب نے اپنے اردو دیوان کے دیباچہ کی شر کے آخر میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-
یارب ایس بڑے ہمتی ناشیدہ، زینتی برپیدانی نارسیدہ بھی نقش بنمیر مود نقاش کہ پاسد اللہ خاں
موسوم، پر میرزا نوشہ موقوف، غالب متخلص ست چننا کہ کبر بادی مولدہ دہلوی سکن است فرجام کا
بخنجر دمن باد۔

اں سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالب کو اپنے عرف کے اہل میں تعلق نہ تھا جس زمانے میں "دستنبو"
چھپ رہی تھی منشی شیونرائن صاحب آرام الملک مطبع مفید غلاق نے غالب کو ایک خط بھیجا تھا جس کے
لغظ پر میرزا نوشہ صاحب غالب "برج تھا، غالب کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں "دستنبو" کے مسودہ پر بھی
یہی عبارت برج نہ ہو جائے۔ فقرہ کو لکھتے ہیں:-

صاحب مطبع منشی شیونرائن کے خط کے لفظ "بھلا" ہے میرزا نوشہ صاحب غالب "مذکور کرد
لکھنا بہت ڈرنا ہوں کہ غلام کتاب بڑی نہ لکھ دیں۔ آیا فارسی کا دیوان یا دو کا یا
پنچ آہنگ یا تیر و زبیا ہے لی لونی کتاب اس تہہ گڑھ میں نہیں پہنچی۔۔۔ "منشی شیونرائن" میر
نام رکھ لیتے؟ تم نے بھی میرزا نام نہیں نہ بتایا صرف اپنی خدمت عرف کے وجہ اس واسطے لکھی نہیں۔
بلکہ وجہ یہ کہ بلی کے خواہ کو ترک عرف معلوم ہے مگر غلطی سے ولایت تک میں دزرا کے خط میں دو ملکہ
عالیہ نے مضمون کوئی اس نالائق عرف کو نہیں جانا پس اگر صاحب مطبع نے میرزا نوشہ لکھ دیا تو میں
غارت ہو گیا۔

اس سے مترشح ہوتا ہے کہ غالب کو عرف پسند نہ تھا شاید شروع شروع میں عرف اس لئے اختیار کیا

کر لیا تھا کہ اس زمانے میں عرف کا عام دستور تھا۔ اور میرزا نوشہ عرف اختیار کرنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ غالب کے والد میرزا عبد اللہ بیگ کا عرف میرزا دولہا تھا لیکن جب تکینوں اور شباب کی عامیانه آرائش جوئیوں کا دور گزر گیا اور طبیعت میں تناسل و تقابست پیدا ہو گئی تو عرف کے عار آئے لگی۔

مرد سے محبت غالب نے اگرچہ ابتدائے شباب ہی میں آگرہ کو چھوڑ کر دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی لیکن اپنے والد کی محبت ان کے دل میں ہمیشہ موجزن رہی۔ نواب غیاث الدین احمد خاں نیر ایک دفعہ آگرہ تشریف لے گئے۔ غالب نے انہیں آگرہ خط بھیجا۔ دیکھئے اس میں اپنے موند کے ساتھ والیست کا کس طریق پر اظہار کرتے ہیں:-

جان برادر! اشک واد غالب نامراد یعنی آب و ہوسے اکبر آباد بہ شام ساز گار باد.....

گر فتم کہ خود را پسند گرفتہ و نزدیک خود از من دور گرفتہ آید اما چون مجبورم در وطن اید بہانا کہ نزدیک با من آید۔ شادم کہ شوق دور اندیش دیدہ و دل را دریں سفر بہ شام فرستاد تا ہم دریں تربت و شادمانی دیدار وطن نیز و نمودار نہی تا آگرہ آباد را بکشم کم نکلند و از رہ گزر ہائے کائنات را بحفظ گوئے والا مان ہوسے گزند کائنات آبادیہ ویران۔ آں ویرانہ آباد باز نگاہ ہم چون مجھونے و ہنوز آں بقدر اور بہر کف خاک چتر زدنے ہست۔۔۔ و نگاہ سے بود کہ آں مسز میں جز ہر گز نہایت و بیچ ندل جز دل یار نہایت۔۔۔ مے نیو مچ و آں نکلندہ بہستانہ و زمین و ہمارا آما یہ از جا بکھینچے کہ زنداں را ہوسے صبر و پایداریاں را نہایت نماز از خمیر غور بکھینچے۔ ہر چند ہنوز و نما آں گل زمین را از تن پیایے بود دل نہیں دہر یک آں گلستاں را نہ جان در ووسے بود خاطر نشان اما ازگی وقت شمار او نظر نہایت ہم براہ آں داشتہ کے نویند و در غی کہ بیچ گاہ خوشند کہ زینست ہنس۔۔۔ مانے مرا بہ کہ ہم او را پذیرفتہ و در بابہ پانچ سلا مین از زبان بونچ پتہ لفت۔

غالب | تحفہ الدولہ و ہیرانماک نظام جنگ کا خطاب دو زبان نیموریہ کے آنری پاؤ شاہ علی الدین بہادر شاہ مرحوم کی طرف سے بہ حرم شاہیہ کو ملا تھا جبکہ خاندان شاہی کی تائید نگاری کا منصب

غالب کے حوالے کیا گیا تھا چنانچہ خود مہر نیروز کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

پنچشنبہ بست و سرم شبان سال یک ہزار و صد و شست و شش ہجری با چارم جون سال
 یک ہزار و شست و صد و پنجاہ و بیوی برابر تہمتا و پشکو سے کہنداری آفتاب ہست در
 بیت الشرف براوزنگ شمسہ و من پشائے کہ کوئی عطار دہست و نسیم بہ رو پروایتا و کا
 پروازان شامی بہ فرمان حضرت علی النبی جلوت عائدہ عاصم پروند و قاتم . انجاست شش پارچہ
 آداستہ بہ سلام نگاہم آہ رند خداوند نیام وین ہاں درست بخشش آہیں کہ کف آن دست
 و ریائے ہست کہ ہفت دریا کف اوست بگوشہ آستے معدن یعنی جینہ . سرزنج بہ سرم بست
 و رک جان ایندیاں یعنی مال مروارید بگردنم آویخت یادش فخر سرش گہر آستے تراویدہ
 رگ ابرو مر شاہ پردیں سپاہ بگوشہ بساط بارگاہ افشا ندہ غالب سخن سر آستے را بخم الد و لدو
 دیر الملک و نظام جنگ خواندہ۔

تخلص غالب نے ابتدا میں اردو میں شعر کہنے شروع کئے تھے۔ تو اسد تخلص رکھتا تھا جب فارسی میں شعر
 کہنے شروع کئے تو غالب تخلص اختیار کیا۔ بعد ازاں اردو میں بھی غالب ہی تخلص رکھنا بیان کر رہے ہیں
 کسی قطع میں غالب تخلص لانے پر تنقید ہوئی تو بلا حلف اسد نہ لیتے تھے۔ چنانچہ تھیں برس کی عمر
 کے بعد غالب نے جو اردو و نثر میں کہیں ان میں سے دس بارہ ہیں تخلص اسد ہے بعض اوقات تخلص کی
 جگہ پورا نام رکھ دیتے تھے مثلاً

مارا زبانی نے اسد اتہ ناں تہاں
 وہ دلوے کہاں وہ جوانی کہہ گئی

یا

اسد اتہ ناں تمام ہوا
 اسے دریغ وہ رند شاہ باز

تبدیل تخلص کی وجہ تخلص کو بدلنے کی وجہ پر بیان کی جاتی ہے کہ بعض ایک جو ذوق سخن سے نا آشنا

تھے میرا مانی اسد نامی ایک غیر معروف شاعر کے اشعار غالب سے منسوب کرنے لگے تھے۔ ایک مرتبہ غالب کے عزیز شاگرد منشی شیونازن آرام صاحب مطبع مفید سلاقی نے بھی میرا مانی اسد کے ایک شعر کو غالب کا شعر سمجھ کر پوری غزل مانگی تھی اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

بھائی ماشاں ماشاں اگر یہ غزل میری ہوج

اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں

اس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں لیکن اگر یہ غزل میری ہو تو بچہ پر نرا رعت اس سے آگے ایک

تخلص نے یہ مطلع میرے سامنے پڑھا اور کہا کہ قبالا اپنے خوب مطلع کا ہے ۔

اسد اس جفا پر توں سے وفا کی

رے شیر شاہاں رحمت خدا کی

میں نے ان سے کہا کہ اگر یہ مطلع میرا ہو تو بچہ پر نرا رعت، بات یہ ہے کہ ایک شخص میرا مانی اسد ہو

گزرے ہیں اور یہ غزل ان کے کلام مجز نظام میں سے ہے اور تذکروں میں مرقوم ہے میں نے

تو کوئی دو چار برس ابتداء میں اسد تخلص رکھا ہے ورنہ غالب ہی لکھتا رہا ہوں تم طرز تحریر اور

رہنمونہ پر بھی نظر نہیں کرتے میرا کلام اور ایسا مزخرف ہو؟

لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے غالب بعد میں بھی کبھی کبھی اسد تخلص فرماتے رہے۔

مونا آزاد نے آپ جہات میں لکھا ہے کہ بچہ میں کوئی فردا شیخ اسد تخلص کرتا تھا ایک دن ان کا

مقطع کسی نے پڑھا

اسد تم نے بنائی یہ غزل خوب

اے شیر رحمت ہے خدا کی

سننے ہی اس تخلص سے جی پیر ہو گیا۔ اور انہوں نے ۱۳۳۵ھ میں اسد اللہ غالب کی رعایت

سے غالب تخلص اختیار کیا۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ آزاد و مردم سے اس بیان کو جسنے کیا ہے لیکن ۱۲۴۵ء میں قتل ہونے والا بیان بدایت غلط ہے۔ غالب ۱۲۴۲ء میں کائنات جلتے ہوئے لکھنؤ ٹھہرے تھے۔ وہاں انہوں نے جو غزل بھی تھی اس میں غالب شخص ہنگال کیا ہے۔

لئے جاتی ہے کہیں ایک توجہ غالب
جادو کشش کا دین کر مہربانہ کو

اس سے ظاہر ہے کہ وہ ۱۲۴۵ء سے پہلے ہی اردو میں بھی غالب شخص فرما رہے تھے۔

نسب خاندان | غالب قوم کے ایک ترک تھے ان کا سلسلہ نسب توران ابن فریدون تک منتہی ہوتا ہے جب تورانیوں کا جاہ و جلال کیانیوں کے عروج و اقبال کی آمدی میں غبار کی طرح اڑ گیا تو حکمران خاندان کے تمام بقیہ حسینف افراد اپنے وطن کو چھوڑ کر جایا منتشر ہو گئے۔ اسلامی عہد میں اس خاندان کے افراد نے پھر دو عظیم الشان سلطنت قائم کی جو تاریخ کے اوراق پر سلجوقی سلطنت کے نام سے مشہور ہے اور جس کے تاجداروں میں سے الپ ارسلان، ملک شاہ اور سبخر شہرت عام اور بقلاتے دوام کے تاج پہن چکے ہیں جب یہ سلطنت بھی زائل ہو گئی تو پھر افراد خاندان غربت اور ان کی طرح پریشان و منتشر ہو گئے انہی میں سے ایک کا نام شہزادہ ترسم خاں تھا جو سمرقند میں جا بسا، غالب اسی ترسم خاں کی اولاد میں سے تھے۔

دادا ابدوسلان آئے | غالب کے دادا غائبنا محمد شاہ پادشاہ کے عہد میں ہندوستان آئے اور رستہ چلے لاہور میں نواب معین الملک کے پاس ملازم ہوئے جب معین الملک کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کی امارت کی بساط اٹھ گئی تو غالب کے دادا لاہور سے دہلی چلے گئے۔ جب شاہ عالم پادشاہ ہوئے اور وہ فقہا الدولہ نیز نجف خاں مختار بن گئے تو نواب موصوف کی سرپرستی میں غالب کے دادا کو بھی ملازمت مل گئی۔ اور پھاسو کا پرگنہ ذات اور رٹائے کی تنخواہ کے لئے مقرر ہو گیا۔ اس وقت سے غالب کے دادا نے دہلی میں سکونت اختیار کر لی۔ اور غالب کے والد میرزا عبداللہ بیگ خاں دہلی ہی میں پیدا ہوئے۔ فشی حبیب اللہ خاں ذکا حیدر آبادی کو لکھتے ہیں:-

میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں۔ دادا میرزا عبداللہ سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان میں آیا۔

۱۵ غالب کے اوج عرصے کے متعلق یہی تحقیق تھی جس میں درج ہوئی

سلطنت ضعیف ہو گئی تھی۔ سرخس پچیس گھوڑے اور نقارہ و نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا۔
ایک پرگنہ یہ خاں ذات کی خواہ اور رسالے کی خواہ میں یا یا بعد انتقال اس کے جو طوائف
الملوک کا ہنگامہ گرم تھا وہ علاقہ نہ رہا۔

مولوی سراج الدین احمد صاحب کو ایک فارسی خط میں لکھتے ہیں:-

ترک ثر دوم و نسب من یہ، فراسیاب و شہر گشت چوند و بزرگان من از نیاک با سنجو تیا، چون
ہم گہری دشتند و دولت ایناں را بیت سروری و سپیدی افرشتند بعد سپری شدن روزگار
جاد مندی آن گروہ چنارہ، فی وسیع نوالی روسے آور و جمعے را ذوق رہبری و غارت گری آریا
برود، و طائفہ را کشادہ فی جتہ گشت نیا نجان مرا بہ توران زمین شہر تر قند آرا مشکاہ شد از ان
میانہ نیاتے ۱۱۱۱) من از پرنود و نجیدہ آہنگ ہند کرد و بہ لاہور ہجری معین الملک گزید،
چوں بساط معین الملک در نوشتند بہ دلی آمد و با ذوالفقارالدولہ میرزا نجف خاں بہادری
اراک پس پرم و بد شد یک خاں بہ شاہ زمان آباد و جوہ آمد و من بہ اکبر آباد۔

انور الدولہ نواب محبسہ الدین تمان بہادر شفق رئیس بہ و را کا پسی کو لکھتے ہیں:-
نیاتے نامہ نگار ترکی بود از شہر و افراہ فراسیاب و شہر گشت از ترکستان بہ مند روسے آہور، و ملا
و معین الملک تکیہ نگاہ و آرائش بہاتے ساخت۔

قہر نیر و زکے دیباچہ میں لکھتے ہیں:-

نیا نجان نامہ نگار زخند، فراسیاب بہ شہر گشت بود و فرماندان با ذوالفقار گشت۔ فرد مرون
چراغ ہستی نور ویدہ تور (فراسیاب) بہ با و استین کینہ یختر پشگیاں روز سیاہ پیش آورد
خداوندان اور گشت قزیم را انان بگ و ساز جنتی گند ناگوں بہ گفت نہ ماند، بہ مزدوم بجیند
روستے آور و ند، و بہ دست مز و تیج زون نان خوردند بہم دین نیستاں ایوان کسان شیں
سجوتیاں دگر بارہ سر بہ فسہ وفسر گوہر ماسوند جن گزیدہ چنانچہ خوشے ورتاں مداران
کا قوس کوس را نیز از پاسے قلندہ

در مشرب ما خواہش خودی نہ جوی در جمع اطلس مسعود نہ یابی

در بادہ اندیشہ ما دود نہ بینی در آتش جنگامہ ما دود نہ بینی

از اسپیان این قافلہ نیاستے من کہ در فکر و ماورائے سمرقند شہر مسقط الرأس سے بود چوں
سیل کہ از بالابستی آید از سقند بہ ہند آمد و در قسریہ بہ شاہ، خود الفقار الدولہ میرزا بخت
توہ نوکری شہامش نوشتند و بر پرگنہ پہا سورات روزی سے و سپاہش نوشتند۔

غالب کے دادا | غالب کے دادا کا نام معلوم نہیں ہو سکا نہ یہ معلوم ہے کہ انہوں نے کب انتقال کیا خواجہ
حالی مرہم فرماتے ہیں کہ ان کی زبان ترکی تھی نیز ان کے متعدد دہینے تھے جن میں سے صرف دو کے نام
معلوم ہیں ایک میرزا بدلتہ بیگ خاں عرف میرزا دولہا (غالب کے پردہ نگار) دوسرے میرزا انصاری
بیگ خاں (غالب کے عم محترم)۔

غالب کا یہ دو بڑے محل نظرب کہ ان کے دادا شاہ عام کے عہد میں ہندوستان آئے اس لئے
کہ شاہ عالم کی پادشاهی کا زمانہ ۱۷۵۷ء سے شروع ہوتا ہے اور نواب حسین الملک جن کے پاس غالب
کے دادا بالابو میں نام نمونے تھے ۱۷۵۷ء میں انتقال کر گئے تھے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ غالب کے دادا شاہ
کے عہد میں ہندوستان آئے۔ غالب کا یہ بیان غالباً غماندانی روایات پر مبنی ہے۔ نواب حسین الملک کی
ومات اور شاہ عالم کی تخت نشینی کے سنین معلوم نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس بیان کی تصحیح نہ کر سکے۔
نسب پر | غالب اپنے نسب پر بہا بکا فخر کیا ہے۔ وہ کہتی ہے اپنے آپ کو افراسیابی اور کہتی ہیں
کبھی دو دو زار شہم تیں سے ہوئے پراتر تے ہیں کبھی اپنے آپ کو ٹوٹی اور توڑانی تاتے ہیں کبھی یہاں
ہوئے پر فخر کرتے ہیں مثلاً

غالب از خاک پاک تو ز نسیم لاجرم در نسب من سرہ ندیم

ترک زادیم و در شراو بنے ہستہ گن قوم پیہ ندیم

ایچکیم ایسا نہ اتراک در قمای زمانہ وہ ندیم

لے پنگ واسی بگ باپ سے ز شہم افراسیاب کا دادا سے ایک کرتے ہے اور کہے جی ماہ کاں ۱۲

فن آبائے ماکشاوڑی است مرزباں زادہ سر قندیم

پھر فرماتے ہیں :-

ساقی چون شنگی و سر سیاہیم دانی کہ اصل گوہرم از دودہ جم است
میراثِ جم کہے بود اکنوں بہن سپار زان پس رسد بہشت کہ میراثِ آدم است
نہر نمرود کے دیا پہ میں اپنے نسب کی وضاحت کرتے ہوتے لکھتے ہیں :-
غالب یہ گہر زودودہ زاوشم زان رو پھٹائے دم تیغ است دم
چون فت سپیدی ز دم چٹک شعر شدیر شکستہ نیا گاہاں تسلیم
بہادر شاہ کے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں :-

سلو تسیم بہ گوہر و خاقانیم بہن
توقع من پس جو خاقاں برابر است

آغا بزرگ شیرازی تخلص بہ وفا کے مکتوب میں لکھتے ہیں :-

غلیب ہم دے نور چشم محیلم غریب ہم دے روشناسِ جہانم
بہ ہما بود عموئے خداوندِ خشم در تسلیم معنی ہماں پہلوئم
کہ ختم کہ از ختم افرا سیام گرفتہ کہ از نسل سلجوقیام
دل دوست تیغ آزمائی نہ دایم رہ و رسم کشور کشائی نہ دایم
چل سال توقع معنی ہشتم نہر دگر نویسند صاحبِ قرائم

سہرون کے قصیدے میں ذوق کی تنک و ملکی بہنِ نانی اور اوانا شناسی سے جو ناگوار
عمورت حالات پیدا ہوئی تھی اس کے ازالہ کے لئے غالب نے اردو میں ایک قطعوں لکھا تھا جو
زباں زد عوام ہے اس کا ایک شعر یہ ہے :-

سو پست سے ہے پیشہ آباسپہنگری کچھ شاعری و ذریعہ عزت نہیں مجھے

غالب کے اعداد کی جو کیفیت اور پر بیان ہو چکی ہے اسے نظر رکھتے ہوئے یہ دیکھنے سے حیران و حیرت ہے اور اسے عام شاعرانہ مبالغہ یا خالی سخن گستری بخیر نہیں ہونا چاہیے۔

اپنے ہم قوموں کے متعلق نواب نور الدین محمد الدین خاں بہادر شفیق کو لکھتے ہیں:-

سبحان اللہ اکثر امور میں تم کو ہم ملال آتا ہوں۔ غریبوں کی ستم نشینی اور رشتہ داروں سے ناخوشی

میر ہم قوم تو سرسبز و سرخرو ہنسی میں سہم قدمیں دھار و درشت نشیں سود و سوہوں کے بڑاں

اقرآنے بھی ہیں۔

غالب کے والد ماجد | غالب کے دادا کی وفات کے بعد ان کے والد عبد الغیب خاں اور چچا نصر منہ گیب

خاں اپنے آبائی پیشے یعنی سیہا گدی میں مصروف رہے۔ دونوں میں سے کسی کی ثابت یہ دانش معلوم نہیں

یہ بتایا جاسکتا ہے کہ وفات کے وقت ان کی عمریں بائیس بیس چار و نو غالب کی کم عمری میں

فوت ہوئے اس لئے قیاس کہتا ہے کہ ان کی عمریں تین چھتیس برس سے متقی ورنہ ہوں گی۔

غالب کے والد پہلے لکھنؤ میں آصف الدولہ کے پاس نوکر ہوئے پھر صدر آباد میں گئے اور

نظام علی خاں کے پاس زمین سواروں کی جمعیت کے ساتھ ملازم رہے۔ یہ ملازمت جاتی رہی تو اگر کو

چلے آئے جہاں ان کی شادی اخیر خدیجہ بیگم کے ساتھ ہوئی تھی۔ اگرچہ اس وقت ان کا شمار

والی الور کے پاس بغرض ملازمت پہنچے لیکن کوئی مصورت مدعا براری پیدا نہ ہوئی۔ مابوس موکوں

ہو رہے تھے کہ اور کا ایک زمیندار ادراجہ سے مکرئی آباد ہو گیا۔ اس کی بہ کو بی کے سے جو بی بی

گئی اس میں میرزا عبد اللہ بیگ خاں کا دستہ بھی شامل کر دیا گیا۔ گریپ کے منہ پر پکڑ کر زمیندار

سابقہ چٹاوش ہوئی جس میں میرزا عبد اللہ بیگ خاں کو بھی شہید ہو گئے۔ اور وہیں انہیں دفن کیا گیا

یہ غالباً ۱۸۵۲ء کا واقعہ ہے۔ غالب کی عمر اس وقت صرف پانچ برس کی تھی۔ باقیہ وہ بیان

والی الور کی مرنے میں غالب کے جو قصیدہ نکلتا ہے۔ اس میں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے

فرماتے ہیں:-

زاکس گشت کو ہرمن و جہان متیم زاکس گشت شد یدرمن بہی نزار

دو پنج سالگی شد و ام چپ کہ حضور
 نگین سخن طرازم و دیریں طلیفہ خوار
 دارم بہ گوش حلقہ زنجیہ و ہشت سال
 اکنون کہ عمر شصت سے سال بہت شمار
 باید شنید راز ز ایمان بارگاہ
 بایہ شغفست قشتہ پیران آل و یار
 کانی بود مشاہدہ شاہد ضرورت
 در خاک راج گڑھ پدرم را بود مزار
 فشی حبیب اللہ خاں ذکا جید را بادی کو لکھتے ہیں :-

باپ میرا عبد اللہ بیگ خاں لکھنؤ جا کر ذاب آصف الدولہ کا نوکر رہا۔ بعد چند روز عبد اللہ باڈ
 نوٹیاں ملی خاں کا نوکر ہوا تین سو سو روپوں کی حیثیت سے لازم تھا کئی برس وہاں رہا۔ وہ نوکر
 ایک خانہ نگار کے کچھڑے میں جاتی رہی۔ والد نے گھبرا کر اور کا قصد کیا۔ راؤ راجا بختاؤ سنگھ
 کا نوکر ہوا وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا۔

عبد اللہ بیگ خاں نے دولہ کے چھوڑے، ایک اسد اللہ خاں غالب دوسرے یوسف خاں
 جو غالب کے دو برس چھوٹے تھے۔ غالب نے ایک موقع پر بہن کا ذکر بھی کیا ہے لیکن حقیقتہً ان کی کوئی
 حقیقی بہن نہ تھی ممکن ہے یہ ذکر رشتہ کی کسی بہن کا ہو۔

غالب کے عم محترم | عبد اللہ بیگ خاں کی درون ملک موت کے بعد ان کے بچوں کی کفالت نصیب
 بیگ خاں سے متعلق ہو گئی۔ وہ پہلے مرٹوں کی طرف سے آگرہ کے سدویدار تھے لیکن جب آگرہ
 انگریزوں کے قبضے میں آ گیا تو سدویداری کمشنری بن گئی اور کمشنر ایک انگریز مقرر ہو گیا۔ فخر الدولہ
 دلاور الملک نواب احمد بخش بہادر رستم جنگ رئیس فیروز پور جبر کہ وجاگیر دار لوہارو کو انگریزوں کے ہاں
 بڑا اعتماد حاصل تھا۔ ان کی ہمیشہ میرزا اسد اللہ بیگ خاں سے منسوب تھیں۔ انہوں نے لارہ بیک سے
 کہہ کر نصیب اللہ بیگ خاں کو انگریزی فوج میں رسالہ داری کا منصب دلا دیا۔ اور ان کی ذات اور
 رسالے کے لئے نواحی آگرہ کے دو پرگنے سوئک اور سوئنا مقرر کر دیئے۔ جس وقت میں دفعہ
 ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس وقت غالب کی عمر صرف نو برس کی تھی۔ فشی حبیب اللہ خاں ذکا کو غالب نے

میں جمع تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی لیکن سال وفات یقیناً ۱۸۵۷ء۔ نواب احمد بخش خاں مرہوم ۱۸۵۷ء

نصرت بیگ خاں میر تقی جیامہنوں کی طرف سے اکبر آباد کا صوبیدار تھا اس نے مجھے پالا۔
 سلسلہ میں جنرل بیگ کامل ہوا صوبیداری کمشنری ہو گئی اور صاحب کمشنری بیگ گریڈ مندر
 ہوا بیسے ہجڑا کوئٹہ بیکٹے سولہوں کی بھرتی کا حکم پایا چار سو سوار کا رستم پر تقرر ہوا۔ گینٹ
 دوپہہ زنت کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ دوپہہ سال کی جائیزین دیا تہا وہ مرزا بانی کے قتل کے گروہ
 ناکا، مرگیا۔ سالہ بڑھت ہو گیا۔ ملک کے عوض نقدی مقرر ہوئی وہ ایک پاتا ہوں۔
 پودھری عبد الغفور خاں صاحب سمرو مارہروی کو لکھتے ہیں :-

میں پانچ برس کا تھا کہ باپ مر ۱۰ نو برس کا تھا کہ چچا مر ۱۰ اس کی باگہ کے عوض میرے اور بہن
 بہن کا حقیقی تہا واسطے سال ایک نو ب احمد بخش خاں مر ۱۰ مر ۱۰ مر ۱۰ مر ۱۰ سال مقرر ہوئے
 انہوں نے دوسرے گزشتین ہزار روپے سال۔

مولوی سراج الدین احمد خاں کو ایک فارسی کتاب میں رقم فرماتے ہیں :-
 پنج سال از عمر من گزشت اپد رافہ سرم سایہ برگشت ملزمین نصرت بیگ خاں چوں بخت
 کہ مر ابہ نامزد پردہ گاہ گزشت فرزند آمدنایش پنج سال بعد رشتن برادر پے میں برادر بردشت و ما
 دریں خرابہ تنہا گزشت و اس بابہ کہ مر استان خاں گزشتی دروہوں را سہن بازی بود و ما
 بہ اور بدشت مدد بخش مسری دستہ بہ سکا لکھتہ تہا لی و کشور و شہر و صوبہ و درجنیل
 و ویک صاحب بجاورد ہوتے تہا۔ تہا چوں علم مر مر از و متیان دولت مل فرماتے تہا۔

(دقیقہ صفحہ ۱۲) کو سرکار انگریزی سے روپیہ لکھا گیا کہ وہ سندیں دینی تھیں پتی ۲۲ پر سرکشتہ تہا
 دوسری ہر راجہ کشتہ ۲۰ منی کشتہ و حکومت کی تحریر کے مطابق ایک خط خوب احمد بخش خاں و حمایت
 جس میں نصرت بیگ خاں کے انتقال کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا تھا کہ یہی بادروہن کے متعلقین کی پرورش و
 اور اس سلسلے میں نو ب صاحب کی جاگیر پر پچیس ہزار روپے کی جو رقم مقرر تھی اس میں سے دس ہزار
 بیگ خاں کے متعلقین کی پرورش کے سلسلے میں صرف کر دی تھی نیز وہ سوائے تہا دس ہزار روپے کے متعلقین کے
 کر دی تھی جو نصرت بیگ خاں نے تہا کر کے تہا کر کے تہا کر کے تہا کر کے تہا کر کے تہا کر کے تہا کر کے

انہوں نے چار صد سوار برد کاب (عام الدولہ) (لارڈ ایک) باسکٹس سرگرم جنگ۔ وہ ہماری جھنڈا
 سرکار انگریزی دیر گئے سیر محل از مصافحات اکبر آباد در جاگیر اشت سرکار انگلیشیہ بخوں بھا
 آفتاب کلبہ تار گدایان رہا پرغ و مابے نوایان را بہ طومن جاگیر پر مشاہرہ از غار خارجہ جوتے
 وجہ معاش فرغ بخشید و ما امروز کہ شمارہ غنس شکاری زندگان پیل و چار رسد براں را تہہ بنم
 و براں مایہ قدح۔

غالب نے کسی جگہ بھی صراحت نہیں لکھا کہ چچا کی موت کس طرح واقع ہوئی، محولہ بالا تحریر سے صرف یہ ظاہر
 ہوتا ہے کہ اول موت ناگاہ ہوئی دوم اس حالت میں ہوئی جبکہ میرزا نصر اللہ بیگ خاں لارڈ ایک کے ہم درگاہ
 سرکشوں سے سرگرم جنگ تھے۔ غلط فہمی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاید نصر اللہ بیگ خاں بھی شہید
 ہوئے لیکن میں جس حد تک معلوم کر سکا ہوں اس کے لئے کوئی شہادت نہیں مل سکی۔ بہر حال غالب
 کے والد اور چچا چار سال کے اندر اندر یکے بعد دیگرے رہ گئے عالم بچا ہو گئے۔ اور لارڈ ایک نے
 ان کے چچا کی وفات کے بعد دس ہزار روپے سالانہ کی نقد معاش شال جاگیر نواب احمد بخش خاں
 مرحوم و منصور خاندان کے پس ماندوں کے لئے مقرر کرادی لیکن نواب احمد بخش خاں نے تین ہزار
 روپے سال سے زیادہ نہ دیئے جن میں سے غالب کے حصے کی رقم ساڑھے سات سو روپے سالانہ
 تھی۔ اس فنڈ کی تفصیلی ذکر دوسری جگہ آئے گا۔

غالب نے (۱۱) غالب کے نانا خواجہ غلام حسین خاں کہید ان تھے جو خواجہ عالی مرحوم کے بیان کے مطابق
 سرکار بہرہ کے معزز فوجی افسر اور اگر ہم کے عائد میں سے تھے۔ ان کی دولت اور وسعت جائداد
 کا اندازہ اودے معاش کے ایک کتبے سے ہوتا ہے جو غالب نے منشی شیونرائن آرام مالک مطبع مفید
 خلاق کو لکھا تھا فرماتے ہیں :-

م۔ غلام حسین اور اس کے عائدین کی آمیزش کا حال کیا معلوم ہے مجھ سے سنو
 وہ اسکے والدین شریف خاں دیرانی میں رہتے تھے، جب خواجہ غلام حسین خاں کے فوت ہوئے تھے۔
 جب میرے نانا نے کرنل رک کر اور گھرنی تو تمہارے پردہ والے نے بھی کہہ کھوں دی وہ دیکھ

کیس نوکری نہ کی۔ باتیں میرے ہوش سے پہلے کی ہیں۔ مگر میں جوان ہوا تو میں نے دیکھا کہ منشی منشی دھرم منشی شیونرائن کے دادا (خال) صاحب (خواجہ غلام حسین خاں) کے ساتھ ہیں۔ اور انہوں نے جو قیمتم گھاؤں اپنی جاگیر کا سرکاری دھونے کیا تو منشی منشی دھرم اس امر کے منصرم ہیں اور دکانست اور بخاری کرتے ہیں میں اور وہ منشی منشی دھرم عمر تھے۔ شاید منشی منشی دھرم سے ایک دو برس بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں انیس میں برس کی میری عمر اور ایسی ہی عمر ان کی۔ باہم شہین اور اختلاف اور محبت۔ آدمی آدمی رات گزار جاتی تھی چونکہ ٹھکان کا بہت دور تھا اس واسطے جب جاتے تھے چلے جاتے تھے بس جا رہے اور ان کے مکان میں پھیلا رندی کا ٹھکانہ ہزاروں دو کٹے درمیان میں تھے۔ ہماری بڑی جلی وہ ہے جو اب سینٹر لکھی جینے مولیٰ ہے۔ اس کے دروازے کی سنگین بارہ دری دوسری نشست تھی۔ اور پاس اس کے ایک کھنڈیا والی جلی سلیم شاہ کے قید کے پاس دوسری جلی دیکھنے کے لئے سے لگی ہوئی ایک اور جلی اور اس سے آٹے بڑھ کر ایک اور شہرہ کہ دو گدہ ٹریوں والی شہرہ تھا۔ اور ایک کٹہرہ کہ وہ گھنڈیا والی تھا۔ اس کٹہرے کے ایک کونے پر ایک بنگا لٹا ہوا تھا۔ اور راجا بلوان سکھ سے پتنگ فرا کرے تھے۔ داخل مان نامی ایک سپاہی تمہارے دادا کا پیش رہتا تھا وہ کٹروں کا گویا نگاہ کران کے پاس جیت کر آتا تھا سو تو سہی تمہارا وہ بہت کچھ بیک کر لیا ہے۔ ملائے سول سے تھے۔ روز مندرہ پنا کر لیا تھا دس بارہ ہزار روپے کی سرکاری مالکداری داکر آتا تھا۔

خواجہ عالی مرحوم نے بالکل صبح فرمایا ہے کہ جس سرکار (خواجہ غلام حسین خاں) کے سترہیں دس دس ہزار روپے کے مالگزار بن گئے تھے اس کے بٹے ہونے میں کیا شبہ ہے۔

اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ غالب کے والد بزرگوار اگر دس بیٹوں خاندانہ اماد کے رہتے تھے۔ اس لئے کہ غالب نے اپنے نانا ہی کے املاک کو اپنے املاک ظاہر کیا ہے یا اس میں قطعاً شبہ نہیں کہ والد اور چچا کی وفات کے بعد غالب اپنے نانا ہی کے پاس رہتے تھے۔ خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب غالب نے دہلی میں سکونت اختیار کی تھی تو ان کے نانا کے بعض املاک فروخت ہو گئے

تھے۔ یا خود غائب ہوئے وہ املاک فروخت کر دیئے تھے۔ جو نہ مال کی طرف سے انہیں ملے تھے۔

خانہ دانی غفلت | یہ بھی ظاہر ہے کہ غالب کا خاندان بہت ادب پر تھا۔ ان کے چچا کی خواہ بارہ ہزار سالانہ تھی۔ جاگیر لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی تھی۔ ان کے والد کی شادی خواجہ غلام حسین خاں کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ ان کے چچا نواب احمد بخش خاں مرحوم کی بمبئی سے مسووب تھے۔ غالب اس آخری رشتے ہی کی وجہ سے غالب کی شادی نواب احمد بخش خاں کے برادر کو پاک نواب الہی بخش خاں مرحوم کی چھوٹی صاحبزادی امراؤ بیگم سے ہوئی۔

یہی اور حکمت الہیٰ! میرزا خاں ہے کہ اگر غالب کے باپ اور چچا کا سایہ کیسی اور کم عمری میں سر سے نہ اٹھ جاتا تو بظاہر کوئی اسکا نہ تھا کہ انہیں پسگری کے آبائی پیشہ کو چھوڑ کر پوری زندگی ادب و شعر کی خدمت میں وقف کرنے کا موقع ملتا۔ اگر باپ یا چچا زیادہ دیر تک زندہ رہتے تو غالب ہی ہے کہ شاعری کا یہ گنج گرا نا یہ پسگری کی نذر ہو جاتا لیکن قدرت اس تا دیر روز کار و جود سے دوسرا کام لینا چاہتی تھی۔ لہذا جو ہستیاں غالب کو آبائی پیشہ میں لگانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہو سکتی تھیں وہ غالب کے ہوش سمبھالنے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ پسگری میں غالب بڑی سے بڑی ترقی کر رہے تو اپنے چچا کی طرح رسالہ اریا اپنے نانا کی طرح کبیراں بن جاتے لیکن ادب و شعر میں انہیں پایہ محفل ہو۔ جو سلطنت و تاجداری میں افراسیاب، طغرل، سنجر، الپ ارسلان اور ملک شاہ نے حال کیا۔ آج تو ہم خاں۔ عبداللہ بیگ خاں، شہزادہ بیگ خاں اور خواجہ غلام حسین خاں کے ناموں سے ہم صرف اس لئے روشناس ہیں کہ وہ غالب کے بزرگ تھے۔ ورنہ ایسے بزرگوں کو لکھو آدمی ہر عہد میں ہو گزرے ہیں جن کے نام بھی دوادین میر و سوانح میں اندراج کے شایاں نہیں سمجھے گئے۔

ال خاندان | ہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ غالب کے والد اور چچا کی وفات کے بعد ان کے اور کون کون سے رشتہ دار موجود تھے؟ اور مرض کیا جا چکا ہے کہ چچا کی وفات کے بعد غالب کے خاندان کے لئے دس ہزار روپے کی مراثی مقرر ہوئی تھی جس میں سے نواب احمد بخش مرحوم نے

غالب کی فارسی دانی کی بنیاد و اساس ملا عبد السمیع کی تعلیم ہی تھی۔ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ غالب
مکتبی فارسی کے جوہر میں ڈوبکیاں لگانے کے بجائے اہل زبان کی فارسی کے دریا کے کنارے بن گئے۔
ہندوستانی اکیڈمی صوبہ متحدہ کے سہ ماہی رسالہ "ہندوستانی" بابت جنوری ۱۹۳۲ء میں غالب کا ایک
غیر مطبوعہ خط بنام مولوی ضیاء الدین صاحب خلیہ و طوطی خیرہ ذواب صاحب لکھی دارا پور چھپا تھا اس کے آغاز
میں غالب اپنی تعلیم کے متعلق فرماتے ہیں :-

میں نے ایام دبستان نشینی میں شیعہ ماتہ عامل تک پڑھی بعد اس کے سو و صوبہ اور آگے تہہ کر لیا۔ پھر مدرسہ
عربیہ میں سہ ماہی پڑھی۔ فارسی زبان سے لگاؤ اور شعور سخن کا ذوق فطری ہوئی تھا۔ ایک شخص کو سامان
الذیل سے معذرت و غفلت و فلسفہ میں ہر روزی فصل حق مرحوم کا نظیر اور یوں کہ صوفی صوفی تھا میرے شعور گرا
میں ۱۷ دہوا۔ اور ملاحظہ غلامی بہت خاص فارسی ہے آئینہ شریعتی، اور غلامی فارسی آئینہ بھری ہے
میرے عالمی ہونے سونا کسوتی پر چڑھ گیا۔ ذہن سے ہندوستان کی درسی سے پرہیز لائی اور تادبہ ہماضہ با سب
عہد و ہرج و مرج صحت اس زبان کی دشمنی کا مظاہرہ کیا۔

شاء ہی میں غالب کو کسی سے تمیز نہ تھا۔ ملا عبد السمیع سے فارسی پڑھی اور اس کے انصاف و قواعد سیکھے۔
لیکن شعور کوئی میں میرا فاضل سے سوا اور کسی سے نہت پذیر نہ ہونے۔

غالب کی مختلف تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ میں فارسی زبان کی صرف و نحو اور تائید پر کامل عبور
تھا۔ وہ عربی سے اچھی طرح واقف تھے۔ بخیر جانتے تھے تصوف کی اکثر کتابیں دیکھ چکے تھے۔ طب کے بھی واقف تھے
جناب محمد عبد الرزاق صاحب راشد و کا محمد فینانس دولت آصفیہ نے ۱۹۳۶ء کو غالب کے حالات
کے متعلق جو تقریر لکھی اسے ذریعہ سے نشر کی اس میں وہ فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر سید قاسم صاحب (نیکمئی حیدر آباد)
کے کتب خانہ کی کتابیں دیکھتے وقت طب کی ایک کتاب میری نظر سے گزری جس کا نام "ذخیرہ دولت شاہی"
ہے۔ اس کتاب کی تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بہ حادوی اول ۱۳۳۲ھ کو مصنف نے احمد شاد پادشاہ کے
مذہب میں پیش کی تھی۔ رمضان کو اسے شامی کتب خانہ میں داخل کرنے کا حکم ہو گیا۔ لیکن کتاب کے معلوم ہوتا ہے کہ یہ
اتحادیہ مطبعہ میں ہی ہے۔ کتاب پر پادشاہ کی قلم کے علاوہ غالب کی بھی مدد ہے جس میں غالب کے نام کے علاوہ یہ تحریر ہے

دوسرا باب

شادی، خانی زندگی اور متعلقین

بکاشی لختے از کاشانہ یاد آر دریں جنت ازال ویرانہ یاد آر
دریغ اور وطن و اماندہ چند، بخون دید و زورق راندہ چند
ہوس را پلے درد اہن شکستہ پامید تو چشم از خوش لبستہ

شادی غائب کی شادی، رجب ۱۳۲۵ء کو ٹھیک تیرہ برس کی عمر میں غائب الہی بخش خاں معروف کی چھوٹی صاحبزادی امراؤ بیگم سے ہوئی۔ غائب علاء الدین احمد خاں کے جس مکتوب میں وہ اپنی حیات مستعار کو عالم روح کی ننا دہکاری کی منہ آواز دیتے ہیں اس میں فرماتے ہیں:-

۸ رجب ۱۳۱۲ء کو بچہ کو رو بکاری کے واسطے یہاں بھیجی یعنی تم عدم سے معرض وجود میں آیا تیرہ

برس حرارت میں رہا، رجب ۱۳۱۲ء کو میرے واسطے مکہ و دمام میں صادر ہوا، ایک بیڑی میرے

پاؤں میں ڈل دی، دلی شہر کو نداں متحرک کیا اور مجھے اس زندان میں ڈال دیا، نیم فشر کو شفقت ٹھہرنا

نکاح میرے کہ اس خط میں مکہ و مدینہ سے مرد شادی اور بیڑی سے مراد بیوی ہے

ہر گز پال تفتہ نے اپنے اور غائب کے مشرک و رست امراؤ شہید کی دوسری بیوی کے انتقال کی اطلاع

دی تھی۔ اس کے جواب میں غائب ۱۹ دسمبر ۱۳۱۸ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:-

امراؤ شہید کے عاں پر اس کے واسطے مجھ کو رحم وراہنے دے شک آیا۔ اللہ ایک وہیں

کہ وہ ان کی بیڑی کست چکی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ ایک دیر بچاس برس سے جو ماضی کا

پھندہ لکھے میں بڑا ہے نہ پھندہ اسی خوشاستہ دوم ہی جلتے سے۔

سن قمری کے حساب سے یہ خلا ۱۳۲۵ء میں بھی کیا تھا، جیسے میں سے کا دن نکال دیتے جائیں

تو ۱۳۲۵ء رہ جاستہ ہر کو یا اس مکتوب سے بھی یہی ثابت ہو جاستہ کہ غائب کی شادی ۱۳۲۵ء میں ہوئی تھی

غائب کے خسر غائب الہی بخش خاں معروف کے جو فخر والدہ لودہ اور مالک غائب احمد بخش خاں

رستم جنگ دلی فیروز پور جھڑکے دیس لوہارو کے چھوٹے بھائی تھے۔ انہوں نے اپنی تمام عمر روشنی اور عبادت گزاری میں بسر کی۔ نواب احمد بخش خاں اگرچہ عمر میں بڑے تھے مگر چھوٹے بھائی کے زہد و اتقا کے باعث ان کی بڑی عزت اور بڑا احترام کرتے تھے۔ معروف اچھے شاعر تھے۔ شاہ نصیر دہلوی کے شاگرد تھے۔ ان کا دیوان حال ہی میں شاد عبدالغادر سی بدایونی کی کوشش سے شائع ہوا ہے ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں رہگڑھے عالم بقا ہوئے۔ اور خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ کے پاس اس احاطہ میں دفن ہوئے جہاں بعد ازاں غالب سپرد خاک ہوئے۔ بولانا آئے دہلے استاد پرستی کے چوڑے میں معروف کے کمالات کو بھی ذوق کی تراوش میں کاغذ قرار دیا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں۔

معروف کی ولادہ | نواب الہی بخش خاں معروف کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ ہمیں صرف ایک بیٹے میرزا علی بخش خاں رنجور کے متعلق زیادہ معلومات حاصل ہیں۔ دوسرے بیٹے میرزا علی نواز خاں کا صرف نام معلوم ہے۔ ان کی نسبت اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ بیٹیوں میں سے بڑی کا نام فیادہ بیگم تھا جو نواب غلام حسین صاحب مسرور سے بیاہی گئی تھیں۔ چھوٹی بیٹی کا نام امراؤ بیگم تھا۔ جو غالب کی رفیقہ حیات تھیں۔ امراؤ بیگم کی امراؤ بیگم غالب کے دو برس چھوٹی تھیں جیسا کہ خود غالب کے ایک مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے۔ غدر سے دو تین برس بعد دہلی میں رہنے کی وجہ سے بیرونی تفریح سے اس زمانے میں غائب ہو گئے تھے۔ غالب کے دبا کی کیفیت پوچھی تھی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:-

دبا تھی کہاں جو میں نکلوں کہ اب کہ ہے باز یادہ اب جیسا مٹھ برس کا مرد (غالب) اور ایک ستر

برس کی عورت (بیگم صاحبہ غالب) نوزوں میں سے ایک بھی مرنا تو ہم جانتے کہ دبا تھی تھیں برس دبا

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی کے وقت امراؤ بیگم کی عمر گیارہ برس کی تھی۔ اور ان کا سن

ولادت ۱۲۱۳ھ تھا۔

علی بخش خاں رنجور | علی بخش خاں رنجور بن نواب الہی بخش خاں معروف غالب کے چار برس چھوٹے تھے۔

غالب خود نواب علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں:-

علی بخش خاں مرحوم مجھ سے چار برس چھوٹا تھا میں ستر برس میں پیدا ہوا جبکہ میں نے تیرہ

۴۴
رس شروع ہوئی اس نے اعلیٰ بخش خاں سے چچیا ستم برس کی مرانی۔

غالب کے ساتھ اعلیٰ بخش خاں کے تعلقات و روابط ہمیشہ بہت اچھے اور خوشگوار رہے۔ غالب نے کلکتہ جاکر اپنی مہین کے سلسلے میں جو چارہ جونی کی تھی اس میں بھی اعلیٰ بخش خاں ان کے نام میں ہمدردی و معاون تھے۔ اس باب میں غالب نے انہیں کلکتہ سے جو خط لکھے ان میں اعلیٰ بخش کے سلسلے میں آئے کا نام کی فارسی شہرستان بچہ آہنگ اعلیٰ بخش خاں ہی سے ایسا پرکھی گئی تھی جیسا کہ وہ خود پتہ آہنگ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ ہم تصدیق غالب کی تصانیف کے باب میں پیش کریں گے۔

کلکتہ جاتے ہوئے غالب کو راستے میں نواب احمد بخش خاں کے انتقال کی اطلاع ملی تھی۔ اور سب سے پہلے اعلیٰ بخش خاں کی خیاں پیدا ہوا تھا۔ وہ خود کلکتہ سے نواب احمد بخش خاں کے انتقال کا ذکر کرتے ہوئے اعلیٰ بخش خاں کو لکھتے ہیں :-

از جانب شہانہ پیشہ نامہ دو مرتبہ چچیا پیش آید و کواہ باشد تا ساس و روزیاز روزا بود...

برٹمنڈی، کار باہرست ہوا وہ چہ خود نکس باہر بود۔

اعلیٰ بخش خاں کو فیروز پور تاجر کے سو روپے ماہوار وظیفہ ملتا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ نواب احمد بخش خاں کے انتقال کے بعد وظیفہ بند ہو گیا تھا جب نواب شمس الدین احمد خاں دہلی فیروز پور تاجر کے وزیر کے قتل کی کجیوت کے الزام میں پچاسی پانچ روپے کی ریاست عہدہ ہو گئی تو نہ ہاراکر بڑی سو روپے کے بجائے اعلیٰ بخش خاں کے سونے پچاس روپے کا وظیفہ منفرہ کر دیا تھا جو ان کی وفات تک ملتا رہا۔ وظیفہ کی بندش کے زمانے میں وہ دہلی سے گل کر پے لکھنؤ میں رہے پھر پورے چھ گئے بعد ازاں یہ آباد پتہ گئے ۱۳۰۳ بمبر ۱۸۸۳ء کو انہوں نے دہلی میں وفات پائی اور اپنے خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔ نائب کیم جہوری کے خط میں نواب غلام الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں :-

میں نے اعلیٰ بخش خاں کے متعلق بہت سے باتیں بارہ بکے یاد رکھے ہیں اور یہ راجہ

نواب کے گھر میں نواب غلام الدین احمد خاں کے بارہ بکے یاد رکھے ہیں اور یہ راجہ

مئے ہر میں رہا سکا۔ تجویز و تہنیں ان کی طرف سے نواب منیا الدین احمد خاں کی طرف سے مل چکی تھیں۔
غالب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ علی بخش خاں کو کھن طرازی کا بہت شوق تھا اور بعض
اوقات وہ اپنے تعلق غلط فہمی میں بھی تال نہیں کرتے تھے۔ غالب نواب علاء الدین احمد خاں کو
لکھتے ہیں:-

اکبر! میں علی بخش خاں، میر صاحب کے لئے نثار کمارت میں لکھنے سے کہیں چچا بان (نواب
احمد بخش خاں) کے ساتھ جرنیل لارڈ لیک صاحب کے لشکر میں موجود تھا اور لیکر سے جو بات ہو
میں ان میں شامل رہا ہوں بے پروائی ہوتی ہے درہنہ و سہن نہ کر دھماؤں تو سہا پدن ملز
نکڑے سے۔ جابجا تو اور بھی گئے بٹھریں وہ میر صاحب۔ کب سید اختر در دیدہ و راوی تھے
ان و علی بخش خاں کو، کھن طرازی نواب صاحب ہم یہاں جانتے ہیں کہ جرنیل کے وقت میں
چا یا بے برس کے ہوئے۔ یہ سن کر اپنے علی بخش خاں نے کہا کہ درست ہو جا رہا ہو تو ہے۔
خدا شہد یا میرزا وہ ہیں دو فہمائے بے تک گیر او۔

نواب علی بخش خاں کی اولاد کا ذکر ہم پٹ باب کے آخر میں کر چکے ہیں۔

خاندان لوہارو | لوہار کا خاندان چونکہ قرابت قریبہ اور روابط خصوصی کی وجہ سے غالب کا اپنا خاندان
بن گیا تھا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مختصر اس خاندان کا بھی ذکر کر دیا جائے۔ خاندان
لوہارو کے آباد اجداد بھی غالب کے آبائی طرح ترکستان سے ہندوستان آئے تھے۔ یہ زمین بھائی تھے
قاسم جان۔ عارف جان اور عالم جان۔ عارف جان کے چار بیٹے تھے جن میں سے دو بہت مشہور
ہیں، اول نواب احمد بخش خاں، دوم نواب الہی بخش خاں معروف۔ نواب احمد بخش خاں دو بار کے
نہایت تھیل القدر فرو تھے۔ بڑے اعلیٰ دست کے جرنیل تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ موجودہ ریاست لوہارو
کی تیسری سیمکشی خاں ہی کی مسامی کا نتیجہ تھی تو یہ مبالغہ نہ ہو گا۔ نواب صاحب نے لارڈ لیک کی معیت
میں بڑی شاندار خدمات انجام دی تھیں جن کی بنا پر انہیں ملازمیہ میں فیر و زیور جگر کی ریاست ل
گئی تھی۔ نیز بعد ازاں لوہارو کا پرکشہ عطا ہوا تھا۔ انہوں نے نواب احمد بخش خاں کی اولاد میں

ایک سیواقی الاصل تھی جس کے بطن سے نواب صاحب کے بڑے صاحبزادے شمس الدین احمد خاں تھے ان کے ایک اور بھائی اویس بھی تھے۔ دوسری نگیم نواب صاحب کی ہم قوم تھیں جن کے بطن سے نواب امین الدین احمد خاں اور نواب ضیاء الدین احمد خاں تھے۔ نواب احمد بخش خاں نے ۱۸۲۲ء میں اپنے بڑے صاحبزادے شمس الدین احمد خاں کو اپنا جانشین قرار دیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ شمس الدین احمد خاں چونکہ سیواقی نگیم کے بطن سے تھے اس لئے خاندان کے دوسرے افراد جن میں خود غالب بھی شامل تھے، انہیں سب اپنا ہم پائیں سمجھتے تھے اور اس وجہ سے خاندان میں کشیدگی رونما ہو چکی تھی شمس الدین احمد خاں ایک طرف تھے اور باقی سارا خاندان دوسری طرف تھا۔ نواب احمد بخش خاں نے اسی کشیدگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنے دونوں چھوٹے صاحبزادوں کو بارو کی جائے مستقل طور پر دے دیں۔ اور بقیہ افراد خاندان کی منہیں فیروزپور جھڑکے سے متعلق کر دیں۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے نواب شمس الدین احمد خاں سے ایک اقرار نامہ لیا جو بارو کی جاگیر سے دست برداری پر مشتمل تھا۔ اور ۱۸۲۳ء میں بارو اپنے چھوٹے صاحبزادوں کو دے کر اور فیروزپور جھڑکے کی مسند پر نواب شمس الدین احمد خاں کو بٹھا کر وہ خود اپنی خاندانی حویلی واقع قلعہ صاحب میں گوشہ نشین ہو گئے۔ نواب صاحب نے اکتوبر ۱۸۲۳ء میں وفات پائی اور اپنے پیر و مرشد مولانا فخر الدین درگ آبادی کے مزار کے پاس دفن ہوئے۔

نواب احمد بخش خاں کے | غالب کی نیشن کا جھگڑا نواب احمد بخش خاں کی زندگی ہی میں شروع ہو گیا
صاحبزادوں میں کشمکش | تھا لیکن بقیہ خاندانی تنازعات ان کی وفات کے بعد شروع ہوئے۔
نواب شمس الدین احمد خاں نے یہ دعویٰ کروا کر بارو کا پرگنہ انہیں ملنا چاہئے اور ان کے بھائیوں
کی منہاں مقرر ہوئی چاہئیں۔ بھائیوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ نواب صاحب مرحوم کے جمع کئے
ہوئے نقد روپے، پیش پایا ہرات اور دوسری چیزوں میں سے بھی انہیں حصہ ملنا چاہئے۔

۱۵ مولانا فخر الدین خسر عالم دورا کے اہل اہل اللہ تھے۔ خواجہ سلیمان تونسوی کا سلسلہ نفس دہی سے ملتا ہے وہ
بہادر شاہ کے پیشوا نصیر الدین عت کالے میاں اسی کے پوتے تھے ۱۲

آنریہ ججکڑ ادلی کے بٹالائی ریزیڈنٹ کے پاس پہنچا جس نے گورنر جنرل کے پاس رپورٹ پیش کی وہاں سے ریزیڈنٹ کو فیصلے کا مختار بنایا گیا۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ لودھیاؤں اور امین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں کو مل جائے اور شمس الدین احمد خاں کو اس میں مداخلت کا کوئی حق حاصل نہ رہے۔ ضیاء الدین احمد خاں کی نابالغی کے نسلے میں لودھیاؤں کی آمدنی میں سے بد وضع مندرجہ انتظام جو کچھ بچے اس کا نصف حصہ بنام ضیاء الدین احمد خاں سرکاری خزانہ میں جمع ہوتا ہے اور ضیاء الدین احمد خاں بالغ ہو جائیں تو لودھیاؤں کی جاگیر دو نو بجائیوں میں بچہ برا بیکسیم ہو جائے۔

یہ فیصلہ طریقین کو شاد یا گیا اور منظوری کے لئے اوپر بھیج دیا گیا۔ حکومت ہند نے فیصلے سے اتفاق کیا لیکن اپنی طرف سے تجویز پیش کر دی کہ اگر امین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں راضی ہو جائیں تو انہیں جاگیر کی آمدنی کے برابر بعد وضع مصارف انتظام و تحصیل، نقد و پیسہ سالانہ ملتا جائے اور جاگیر شمس الدین احمد خاں کی تحویل میں رہے۔

ابھی کشیکش جاری ہی تھی کہ ریزیڈنٹ صاحب بدل گئے نئے ریزیڈنٹ نے حکومت ہند کی تجویز کے مطابق فیصلہ کر دیا کہ لودھیاؤں کی جاگیر شمس الدین احمد خاں کی نگہبانی میں رہے۔ اس فیصلے کی وجہ یہ قرار دی گئی کہ امین الدین احمد خاں نے ضیاء الدین احمد خاں کے حصے کا نہ پیسہ دہلی کے خزانے میں داخل نہیں کیا۔ جاگیر کی آمدنی کا اندازہ پچیس ہزار روپیہ کیا گیا تھا جس میں سے پندرہ ہزار روپے انتظام پر صرف ہوتے تھے اور دس ہزار روپے کی رقم غاص بچت تھی۔ امین الدین احمد خاں نے یہ غدر پیش کیا تھا کہ لوگوں کی سرکشی کے باعث پورا روپیہ وصول نہیں ہو سکا۔ اس امر کے قرآن موجود ہیں کہ مالگزاروں کے واجبات کی ادائیگی سے مزارعین کا انکار شمس الدین احمد خاں کی گنجنت کا یہ تھا۔ امین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں دونوں نے اس فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ اگر جاگیر لودھیاؤں کو ہم سے چھیننا ہی منظور ہے تو اسے شمس الدین احمد خاں کے حوالے کرنے کے بجائے سرکار انگریزی خود اس پر قابض ہو جائے۔ ریزیڈنٹ کو اوپر سے حکم ملا کہ اس فیصلے کو نافذ کر دیا جائے لیکن اس سے تامل کیا۔ اور اس امر کا انتظام کرتے ہوئے کہ شاید حالات بہتر ہو جائیں اور

بھائیوں کے مابین مصالحت کی کوئی صورت پیدا ہو جاتے۔

شمس الدین احمد خاں نے مسلسل اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ لوہارو کی جاگیران کے حوالے کی جائے آخر ریڈینٹ کو یہ مطالبہ قبول کرنا پڑا اور لوہارو کو امین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں سے چھین کر شمس الدین احمد خاں کے قبضے میں دے دیا گیا۔

۱۸۳۱ء میں مسٹر ولیم فریزر دہلی کے ریڈینٹ مقرر ہو کر آئے۔ فریزر صاحب نواب احمد بخش خاں مرحوم کے نہایت گہرے دوست تھے ۱۸۳۵ء میں دہلی میں یوڈاکٹر لونی کے سکریٹری رہ چکے تھے۔ نواب احمد بخش خاں کے تمام صاحبزادے، نہیں چچا کہتے تھے انہوں نے ریڈینٹ ہوتے ہی پھر اس سلسلے کو اٹھایا اور تجویز پیش کی کہ لوہارو کا علاقہ نواب احمد بخش خاں کی تقسیم کے مطابق امین الدین احمد خاں، وضیاء الدین احمد خاں کو ملنا چاہئے، اگر امین الدین احمد خاں نے وضیاء الدین احمد خاں کے حصے کا روپیہ دہلی کے خزانے میں جمع نہیں کرایا تو اس پر اعتراض کا حق شمس الدین احمد خاں کو نہیں پہنچتا۔ بلکہ صرف وضیاء الدین احمد خاں یہ اعتراض پیش کرنے کے حقدار ہیں۔ جب اہل حقدار اس صورت حالات پر مطمئن ہے اور اس کے خلاف شاکی نہیں تو پھر دوسروں کو اعتراض کا کبہا حق ہے؟ مسٹر فریزر نے یہ بھی کہا کہ لوہارو کی آمدنی چالیس ہزار ہے۔ اور مزید اصلاح کے بعد توقع ہے کہ آمدنی ساٹھ ہزار ہو جائے گی۔ لہذا جاگیر کو ایک مقرر رقم پر شمس الدین احمد خاں کے حوالے کرنے سے چھوٹے بھائیوں کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہے لیکن مسٹر فریزر کی تجویز کی شنوائی نہ ہوئی اور غائبانہی کے مشورے کے مطابق امین الدین احمد خاں اپنے مفدے کی پیروی کے لئے خود کھلکے گئے۔

شمس الدین احمد خاں نے غارت کھلتے پنچ کر انہوں نے تمام عمارات حکام دال کے گوشوارے کے توفیق ملان کے حق میں جویاں اور لوہارو کو نواب شمس الدین احمد خاں سے واپس لئے اگر امین الدین احمد خاں اور خباہ الدین احمد خاں کے حوالے کرنے کا حکم مل گیا۔ شمس الدین احمد خاں کے کیل نے فوراً کہنے سے یہ بدروس یا جیونڈا اپنے آقا کے پاس بھیجی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ پورٹ پہنچی تو

شمس الدین احمد خاں اپنے رفقا اور مصاحبوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ رپورٹ پڑھتے ہی انہوں نے وقفہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور سوچ میں پڑ گئے کہ کریم خاں نامی ایک وہیلار نہایت منہ لگا ہوا تھا اس نے بلا تکلف ہمارے سوچ میں کیوں پڑ گئے ہو؟ یہ کیا ناس نے ہند کر رہا ہے؟ شمس الدین احمد خاں نے اس پر غبارِ نفرت معمولِ خشکی کا اظہار کیا۔ کریم خاں نے حالات معلوم کئے بغیر کہہ دیا کہ اگر دشمن سے آزار پہنچا ہے تو میں اس کا خاتمہ کروں گا شمس الدین احمد خاں نے کچھ شرم پرست لوگ یونی باتیں بنا با کرتے ہیں کہ کریم خاں نے نو ذرا جواب دیا کہ نواب صاحب میں سبھان ہوں میرے ساتھ دوسروں کی طرح طعن آمیز گفتگو نہ کیجئے۔ نواب صاحب خاموش رہے۔ کریم خاں وہاں سے اٹھا اور دوسرے کمرے میں گیا تو وہاں نواب کا دیوانہ در ایک خدمت گزار آیا۔

بیٹھے تھے۔ ان سے نواب صاحب کی پریشانی کی تحقیق علت معلوم ہوئی۔

فریزر کا قتل | اسی وقت کریم خاں، انبامو کوٹہ کوٹے کرنیو فریزر تہذیب دہلی روانہ ہو رہا تھا۔ ستر و سیم فریزر کا خاتمہ کر دے جس سے لوہا روئی جا کر شمس الدین خاں سے بچنے لگی تھی۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قتلانہ سے نیسے کی طعن بات ہی نواب نے فریزر کے قتل کی سلیقہ بازی کریم خاں اور انبامو کوٹہ بھی گیا تاکہ فریزر کو قتل کر ڈالیں۔ دوسروں نے دینی سے عین، ایک فریزر کے پیچھے لگے رہے لیکن دار کا موقع نہ مل سکا۔ انبامو کوٹہ دیکھ کر چلے گئے۔ ان کی ناکامی پر بہت غصا ہوتا۔ دوسری مرتبہ پھر وہ دونوں دہلی آئے۔ ایک بندہ قتل خرید کر اور اس کی نالی کٹ کر تھوٹی کرائی تالہ اسے با آسانی کڑوں میں چھپایا جاسکے۔ دو ماہ تک انہیں باوجود تلاش مناسب موقع نہ مل سکا ایک روز فریزر صاحب ایک بکر دعوت میں بلائے گئے ہیں۔ کریم خاں راستے پر کھیت میں بیٹھے ہیں لیکن فریزر صاحب دعوت سے منع ہو کر کسی دوسرے راستے سے مشان پر پہنچ گئے۔ یہ موت بھی بدلتا ہے۔ فریزر صاحب نے کہا کہ ایک جگہ فریزر صاحب کی دعوت تھی جب وہ اس کے وقت سے منع ہوئے۔

تھے تو ان کے مکان کے قریب کریم خاں نے انہیں گولی سے ہلاک کر ڈالا۔ اور خوفِ بچ نکلا۔ لیکن شہر سے باہر جا سکا قتل کی اطلاع ملتے ہی شہر کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ اور قاتل کی تلاش شروع ہوئی۔ کریم خاں اور انیا نے شورہ کر کے بندوق ایک کنوئیں میں پھینک دی۔ باقی سارے نشانات بھی زائل کر دیئے۔ نواب صاحب کی طرف سے اس دوران میں جتنے خط آئے تھے وہ سب جلا ڈائے چند روز کے بعد کریم خاں نے انیا کو تمام حالات کے متعلق ایک خط دے کر نواب صاحب کے پاس بھیجا۔ نواب صاحب قتل کی تفصیل سن کر بہت خوش ہوئے۔ انیا نواب صاحب کے ل کر باہر نکل رہا تھا کہ کریم خاں کے ایک قریبی رشتہ دار نے یہ نظر احتیاط نواب سے کہا کہ انیا جیسے آدمی کو جو تمام رازوں سے آگاہ ہے زندہ چھوڑنا خالی از خطرہ نہیں۔ اس کا بھی خاتمہ کرو دینا چاہیے۔ انیا نے یہ بات سن لی۔ وہ فیروز پور سے نکل کر اپنے گھر پہنچا اور وہاں چھپا رہا۔ نواب کے آدمی اس کے پیچھے لگ گئے۔ انیا گھر سے نکل کر مختلف جگہوں میں چھپتا چھپتا اور اپنی جان بچاتا ہوا پہلے آگرہ پھر پٹی پتھ گیا۔ اس اثنا میں کریم خاں بعض شہا کی بناریہ پکڑا گیا۔ کریم خاں کا سر اٹھال جلانے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ شمس الدین احمد خاں اور مسٹر فریزر کی عداوت کا شخص کو علم تھا اور عام رائے یہی تھی کہ فریزر کا قتل شمس الدین احمد خاں کی انجیخت پر ہوا ہے۔ اور اس کا نامہ دار نواب سی کا کوئی ملازم ہوگا۔ بد قسمتی یہ کہ جس کنوئیں میں بندوق پھینکی گئی تھی اسی میں ایک شخص کا ٹوٹا گر گیا اس نے سقوں سے کود کر ٹوٹا نکلا، ناچا تو بندوق نکل آئی اور کریم خاں قتل کا جرم ثابت ہو گیا۔

ذاتِ شمس الدین صد خاں | انا کو برٹی میں | ہفتی ملی تو وہ سلطانی گواہ بن گیا۔ اور اس نے نواب کی شرکت کو پتہ چل گیا | انجیخت کے متعلق تو جی وی۔ کریم خاں کو پہلے پھانسی لگائی گئی۔ بعد ازاں ذاب کے لئے بھی پھانسی کا حکم ہو گیا۔ ن کی ریاست ختم کر لی گئی۔ اور اکتوبر ۱۸۵۷ء میں انہیں کشمیری دروازہ سے باہر فوسو فوسیوں کے پہرے میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ بیست ان کے خسر مرزا منگل بیگ کے حوالے ہوئی جس نے نواب کو قدم شریف میں دفن کیا۔

کہتے ہیں نواسی بڑی مروانگی سے جان دی۔ پہلے سبز لباس زیب بدن کیا لیکن وہ لباس اُتر دیا گیا تو سفید لباس پہن دیا۔ پھانسی پٹکنے کے بعد ان کی لاش قبلہ رخ ہو گئی۔ عام لوگوں نے اسے نواب کی بے گناہی کا ثبوت قرار دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر مدت تک زیارت گاہ عوام بنی رہی۔

شمس الدین احمد خاں کے فرزند اول کوئی بیٹی تھی صرف لڑکیاں تھیں جن کی شادیاں بعد میں ہوئیں۔ نواب احمد بخش خاں کے دوسرے لڑکے نواب دین الدین احمد خاں تھے اور قرار پائے ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے نواب علاء الدین احمد خاں والی لوہارو بنے۔ نواب علاء الدین احمد خاں کے بعد نواب سر میر الدین احمد خاں مسند نشین ہوئے۔ وہ خدا کے فضل سے زندہ ہیں پچھتر برس تک رہے۔ کئی سال سے ریاست کے کام سے علیحدہ ہیں۔ پہلے انہوں نے اپنے فرزند دہند کو مسند نشین کر دیا تھا ان کے انتقال کے بعد نواب سر دین الدین احمد خاں کا نیر مسند نشین ہو گیا۔

صاحبزادوں کی روداد | نواب ضیاء الدین احمد خاں کے صاحبزادوں میں سے شہاب الدین احمد خاں ^{ثاقب} صاحبزادوں کی روداد | نواب ضیاء الدین احمد خاں کے صاحبزادوں میں سے شہاب الدین احمد خاں کے صاحبزادے مشہور ہوئے شہلعل الدین احمد خاں تآباں۔ اور سر سراج الدین احمد خاں سائل۔ سر سراج الدین احمد خاں زندہ ہیں اور شاعری میں کافی شہرت کے مالک ہیں۔ سعید الدین احمد خاں طالب وفات پا چکے ہیں۔

امین الدین احمد خاں۔ غنیاء الدین احمد خاں علاء الدین احمد خاں اور شہاب الدین احمد خاں کے ساتھ طالب کے تعذبات بے حد خوشگوار تھے۔ اور آخر دم تک خوشگوار رہے۔ یہ لوگ بھی اس تاجدار ^{قلیم} کے ساتھ طالب کے تعذبات بے حد خوشگوار تھے۔ اور آخر دم تک خوشگوار رہے۔ یہ لوگ بھی اس تاجدار کے

(بقیہ صفحہ ۳۲) پنجاب گورنمنٹ کے پرائے ریکارڈوں میں سر فرید کے قتل کے متعلق بھی بہت سے کاغذات موجود ہیں جن کا ظاہر ہوتا ہے کہ انیا بیو کے بھائی اور ایک دوست نے خود دہلی پہنچ کر فرسوں سے کہا تھا کہ ریاست کی حفاظت کا دیکھنا ہمارے تو وہ سارے حالات ہمارے کے سے تیار ہے۔ ہمیں حفاظت کا تحریر نہیں دیا گیا تھا لیکن انیا اس وقت زندہ اس لئے کہ اسے نواب شمس الدین احمد خاں کی طرف سے بڑا نقد انعام کا تقاضا تھا۔

لیکن یہ نواسی یا ان کے آدمیوں نے انیا کی اس بے حدی کی اطلاع پکڑ کر اسے قتل کر ڈالنے کی کوشش کی مگر سب کچھ اس میں شبہ نہیں کہ نواب کی شرکت قتل کی بنیاد یا تو انیا کا بیان تھا۔ یا نواب اور سر فرید کی بے بسی کشیدگی۔

سخنوری کے ساتھ گہری عقیدت رکھتے تھے۔ سارے عیسائیوں کے فاضل اور ارباب علم و ذوق تھے۔
 سب کے نام غالب کے ہکاتیب موجود ہیں۔ ایک کتبوت نواب سرمدین احمد خاں کے نام بھی ہے
 جو غالب کی وفات کے وقت غالباً آٹھ برس کے تھے۔ ضیاء الدین احمد خاں اور علامہ الدین احمد خاں
 دونوں نامی اور اردو کے شاعر تھے۔ اول الذکر اسی میں تیر و زار دو میں بخش تخلص فرماتے تھے۔
 خزانہ کربا تخلص پہلے قلمی تھا بعد ازاں عذائی ہو گیا۔ غالب نے عارف کے مرثیہ میں فرمایا ہے ۵

ہم سے تمہیں نفرت سہی تیر سے لڑائی

بچوں کا بھی دیکھا نہ تھا شا کوئی دن اور

یہاں تیر سے مراد نواب ضیاء الدین احمد خاں تیر میں ایک اور غزل کے مطلع میں فرماتے ہیں ۵

ہم سے غالب یہ عذائی نے غزل لکھوائی

ایک بیدار اگر بچ نہ تھا اور سہی

عذائی سے مراد نواب علامہ الدین احمد خاں ہیں۔ غالب نے تیر اور عذائی کو اردو ورنی میں
 اپنا جائیداد قرار دیا تھا۔ اور انہیں ہاشمی کی سند عطا کی تھی۔ غالب کی تیس نواب ضیاء الدین احمد خاں
 نے ایک قصیدہ موجود ہے جس میں لکھتے ہیں ۵

من آسیر کہ در تہ چہ نکر نہ ہو ۵ ۵ پنہ نورد و دین تیر مستور من

منم من زیندہ زلزلہ و خزانہ زلزلہ خیا سے دین مسد نہیں برادر من

بہر دین و دانش و دوست یگانہ آسانی بہ عمر کہ نہ زلزلہ سے رتبہ بہت بہن

یہ مس دل بہر درد و درد حقو ہم کہ ز خویش بود و لسان دہب بہن

خانہ دار کی صیادت ان لوگوں کو سب سے جو عقیدت تھی اس کا اندازہ ذیل کے مقدمے سے ہو سکتا ہے

دو روز یہ لبرین احمد خاں کی زبان مبارک سے سنا، اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عظیم الشان

دقت تیری کا دستور کیا تھا۔ اور کس طرح ہر شخص تیر سے وفادار ہو جانے کے عظیم فضل کا حق عانت تھا۔

نواب سرمدین احمد خاں فرماتے ہیں کہ میں سات آٹھ برس کا تھا اس زمانے میں ایک مشاعرہ

جس میں نواب ضیاء الدین احمد خاں، نواب ملا الدین محمد خاں و نواب شہاب الدین محمد خاں شریک
 ہوئے ہیں۔ ساتھ ساتھ متاعہ کی غرض سے اس میں اسل کا غلط بھی مرتبہ سنا تو میں نے نواب شہاب الدین محمد
 خاں سے اسل کے غرض پر پتے، انہوں نے اس کے ساتھ نواب عبد الدین محمد خاں کی خدمت میں عرض
 کیا کہ میرے اسل کے معنی پوچھتا ہے۔ نواب عبد الدین محمد خاں نے اس کے ساتھ نواب ضیاء الدین
 خاں کی خدمت میں عرض کیا کہ اسل کے معنی میں بہت سی باتیں تھیں۔ نواب ضیاء الدین محمد خاں
 نے فرمایا کہ جب مرزا نواب زندہ ہیں تو اس خود اسل کے معنی بیان کرے گا تو فی غرض نہیں متاعہ کی
 غرض ہو کہ اسی سے زیادہ دوسرے دوسرے نواب اسل کے پاس پہنچے اور یہ وہ خدمت میں ہے۔ نواب میر الدین محمد
 خاں نے فرمایا کہ غالب ایک گناہ پر سر رکھے اور گناہیں آتھیں گتے ہوئے کسی نہ ایک دندے
 سے پڑتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جس غارت میں میں آتا ہوں وہاں سے اسل کے اسل کے پتے
 صاحب زمین کا تھے۔ خاندان بوندو کا صرف ایک دوست ہے کے خالق نواب کی قریب میں سے تھا
 پر بھی کوئی گناہ نہیں تھا۔ درودہ نواب شمس الدین احمد خاں ہیں اور غیبت سے بیان ہوئی میں سے
 صاف ہے ہر ایک کہ نواب شمس الدین محمد خاں سے نواب خاں ہی تھے۔ یہاں سے بدستور خاندان بوندو
 تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نواب شمس الدین احمد خاں کی رفاہی کے معنی میں نواب خاں احمد خاں ہی
 میں عام طور پر مشہور ہوا کہ نواب کے مجھے کسی رتبہ نواب کو یکساں ہے شمس الدین محمد خاں کے ساتھ دوسرے
 نواب اور عدوت کے علاوہ اس طبقہ میں دو ہیں۔ وہ ہیں اول یہ کہ مرزا صاحب غالب کے نہایت عزیز
 دوست تھے۔ دوسرے میں وقت شہر کے مجسٹریٹ فریڈرکٹ (Frederick) نواب صاحب تھے وہ بھی
 غالب کے ساتھ تھے۔ انہی دنوں میں غالب کے خدمت میں دو ہوا جس نے ان دنوں میں ڈیڑھ سے بھی
 تیس سالہ میں اپنے بیٹے کے آدمیوں کے خلاف ڈکڑوں کے غم میں یہ وہ تھا کہ وہ
 گھر کے اندر سے کوئی رفاہی نہیں کرتا تھا۔ البتہ بہرنگے یہ رفقہ کر رہا تھا تھا اس وجہ سے غالب رفاہی
 سے بچنے کے لئے سارا دن گھر کے اندر رہتے تھے اور بھڑی دو بھڑی رات کے برابر بنگلہ کرسٹ
 ان شبیں سیروں میں وہ مجسٹریٹ صاحب بھی سے تھے۔ لوگوں کو شبہ ہوا کہ خلیفہ شمس الدین احمد

نماں کی جاسوسی کرتے ہیں۔ اور تمام خبریں لے جا کر محشریٹ کو پہنچاتے ہیں۔ غالب نے خود یہ سارے حالات شیخ امام بخش تاسع کو لکھتے ہیں :-

مہریت ببادر شہر کہ با من سبقت مرفعتی و ملاذ مروتی و شت و دوتی از واکہ نمانہ شدم (یعنی
مقررہ میرٹ کے سلسلہ میں گرفتاری کے خوف سے) چارہ ماہ بہ نزد دسے فتنے و فتنے چند و شکزار دسے
چوں میں واقفہ رو داد و فریزہ کا قتل، مہر و پوش کا رودخل اسرار با خود، نیاز ساخت، تماناں شد
کہ وہی فیروز پور تھر کہ مجرم قرار یافت وہ حکم سرکار با تے چند زخم صمان خود میر شد چوں میں زخم
دسے دشمن الدین احمد نماں، ناما ساز قاری بود و مردم شہر ان راستے دہستہ ہلکی درین افتادند و گرفتاری
آں کار نیست و دیکش بہ گردن من بہمند

یہ بھی ممکن ہے کہ غالب نے واقعی مجبوری کی ہو اور وہ پر کی تحریر کے انداز سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ
غالب کا سیلان طبع شمس الدین احمد نماں کے حق میں نہ تھا بلکہ ان کے خلاف تھا۔ اور وہ مناسب کی
گرفتاری کے پورے ذمہ دار ہوں یا نہ ہوں لیکن ان کا دامن اس باب میں بالکل پاک نہ تھا۔ خود واقعہ
قتل کی نسبت لکھتے ہیں :-

یکے از نگرن نافذ زس :- بہ عذاب ابدی گرفتار باد و بیم فرزند بہادر ازیر بدست دہلی و نائب
مطلوبہ امر بی بود و دیشپ تار یک بہ صرب خشک شست و مرا غم رنگ چرتا زہ گشت
اسی فاسے کی ایک غزل سے مطلع میں فرماتے ہیں :-
نائب تہ نگار کہ چو ولیم فرزند سے
زینساں بہ پیرو دشتی، عدا شہرہ ک

نواب احمد بخش قاضی کے انتقال کی خبر سن کر نواب شمس الدین احمد نماں کی مشفقہ روتس کا اظہار ان
نقطوں میں کرتے ہیں :-

آف زہینہ شہر میں یہ دہماں مرد و شبستان از واکہ تیرہ و تار شد ... نکاس ر روز بانہ
خدا بود فرومایاں را گری جنگ عدا از واکہ انجمن از ہم پاشد و برگدہ چند رات بندہ دست روتے

کو جو نہ لکھا ہے، اس میں بھی ایسے الفاظ ہیں جن سے ترشح ہوتا ہے کہ تامل کی قید سے نجات پانے کے
برائے آرزو مند تھے، اس خط کے آخر میں یکم سنائی کے مدیق میں سے سند جو ذیل اشعار بھی نقل کئے ہیں سے

پسر سے بایر رہنا ہی گفت کہ مرایا شو بہ ہمرہ جفت،
گفت با باز ناکن وزن نے پنہ از خلق کیسہ دامن نے
ہد نہ ناگرہ کیسہ رت عیسے ہن و گرفت چوں تو بے
زن کنی ہرگز ت را نہ کند در تو بگذاشت چنانہ کند

”سہ ہیں“ میں ان کا ایک قطعہ ہے۔

گیر کہ در روز شہر چوں تو نیستی بر سر دوغ منہ تیسرہ ہنسین
ایک نہ باشد در آن معنی سبب و طلب نان و جگر کشکش از زن
ایک نہ باشد در آن تمام صوبت شور و قافا منہ نما رو اسے مہاجن
ان کی ایک رباعی ہے۔

اسے آنکہ براہ کعب روئے داری دام کہ زید آرزوئے داری
زین کو نہ کہ نہ سے سنہری دہم در غمانہ ز نے ستیہ خوشے داری
ایک قطعہ میں فرماتے ہیں۔

بہ آدم زن شیطاں طوق ^{لعنت} پسر وند از رة اکیم و تذیل
دیکھن وایسری مرقی آدم کراں زامد از طوق و ازیل
ایک اور رباعی میں لکھتے ہیں۔

اں مرد کہ زن رفت وانا ہو از غصہ فراغش چانا ہو
وارو بہ چاں خار و زن نیست نازم کبہ اچا تو نا ہو

یہ تمام چیزیں اس خیال کے لئے تقویت کا باعث سمجھی جاسکتی ہیں کہ غالب تامل کی زندگی سے
نفور رکھتا ہے۔ یا یکم عجب کے ساتھ عدم مطابقت کی وجہ سے تامل ان کے لئے مسیبت بن گیا تھا اور

اس مصیبت کا، تھا مختلف صورتوں میں کرتے ہیں لیکن یہ خیال حقیقت کے بالکل خلاف ہے نظم و شر کے تمام سند جب بالا کرشمے غالب کی طبعی شوخی فطری سب مبالغہ اور پیدا آشی ظرافت کا نتیجہ ہیں جو کچھ ان کے جی میں آتا تھا بلا تکلف ہر دیتے تھے بعض مذہبی امور کے متعلق بھی ان کے لطیفے مشہور ہیں حالانکہ ان کے دل میں مذہب کا انتہائی احترام تھا۔

شکم بہ جد سے محبت | واقعہ یہ ہے کہ غالب کو اپنی بلیم صاحبہ سے بڑی محبت تھی بلیم صاحبہ بھی اپنے شوہر کی راحت و آسائش پر اپنی جان قربان کرتی تھیں۔ اس پر اعمال کے لحاظ سے دونوں میں نمایاں فرق تھا۔ غالب فسطائے نازک تھے۔ ان کی بلیم صاحبہ بے حد پر ہنگامہ دار اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ خواجہ خالی سے لکھتے کہ بلیم صاحبہ زور مال آقا اپنے کھانے پینے کے برتن اہل کرتے تھے۔ اس سے کہ غالب کم از کم شرب و نوش سے باب میں متقی نہ تھے لیکن اس کے باوجود طریق میں گہری محبت آخری دم تک قائم رہی۔

دعائے الٰہی سے میر کا روی | خواجہ خالی فرماتے ہیں کہ غالب میں سب سے بڑا بھٹنے چڑنے کی طاقت یہی وہ دن میں کم از کم ایک مرتبہ ذرا بھر سانسٹ اس کی تصدیق غالب کی مختلف تحریروں سے ہوتی ہے مثلاً میر سے میری بھرتی کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

خط لکھ کر نہ کر آدمی کو دوں گا اور میں نہ ہوں گا۔ وہاں یہ اور ہیں صاحب آتی ہے
میں میں نہیں ہوں گا۔ اچھ منہ دھو دوں گا۔ یہ روٹی کا چھلکا سالن میں خور دوں گا۔ اس سے
؟ دھو دوں گا۔ بھاس کے بعد منہ جانے دن آسنے غالب بہت سے ہیں۔

نواب علاء الدین احمد خاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

روٹی کھانے کو، ہر کتنے سے محل میں رو دوں گا۔ سیریک حب ما، ہوں آسنے وقتانی

کھڑی ہوئی دھو منہ آسنے وہی حال ہوں خاندان میں گزرتا ہے

ایک اور خط میں نواب صاحب می دیکھتے ہیں۔

بچ حسن وقت روٹی کھانے کو کھڑا ہوا تھا شہاب الدین خاں سے۔ خط دیکھ کر غصے سے گریباں

اس کو اکرٹھ گیا۔

میرمدی تخرج کو لکھتے ہیں :-

وہی بڑا ہوا دس سنہ میں دلی کھائے تو بتا ہوں۔

یہ تمام اقتباسات اس امر پر قیاسی ثبوت میں لودہ دن کا کھانا لڑا کھائے تھے۔ اور یہ بتا
میں وقت بھی قہر لہا جب ان سے پتا چڑھا پتا خاصا مشکل ہو گیا تھا۔ اور بقول ان کے کھڑے ہو کر باگھر
سے دایس کر بند و سانی گھڑی بھڑکی اور بھڑکا تھا۔

غائب کی تحریرات میں کوئی مواد ایسا نہیں ہے جس سے تامل کی زندگی پر پوری۔ دینی پڑے۔
غائب اس سے کہ شرف اس وقت تاروں کو عام طور پر یہ نہیں سمجھتے تھے لیکن ان کے فارسی اور
اور و مکی نسب میں بندہ ایسے دورہ موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جب دلی سے باہر جاتے تھے
تو کراچی، خیال رکھتے۔ اور متواتر خط بھیجتے رہتے تھے۔ مثلاً انوں نے کلدت سے راستے مجھ سے کراچی
بھیجے ان میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

مہر ملکہ شہزادہ معروف صاحب نے فرمایا کہ وہ دلی سے باہر ہیں یہ رہاں دیکھتے ہیں

غائب کو دلی فضل حق صاحب دیکھتے ہیں غائب دلی سے باہر تھے

دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

ایک مکتوب ہے غائب نے، نصف خط غائب سے رسد۔

غائب نے اس وقت دلی سے علی غاں دلی رام چورنگے پاس رام پور گئے تھے تو اس زمانہ
میں غائب دلی میں تھے۔ اور غائب نے غائب سے غائب بت کر رہے تھے۔ کدو جہل کے حیف سکڑی
ان کے کسی خط کا جواب بھیجے۔ یہ ہے کہ غائب نے غائب غائب سے کہہ کر بندہ بندہ اور چھوڑ دیا حکیم
غائب نے دلی میں غائب بلکہ لکھتے رہے۔ جو میں لکھتے ہیں :-

میرمدی نے غائب سے غائب بلکہ لکھتے رہے۔ اور غائب نے غائب سے غائب لکھتے رہے۔

میرمدی غائب کو غائب سے غائب لکھتے رہے۔ اور غائب نے غائب سے غائب لکھتے رہے۔

ہو گا کہ انگریزی خط میں یہ لکھا ہے۔ تم یہ خط میرا لکھو میں نے جاؤ اور حرف بہ حرف پڑھ کر دے

انگریزی خط میں گورنر جنرل کے چیف سیکرٹری نے یہ لکھا تھا کہ:-

حکم دیا جاتا ہے عرضی دینے والے کو کہ اب اس عرضی کا جواب گورنر جنرل بعد دریافت کے

ارشاد فرمائیں گے۔

غالب کو تشویش ہوئی کہ شاید سلیم صاحب پریشان ہوں کہ انگریزی خط کا مضمون کیا ہے حکیم غلام

خاں کو یہ بھی لگھتے ہیں کہ لٹاؤ کھول کر پڑھ کیوں نہیں بیاقتا، گھڑیوں کو پریشانی نہ ہوتی۔ اس سے ظاہر

ہے کہ غالب سلیم صاحب کی ملکی سی تشویش کو بھی گوارا نہیں فرماتے تھے۔

رام پورہی سے ایٹ خط میں حکیم غلام نجف خاں نوشتہ میں۔

ظہیر الدین دہلوی حکیم غلام نجف خاں کی دادی دیکھ صاحب غالب، صاحبہ زینت و حسن مہر سونا، لکڑا

کالج سے خطا ہونا... مطالب معلوم ہوئے... میں نے دادی میں دیکھ میں جیتہ ن امرض میں

ہو جاتی ہے ایک نسخہ کے پاس، اس میں کا ہے وہ کچھ اور درود جو جیتہ و

غالب یوسف علی خاں والی رام پورہ کے انتقال اور غالب صاحب علی خاں کی تخت نشینی کے سلسلے

میں غالب اکتوبر ۱۸۶۵ء میں رام پورہ گئے تو حکیم غلام نجف خاں نے غالباً سلیم صاحب کے ارشاد کے

مطابق ایک خط میں تشویش ظاہر کی تھی کہ شاید کھانے پینے کی چیزیں مزاج کے مطابق نہ ملتی ہوں۔

اس کے جواب میں رقم فرماتے ہیں:-

تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ تم کو میرے کھانے پینے کی طرح سے تشویش ہے۔ دعا کی قسم

میں یہاں بہت خوش و درخشاں ہوں۔ خط کے گھر تو ایسی وہی دیکھ رہا ہوں کہ

پاس جانے وریہ خط پڑھ کر سناؤ اور ان سے یہ کہہ دو کہ وہ، میں نے تم سے کسی بھی وہ

نقد ہے۔ بے حس ہے۔

ایک اور مکتوب میں جو امر پورہ کے سفر کے دوران میں لکھا گیا تھا فرمایا ہے:-

لڑکوں (باقری علی اور عین علی) جانا۔ غالب نہیں معاذ اللہ خاں، لکڑا، کھانہ، کھانہ، کھانہ

ہوئے ان کی دادی کو بھجوا دیئے میں تم میں اپنے مار کے خچہ کوئے سر ڈیوڑھی پہنا دہستانی
جی کو ستادینا اور خیر و عافیت کہ دینا۔

حکیم تلبیر الدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

سنو میاں نمبر نہ بن فرمائی دی تہ یہ میں بھی چلے جاؤ اور میں سے میری اور لڑکوں کی
خیر و عافیت کہو اور بوجھ کہ شام بھر میں خدائے اکوہیں شہاد کے یہی سب پہنچا دیئے
یا ہوں۔ اچھا میرا بیٹا یہ ادوز میں اپنی دادی سے یہ چھ کر عذرا کو بھیجو در نہ کیجو۔

یہ تمام اقبہ سات اس امر کا ثبوت ہیں کہ غائب بہ حسن فرائض تامل کی بجا اور ہی ہی مستند
نئے بلایاں فرائض کو دلی لگاؤ و تعلق سے ادا کرتے تھے بلکہ یہ صحیح ہے کہ مالی مشکلات کے هجوم میں
وہ بعض اوقات بہت ننگ دل مر جاتے تھے۔ اس حالت میں گھبراہٹ سی باتیں بھی نکلتے جاتے
تھے جن سے ان کے ولی خیالات و احساسات کو کوئی تعلق نہ تھا بلکہ ان میں وقتی پریشان خاطر کی کا
نتیجہ سمجھنا چاہئے یا یہ کہ مرض کیا چکا ہے طبعی شوخی کا اثر نہ قرار دینا چاہئے۔ لیکن یہ بھی
بھالی میرا درسد۔ شمس کو غم و غم میں ہی صنعت نہ دے کہ انہی سے عذریہ کہ تریا
نہ نہ بد دل بہی ہوئے ہیں بھی اس زمانہ کی سے غم نہیں دے تاکہ میں یہی بلی اور
دست تھی۔ اگرچہ مجھ کو دوست تھائی جس تھائی۔ لیکن میں نہائی چند روزہ و بھرید ساری باو
نہ ملے لاو لہر کا تھا۔ شکر کہ لگاتار نہ ملے نہ شکر کہ نہ۔ یہ بل بھی قبیلہ داری کی شکل کا
فکرت سے جتنی سب کا تھوں شکر۔ جب سے دست کی دو ہتھکڑیاں ہی ڈیس میں پڑیں
تو اس کے

... انا سب کا یہاں کی کہ نہ میں سب نیچے پیدا ہوئے ہیں وہی بھی چندہ لستہ سے زیادہ زندہ
نہ رہا۔ یہی تھی شفق میں۔ اونا مار میں۔ لکھتے ہیں :-

نہاں سے شرمینا۔ منہ اور میں کو دھنا۔ عذرا۔ مگر نہ ہی روح کی تہیت تھ
پر تھوڑا سا۔ میں شمس سب تپ پیدا۔ جب شکر کے میں اور میں ہی۔ میں نہ تھیں سے

زیادہ نہ ہوتی۔

جب مہرے ہاں اولاد کی طرف سے مایوسی ہوئی تو غالب نے اپنی بیگم صاحبہ کے بھائی یعنی نبیادی بیگم کے صاحبزادے (میرزا زین العابدین خاں عارف کو بیٹا بنالیا۔ ان سب سے صاحب محبت کہتے تھے۔ اس لئے بھی کہ رشتے میں عارف بہت قریبی تھے۔ اور اس لئے بھی کہ بڑے خوش فہم و خوش خلق تھے۔ بہن صاحبہ بھی جوانی کے عالم میں دائمی محارقت کا داغ دے گئے۔ غالب نے ان کی اس پروردگار پر مدد و توجہ فرمائی۔ لکھا جو ان کی بہترین اور دو نظموں میں سے ہے۔

لا زھر تھا کہ دیکھو مرا آستہ اکوئی دن اور	نہا گئے کیوں اب روتنا کوئی دن اور
آئے موکل اور تن ہی کہتے جو کہ جاؤں	اما کہ ہمیشہ نہیں چھپا کوئی دن اور
جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو میں کے	یہا خوب قیامت کہ جو دیا کوئی دن اور
ہاں اسے نکاح یسویں تھا بھی تارفت	کیا تیسرے بیٹا جو نہ مرا کوئی دن اور
تم ہاں چرب چار دہم تھے مرے کدک	پھر ہوں نہ ہاں کدک دو نقشا کوئی دن اور
تم یہ کہیں کہیں تھے کدک دو دستہ کے	کہہ تاکہ ملک دست تھا تھا کوئی دن اور
بھ سے تمہیں نفرت تھی تیرے رزاقی	بچوں کو بھی دیکھ نہ تھا کوئی دن اور
نہی نہ۔ نہ حال یہ مدت رشتہ و ناخوش	کہہ تھا جو اس مرگ بڑا کوئی دن اور
نادوں جو جو کہتے ہو کہ یوں بھی ہیں غالب	فطرت میں تو سن کوئی دن اور

زبانے فی سہی میں ہی عارف کی خوش فہمی اور کدک ہی منت و محبت کا سہارا

نظم کا حساب فرماتے ہیں۔

اں پسند یہ دھمے عارف کا
رشتہ نم و دو دن کا
گدہ زبردست
عالم روز بدست

اس میں عارف کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:-

لکھا کہ یہ عشق کے مہاں میں کی دنیا سے تھکتا ہوں ہوتی

ہم زکات خوش لم خوش ل کان شال شرفشان من است
 سود سربایکال منی سخت گنج شاکان من است
 جادارو کہ خوش رانازی کہ طور تو در زمان من است
 جاتے وارو کہ خوش رانازم کو فلائے زپیروان من است
 جادواں باش اے کرگیتی سخت عمر عاودان من است
 اے کہ میراث خوار من باشی اندر وارو کہ ان بان من است
 از معانی زمید فیاض بادان تو بہرچہ آن من است

یہاں نا اور عن کر دینا سنا سب کہ عارف کی والدہ ماجدہ یعنی بیادی بیگم کے تعلقات اپنے شوہر نواب فلاح حسین خاں سے بچے نہیں رہے تھے اور نواب نے بیگم کو سات ہزار روپے کی مالیت کا ایک مکان دے کر علیحدہ کر دیا تھا نیز دیر بھر کہ بیگم کو سوشل فیشن ملتی تھی۔ عارف کی شادی شمس الدین احمد خاں کی تھی جن سے ہونی تھی۔ نواب احمد بخش خاں ان کے ساتھ اپنے بیٹوں کا سا سلوک کرتے تھے۔

عارف سے بچے | عارف کے دو بچے تھے باقر علی خاں اور حسین علی خاں۔ عارف کے انتقال کے بعد غالب اور ان کی بیگم صاحبہ حسین علی خاں کو بیٹا بنا کر اپنے گھر آئے۔ جب عارف کی والدہ یعنی بیگم صاحبہ غالب کی بڑی بہن کا انتقال ہو گیا۔ تو باقر علی خاں بھی غالب ہی کے پاس چلے آئے۔ غالب کو ان دونوں سے غایت درجہ محبت تھی۔ خواجہ حالی فرماتے ہیں کہ ان کو کبھی آنکھ سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔ اگرچہ خود ہیچ تنگ مزاج تھے لیکن حسین علی خاں اور باقر علی خاں کے سارے ناز اٹھاتے تھے۔ اور ان کی کسی بات پر بھی غصہ نہیں ہوتے تھے۔

منشی بہر گو پال تفتہ کو لکھتے ہیں :-

سنو، جب یہ تم مانتے ہو کہ میں العابدین خاں مرحوم میرا فرزند تھا۔ اب اس کے دونوں بچے

کہ وہ میرے پوتے ہونے میں میرے پاس آ رہے ہیں۔ اور وہ بدمعہ کو سناٹے ہیں۔ میں تھلکتا ہوں

یہ حالات ہیں پنجاب گورنمنٹ کے اُن برائے کاغذات کے طور پر جو ریکارڈ آفس میں موجود ہیں اور جو ریاست وار سے من رکتے ہیں

دو چھوڑے تول آستے۔ دو نزلے رتھ میں سوار آتے ہیں اب وہ آسے کھانا کھایا، اور چلے

تم اپنی آستانی، ٹیکم ما جیسا کے پاس یہ رتھ سڑ سڑ کر سنا دیا۔

ایک اور خط میں رام پور جی سے فواب غلام الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں:-

آج صبح کے ساتھ بے باقر علی خاں، حسین علی خاں، عودہ منی چھ بڑے داتا گھوسے کے اہل کو

بدوانہ جوئے دو آدمی میرے ان کے ساتھ تھے۔

باقر علی خاں کی ملازمت | معلوم ہوتا ہے کہ باقر علی خاں غائب کی زندگی ہی میں اور غائب غائب کی سفارش

سے ان میں ملازم ہو گئے تھے۔ اوروں نے ملتے میں ان کے نام تین خط ہیں۔ بیسے خط میں ان کے مذکور

کی درستی پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے شعلی دی ہے کہ تہا ہی ترقی بعد ہوگی۔ آخر میں لکھتے ہیں:-

تہا ہی ددی بھی طبع ہے۔ نذر بھائی بھی طبع سے تمہارے گھر میں سب جمع ہو جائے

تمہاری روکی بھی طبع ہے کبھی، ذلک بھی دوسرے گھر سے میرے پاس آجانی ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شادی اور ملازمت کے بعد باقر علی خاں علیحدہ مکان میں چلے گئے تھے۔

سید ہیں میں ایک قطعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ باقر علی کے بچہ عید مونی پر بھی آیا تھا

بہمن زلفہ منب زند میرزا باستہ۔ مہ و تن عینت نذر دلت سب لغت

چونکہ کشت متعلیٰ پسین تارک۔ دلی غمزدار و بد بان نامب لغت

خاں غائب کے اعداد میں قطعہ کے اعداد و شمار کے جائیں تو سندھ بیان نکلتی ہے۔

باقر علی خاں اردو، ورنہ کسی دونوں زبانوں کے شاعر تھے، اردو نے ملتے میں ان کا تخلص نکال

ظاہر کیا ہے لیکن فارسی کے ایک قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تخلص باقر علی خاں سے اردو

میں نکال اور فارسی میں باقر علی خاں ہی تھا۔ انہی رخنہ ویدیت معلوم

ہوتا ہے کہ ان کا تخلص شاعر تھا۔ اور وہ نوبت تکبلی خاں رنہ منی سرکاتہ وابستہ تھے۔ خوب

تجلی فرماتے ہیں یہ غائب کی وفات کے بعد دونوں کا تخلص متعلق تھا۔

متعلقین کا خیال | غالب کو آخری ایام میں اپنے مستقبل کا بہت خیال رہتا تھا۔ ان کے پاس کوئی اندوختہ نہ تھا۔ کوئی جائیداد نہ تھی۔ آمدنی کے تمام وسائل صرف ان کی زندگی تک کھلے تھے۔ ان کی وفات کے بعد نہ خاندانی پیش کے جاری رہنے کا کوئی امکان تھا نہ راجہ پورہ والا وظیفہ قائم رہ سکتا تھا نہ دوسری فتوحات مل سکتی تھیں۔ اس لئے وہ بہت پریشان رہتے تھے۔ نواب امین الدین احمد خاں باہرہ لوہارو پورہ سے تھے انہیں لکھتے ہیں :-

واللہ نہیں آسکتا۔ باللہ نہیں آسکتا۔ دل کی ٹکدیر سے ہوا میں تیرا بھی تو نہیں۔ دوست نہ سی
 دشمن بھی تو۔ ہوں کچھ بدست۔ سہی نہ رہت بھی تو۔ موتی سے تراو دھاتی، نواب امین الدین احمد
 خاں، نواب خیر الدین احمد۔ اس خاندان میں شرف و درجہ اور فخر و دولت کی ٹکدیریں ہمیں لمبہ
 لمبہ ہوں۔ میری زندگی ہماری بہن سے ہے۔ سے ہے۔ میری جتنی جتنی سہی سہی کی
 ولادت بھی اتنی ہی ولادت سے اس سے کہ جتنی کی شادی نواب خاں میں جاس عرف باورویک
 نواب ہو کر رہا ہوں کے پوتے سے ہوتی تھی، نہ نہ رہے۔ اسے بلکہ نہ کیا۔ اس سے واسطے تھا
 دماغوں اور تہذیبی سہا سہی پرست ہوں۔ منہ بہ منہ اور اسٹ۔ منہ نہ سے بسا ہی ہونا کہ تم
 بچتے رہو اور میں تم دونوں کے سامنے مر جاؤں تاکہ اگر اس خاندان کے گور وئی نہ روئے تو چنے تو دو گئے
 رہنے بھی نہ روئے اور بات۔ رہو گئے نہ میری جاس سے جس نے اسے میری سہی سہی ہوت۔
 ان فرزندوں کے غم میں نہ ابھوں گا۔

نواب کی وفات | تحقیقی طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ غالب کی بیگم صاحبہ کا انتقال کب ہوا۔ نواب سر
 امیر الدین احمد خاں والی لوہارو فرماتے تھے کہ غالب خاں کے پانچ برس بعد انتقال ہوا۔ اس لحاظ سے
 بیگم صاحبہ کی تاریخ وفات ۱۸۷۷ء سمجھنی چاہئے۔ بہر حال یہ یقینی ہے کہ غالب کی وفات کے
 وقت بیگم صاحبہ زندہ تھیں۔ لوہارو والوں کی طرف سے انہیں مستقل مدد دینی چاہی بعض اسی سے معلوم ہوا کہ
 راجہ پورہ سے بھی وقتاً فوقتاً ان کے سے کچھ رقم آتی تھی۔

عائشہ باہرہ | اس ضمن میں غالب کے عزیزوں کا ذکر بھی کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ ان کی

دیگیم صاحبہ نے انہیں وفادار بیگ بنا دیا ہے۔ باسٹھتی ہیں سودا تو کیا لڑیں گی مگر غنیمت اور خفا
ہیں۔ رستہ چھڑی سے بائیں کرتی پھرتی ہیں۔ جب وہ محل سے نکلیں گی تو ممکن نہیں کہ اعزف سر کی
سیر نہ کریں۔ ممکن نہیں کہ دروازے کے سیاحیوں سے باتیں نہ کریں۔ ممکن نہیں کہ پھول نہ
توڑیں اور بی بی کو سے جا کر نہ دکھائیں اور نہ کہیں کہ یہ پھول تلخ جیسا کہ بیٹے کی کافی کے میں (یعنی
یہ پھول تمہارے چچا کے بیٹے کی کیا ہی کے ہیں)

خدا میں غائب کی تنگ دستی عد سے گزری تھی۔ تلخ کی تنخواہ بند تھی۔ خاندانی فیشن مسدود تھی
کوئی ذریعہ معاش باقی نہ تھا۔ زیورٹ چکا تھا۔ کپڑے بچ بچ کر گزارہ کرتے تھے۔ لیکن اس حالت میں
بھی میں آدمیوں کی کفالت اپنے ذمے لے لی تھی۔ یوسف مرزا کو لکھتے ہیں :-

اب خاص بناؤ کہ روتا ہوں۔ ایک بیوی، دو بچے ہیں۔ راتوں میں گھر کے کلو، کلیان، یا زبا
ماری کے جوڑے بچے بہ دستور گویا ماری موجود ہے۔ بریاں گھنٹے بیٹے پرست آتے، کہ بھوٹ
موتا ہوں، ایتھا بھاتی نہ ہی ہو۔ ایک مہیے کی آدھیں میں آدمی، ونی کا مے والے موجود۔

مداری کا ذکر ایک نارسی خط میں بھی آیا ہے۔ غالب اور دوست کے تھے۔ وہاں کچھ سامان چھوڑ
آئے تھے۔ وہی سے علی بخش خاں کو لکھتے ہیں :-

مداری خاں سے رسد و نامہ رسے رسا نہ آنچہ ارکاد سے تار، اسے من در نجاب شد۔ دے نہ
یوسف مرزا کو لکھتے ہیں :-

باقری خاں اور حسین علی خاں بنی دودی کے ساتھ ضیاء الدین خاں کی والدہ کے پاس طب
صاحب کے ہوئے ہیں۔ پیارا اور نیا علی ان کے ساتھ ہیں۔ دو ہندو گیارہ ایک دعا اور دو دس دینی
دوا، کلو اور کلیان کی ہندو گیارہ چھپیں۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

فرمان دینے والا میرا کچھ مختار دو سودا بہ ماہ بابا پاس ہے۔ برل میں قسطوں کو دینی پڑے۔ کلمہ شمس بد چو
جدا، سود جدا، مول جدا، بی بی جدا، بیگ جدا، شاگر مشید جدا، آمد دہی ایک سو یا سٹھ۔

تیسرا باب

دہلی میں سکونت اور مکان

دم از ریاست دہلی نوزنم غالب
منہم ز خال نشینان آن دیار یکے

غالب دہلی میں کب آئے | دہلی میں غالب کی آمد و رفت سات برس کی عمر سے شروع ہوئی تھی چنانچہ ۱۶ فروری ۱۸۶۲ء کے ایک خط میں نواب علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں :-

اسے میری جان یہ وہ دہلی نہیں جس میں تم پیدا ہوئے وہ دہلی نہیں جس میں تم نے علم تحصیل کیا ہے۔
وہ دہلی نہیں جس میں تم شہبان بیگ کی عیال میں بچہ سے بڑھنے آئے تھے۔ وہ دہلی نہیں جس میں تم برس
کی عمر سے آتا جاتا ہو وہ دہلی نہیں جس میں کیا دن برس سے مقیم ہو۔ ایک کیسے مسلمان اہل
حرفہ و حکام کے شاگرد چھپے باقی سزا سزا مند۔

اس خط سے یہ بھی ظاہر ہے کہ دہلی میں اگر ابتدا میں شہبان بیگ کی عیال میں رہے تھے۔ جہاں
نواب علاء الدین احمد خاں ان سے پرستے جلتے تھے۔ اگر کیا دن برس کی مدت کو درست مانا جائے
تو یہ بھی ظاہر ہے کہ غالب ۱۸۶۱ء کے قریب جبکہ ان کی عمر چودہ پندرہ برس کی ہوگی دہلی میں سکونت
اختیار کی۔

لیکن وہ غشی شیو زان آتام مالک مطلق مغیہ غلامی (اگرہ) کو ان کے دادا غشی منشی دھر کے حالات
تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

شاید غشی منشی دھر مجھ سے ایک دو برس بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں انیس بیس کی میری عمر تھی ایسی ہی
ان کی۔ یہ ہم شہر اور اضلاع و محکمات آدمی آدمی حالت گزر جاتی تھی۔ چونکہ گھڑن کا بہت دور نہ تھا
اس واسطے جب چاہتے تھے جیسے جاتے تھے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غائبے ایس میں رس فی ترکہ کی سکونت ترک میں کی تھی۔ اگر اسے درست سمجھا جائے تو دہلی میں ان کی مستقل سکونت ۱۱۵۸ھ کے بعد موئی غائبے کے ۱۱۷۸ھ یا ۱۱۸۱ھ میں ہوئی ہو۔

میرزا غلام علی صاحب مدرس مدرسہ آئبر آباد کے نامہ فارسی خطوط میں ایک خط ہے جس میں اپنی ماؤ پریشانیوں، ذہنی کمزوری کے سلسلے میں چارہ جونی کے لئے سفر کنگا کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

روزگار غمناک، کامتہ بند، مصرت غمناک، شربت شوش سال بہت دغا مان ہا دور و دور

دوسرے حکایت کا یہ دور کہیں ششہ ہر دو پہریش ہر دو سے ملکا۔ وقت بہت ہے۔

ماہِ شمسؑ میں لکھتے تھے۔ اپنی آگے ہند، منہ رجب، بائیں ہاتھ شمسؑ میں لکھتے تھے۔ چنانچہ، شمسؑ
میں اپنے زمانہ مفارقت کی نسبت لکھتے ہیں۔

دوری، دن و رات کو رو رہا ہو۔ وہ سب ست اور ست، یہ بخار تم رست سال میت
اس سے ظاہر ہے کہ مسندۂ میں غالب کو اگر دیکھو تو اسے ہوتے قریبا بیس برس گزر چکے تھے
اس حساب کے دلی میں مستقل سکونت مسندۂ یا مسندۂ میں ختمی ہوئی تھی۔
کہیں کو انوارہ عالمی فرماتے ہیں کہ غالب نے دلی میں کوئی مکان اپنے لئے نہیں خریدا تھا۔

[illegible][illegible]

حقاً جو عالم محمد دُعا، روحِ حیاتِ ریزِ نغمہ کے حامل مسکندے قلب پر فنا جس کی نسبت دہشتے میں
مسکندے رو سیاہ ک ٹہرے۔

۔ یہ ایک نیا دور ہے

شیخ نصیر الدین عرف کمالے میاں بڑے خیر مست و مدد رسیدہ بزرگ تھے۔ آپ کے والد شیخ قطب الدین اور دادا شیخ فخر الدین تھے۔ بن کا سلسلہ شیعہ تھے۔ علیرہ مہدیان۔ مادی تک پہنچے۔ شیخ

نصیر الدین بہادر شاہ کے پیچھے۔ غالب کے ساتھ آپ کو بہت محبت تھی۔ اپنی ایک حویلی غالب کو رہنے کے لئے معفت عطا کر دی تھی۔ اور دربار شاہی میں غالب کی ملازمت بھی آپ ہی کے وسیلہ سے ہوئی۔ شعبان بیگ کی حویلی کے بعد سب کے بعد مکان جس میں غالب کے قیام کا پتہ چلتا ہے۔ کالے میاں کی حویلی ہی تھی۔ یہ حویلی اب بھی کھلی تھی سم جان میں موجود ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ غالب اپنی قید کے بعد تک اسی حویلی میں رہتے تھے۔ قید کا واقعہ ۱۸۴۸ء میں پیش آیا تھا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ مشہور ہے کہ قید سے رہا ہوتے پر کسی دوست نے مبارکباد دی تو فرمایا: "میں نے کون کتنا ہے میں قید سے رہا ہوا ہوں پہلے گورنر کی قید میں تھا اب کالے کی قید میں"۔ لیکن یہ سن کر حویلی کالے میاں کے مکان کو چھوڑ کر غالب نے حکیم محمد حسن خاں کی حویلی کراہی پہلی۔ وہ اس حویلی میں اپنی سکونت ۱۸۵۱ء سے بتاتے ہیں، غدر کے بعد دہلی میں جو حالات پیش آ رہے تھے ان کا ذکر کرتے ہوئے یہ ممدی تخریج کو ایک خط میں لکھتے ہیں:-

سب نمازیں پر حکم ہے کہ درگاہت کرہ کوں نہ ٹھہرے اور کون ٹھکت رہتا ہے۔ تھانوں میں
بٹے رہتے رہے تھے۔ ماں کا بعد میرے گھر میں آیا جس سے کوئی بھائی و بھتیجے نہیں رہے۔ میری
کیسیت کی بابت، ٹک ٹک کہ اس قدر خاندان میں درگاہت سے حکیم ثناء کے بھائی کی
حویلی میں رہتا ہے۔

لیکن میرزا خیال ہے کہ ۱۸۵۱ء والی تاریخ درست نہیں۔ ۲۰۰۰ء اپریل ۱۸۵۲ء کے ایک مکتوب میں
تفتہ کو لکھتے ہیں:-

میں کالے صاحب کے مکان سے اٹھا ہوا ہوں اور دہلی میں ایک حویلی کراہی پرے کراہی میں رہتا ہوں۔
تفتہ غالب کے ساتھ مسلسل خود کو کتابت رکھتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ کو دو
بیس تک تبدیل مکان کی اطلاع ملی ہو۔ میرزا خیال ہے کہ غالب اوائل ۱۸۵۱ء یا اوائل ۱۸۵۲ء میں کالے
صاحب وانا مکان چھوڑ کر حکیم محمد حسن خاں کی حویلی میں آئے اور جولائی ۱۸۵۲ء تک اس مکان میں رہے

حکیم ثناء خاں کے بھائی سارا چوہدری کے ملازم تھے وہ چوہدری کے حکیم محمد حسن اسی خاندان میں سے تھے۔

وہ عطار الدین خاں کو تکریر فرماتے ہیں :-

میں دس بارہ برس سے حکیم محمد حسن خاں کی دینی میں رہتا ہوں۔ اب وہ دعویٰ غلام اللہ خاں نے سولے لی۔ حرجون میں مجھ سے کہا کہ دینی خاں کر دو۔ اب مجھے فکر پڑی کہ میں وہ دینیوں کی تریب پہنک کر ہی نہیں کہ ایک کل سرسٹے اور ایک دیوان خانہ ہو۔ نہ میں ناچار یہ چاہا کہ لی ماراں میں ایک مکان ایسا ملے۔ جس میں چاروں نہ ملے۔ تھوڑی چھوٹی چھوٹی سے بنکیں، نو زنی کی کروڑا دینی جوئی بچہ کو رہنے کو دینی ہر وہ رعایت مری نہ رہی کہ کل سرسٹے قریب ہو۔ مگر خیر بہت اور بھی ہیں کل بارہ برسوں داس بارہ سو گ ایک پاؤں زمین پر ہے ایک پاؤں مکان میں تو شہ کا وہ حال گوشہ کی یہ صورت۔

اسی مکان کی نسبت ایک خط میں مفتی بہر گوپال تفتہ کو لکھتے ہیں :-

دس تین بارہ برس سے اس تنگنا میں رہتا تھا سات برس تک ۱۸۵۱ء تا ۱۸۵۲ء چاند دسپے کرایہ دیا گیا۔ اب تین برس کا کرایہ کچھ اوپر سو، وچیک مشت دیا گیا، ایک مکان چاند جس نے لیا ہے ایسی غلام اللہ خاں نے اپنا ہم بلکہ ابراہیم بہا کہ مکان خاں کر دو، مکان نہیں سے تو ٹھنوں۔ بے درہنے بچہ عاجز کہ اور مدد نہ دی وہ حسن بالا خاں نے کا جس کا دوڑ کا مرض اور دس گز کا ٹول ہے۔ اس میں پاؤں بندہ ٹھنی رات کو وہیں سویا، ٹنگ کی شدت پاؤں کا حربہ کن یہ کرتا تھا کہ کچھ ٹسک ہے، دوسرے کو بچہ کو پھانسی سے جکی تین۔ اتیس سی طرح گریں دو شنبہ اور چوٹی (سنت شنبہ) اور ہر کے دقت مکان اٹھ آگیا۔ دہاں جارا۔ جان بچ گئی۔

حکیم محمد حسن و اسے مکان میں بہت آرام نہ تھا۔ غالب ایک خط میں جوشن کی بندش کے زمانے

کا لکھا ہوا ہے یعنی (۱۸۵۱ء یا ۱۸۵۲ء) میر ہمدی بھڑو کو لکھتے ہیں :-

برسات کا حال دھوپھونڈا کا ترسہ۔ قاسم جوں کی کلی مساوت خاں کی ترسہ میں جس مکان میں رہتا ہوں عالم ٹیکے گزہ کی طرف کا و درہ گر گیا مسجد کی طرف کے دہاں کو جانے سے دور رہتا تھا گرگ۔ میڑھیاں گز چاہتی ہیں۔ صبح کے نیچے ہا جھروہ جھک رہا ہے چھتیں مہینی ہو گئی ہیں نیند گھڑی گھڑی تو چھت گھٹا بھر رہے۔ ستا ہیں قلعہ ان سب تو شہ خانہ میں فرش پر نہیں لیکن رکھا ہوا ہے کیسین بھی دھری

نہیں انہاں دن رات دیا غلطی نہ تھی کہ میں اپنی کوٹھڑی میں رکھ دیتے مالک مروت کی طرف

تہہ سس بسی بیچ میں تیس بیٹے رستے بھانسی ہوا بے نجات مونی۔

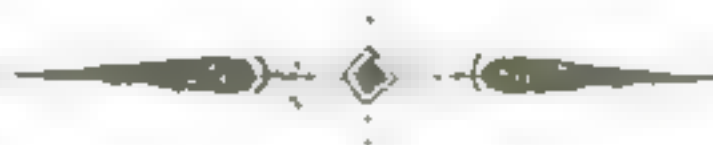
مکان اگرچہ پچا بھی نہیں بنوایا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ کبھی چھ مکان ملا بیٹھن مذاق اس باب میں
بھی بے نفسی اور عمدہ تھی حکیم غلام نجف خاں نے غالباً ایک مکان تجویز کیا تھا۔ اس کے ضمن میں حکیم صاحب
لکھتے ہیں :-

مغرب عورت کی جاکے ایک مکان دھنسا کر پتے کی سیر ہو۔ رکنا تاش۔ دو کھوسے۔ دو کوٹھڑیاں تہہ نون

تھیں بس۔ اس کو تھوڑا کر دو مکانوں جو ایک ملک کی تھے خد رسہ۔ اور دو تار یک زاروں کو تھو

چھڑے۔ نہ نہ۔ دو پچہ ذی زخمی جسوں خوروں کا بن۔ کوہ سے ڈھیر میں عداں فوری ہا کچھ لگ رہا

سے ہیں بل مدھی ہوا ہے۔ اس کو زخم ہو ہے جیاد آہانہ خد رسہ جاسے جتے مکانوں



چوتھا باب

سفر کلکتہ

اگر بہ دل نہ خلد ہرجہ از منتظر گزرد
نہ ہے روانی عمرے کہ در سفر گزرد

سیاحت کے متعلق غالب کی اردو اور فارسی تحریرات میں دو متضاد رائیں ملتی ہیں۔ فارسی کے ایک مکتوب میں رائے پھیل کو لکھتے ہیں:-

جلاد وطن، غم سفر و آلام طربت محسوس ہے است کہ نصیب ہے آفریدہ مباد۔

اردو کے ایک خط میں سیف الحق میاں داد خاں سیاح کو تحریر فرماتے ہیں:-

میں تم سے توقع رکھتا ہوں کہ میں طبع تم سے ملکنو سے بنارس تک کے سفر کی سرگزشت بھی ہو

اسی طرح آئندہ بھی لکھتے رہو گے میں سیر و سیاحت کو بہت دوست رکھتا ہوں۔

اگر بہ دل نہ خلد ہرجہ از منتظر گزرد

نہ ہے روانی عمرے کہ در سفر گزرد

خیر کر سیر و سیاحت میرزا سی ذکر العیش نصف العیش چوتھا عت کی میاں داد خاں سیاح کی سرگزشت

سیر و سفر ہی تھی۔

ان دونوں رایوں میں تطبیق مشکل نہیں صرف آنا جان لینا کافی ہے کہ پہلی رائے حالت سفر میں ظاہر کی گئی دوسری رائے حالت حضر میں مرقوم ہوئی۔ غالب سیر و سیاحت کو وقتی دوست رکھتے تھے لیکن نازک مزاجی کے باعث ان شدید کے تحمل اور ان تکالیف کی برداشت کے اہل نہ تھے جو لازماً سفر میں اس لئے جب خود سفر میں تھے اور قدم قدم پر مختلف تکلیفیں پیش آتی تھیں یا دوران

ایسے فکری اور فراغت بال میری تھی تو پکارا اٹھے کہ غربت کے آلام خدا کرے کسی کو نصیب نہ ہوں۔
لیکن جب حالت حضریں دوست شخص کے سفر کے دھچپ اور دلکش حالات پڑھے تو آواز پیدا ہوئی
کہ ایسے حالات مسلسل و متواتر ملتے جائیں تاکہ کھٹ اندوڑتی سلسلے میں انقطاع پیدا نہ ہو۔

سہ کلکتہ کی تاریخ | غالب نے لہذا سفر صرف ایک ایسے ہی کلکتہ کا سفر جس میں وہ کچھ کمزور دہلی سے باہر
رہے۔ یہ سفر خاندانی مقصد کے سلسلے میں تنازنی چارہ جونی سے اظہار کیا گیا تھا۔ اس کی تاریخ
کے متعلق ایک عجیب غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ جو خود غالب کی ایک تحریر سے یہ مونی وہ فرماتے ہیں
کہ ۱۸۳۳ء میں کلکتہ گیا تھا۔ تمام سوانح نگاروں نے بد تحقیق اس بیان کو درست تسلیم کر لیا اور نہیں سوچا کہ
جہاں غالب کی بعض دوسری تحریرات سے مطابقت نہیں کھاتا۔ تاہم بحث متعلق غالب کا سہول
استغاب نہ تھا لیکن ان کے مفہوم لہذا بیان اس سہول بنا پر غلط فہمی مانے جاسکتے تھے جو ان کی قومی
نثر میں عابجا موجود ہیں۔ یہ خیال ہے کہ غالب کے کسی سوانح نگار نے ان کی تصانیف بالاسنیاب نہیں
پڑھی تھیں۔ یا ترتیب سوانح کے وقت ان تصانیف سے پوری مدد نہیں لی تھی۔ خواجہ حالی مرحوم بھی
اس زمرہ سے متعلق نہیں ہیں۔

تہذیب و ادب کی تاریخ کے دور ۱۸۳۳ء سے بیان کی قیید کے وجہ ذرا میں درج ہیں۔

(۱) غالب دہلی سے روانہ ہوئے تھے تو فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں مرحوم مدنی فیروزپور جہڑ کہ اندھ
تھے کلکتہ کے راستے میں غالب کو نواب صاحب کے انتقال کی خبر ملی تھی وہ ذرا ٹھکتے سے میرزا
علی بخش خاں رنجور کو لکھتے ہیں :-

یہ فضل مرے صاحب نامہ سے دستبرد اور رفت دروضہ و ہر شدہ درود شکوہ برس و دربارت

زبانہ مرثیہ مراد نواب احمد بخش خاں مرحوم مدنی کلکتہ بہ راسل بیگ ویدر برکت

کہ چرخ روشن ہیں اودماں مرود۔

نواب احمد بخش خاں کے متعلق معلوم ہے کہ ان کا انتقال اکتوبر ۱۸۳۳ء مطابق سیدالاولیٰ ۱۲۴۳ھ

میں ہوا۔ اس سے پہلے ۲۴ دھند ہا مہینہ حبیب اللہ صاحب ذکا پیدا ہوئی تھی۔

میں ہوا ان کی تاریخ وفات مینوت ^{۱۲۳۳} ۱۲۳۳ء سے۔ اس سے ظاہر ہے کہ غالب ^{۱۲۳۳} ۱۲۳۳ء سے چند قبل دہلی سے روانہ ہو چکے تھے۔

(۲) غالب مملکت جاتے ہوئے لکھنؤ میں ٹھہرے تھے ان کی مختلف تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مقتدا لدہ آغا میرادوہ کے نائب سلطنت اور وزیر اعظم تھے۔ یہ معلوم ہے کہ مقتدا لدہ آغا میر غازی الدین میرد کی وفات تک جو ۱۲۳۳ء مطابق ۲۴ ربیع الاول ۱۲۳۳ء کو

واقع ہوئی تھی ریل سب اس کے بعد نصیر الدین میرد کا جہد شروع ہوا۔ چند ماہ کے اندر اندر آغا میر برطرف ہو گئے۔ اور ان کی جگہ قتاد لدہ نصیر علی نائب سلطنت بنے۔ غالب بہ ہر حال آغا میر کے اقتدار کے زمانے میں لکھنؤ سے گزرتے تھے۔ اور یہ واقعہ ۱۲۳۳ء سے بعد کا ہیں مانا جاتا

(۳) غالب مملکت پہنچ رہا تھا مقدمہ کنسل میں اپنی بات تو کنسل کے مجاہدوں میں ایک شخص دیر پزی تھے جن کے تعلق نائب یک کتب میں فرماتے ہیں کہ اپنی سیاحت کے سے برہمچے کنسل میں مقدمہ کنسل میں پیش ہونے کے بعد غالب۔ راجہ دو برس مملکت میں رہے۔ اور ولیم ہلی ^{۱۲۳۳} ۱۲۳۳ء میں پٹن کے تمام کاروبار سے سبک دوش ہو چکے تھے۔ غالب سب زمانے نائب ولیم ہلی کے پہنچنے سے کم از کم دو برس قبل ضرور مملکت پہنچ گئے ہوں گے۔

(۴) غالب کا مقدمہ گوانی میں ہوا تھا تو اس وقت حکومت ہند نے چیف سٹریٹری سٹریٹری ^{۱۲۳۳} ۱۲۳۳ء سے وہ نائب کنسل کے تھے ان کی جگہ میں غالب نے بچپن شعر کا ایک قصیدہ کہا تھا۔ ان کے نامی کلیات نظم میں موجود ہے ^{۱۲۳۳} ۱۲۳۳ء میں مرنے لگے۔ یہ کو وفات پائی غالب نے ان کی وفات پر چند لکھ تھا اس میں فرماتے ہیں :-

بھلا شادی و بیچ سالہ دنیا جبرید رفت جواناں چاہاں نہ چسپاں
ہو روز ست و سوم زنی بیچکا کہ بدخسرو خیم بہرین و دیکیں

مذہب ان مرنے والی سورہ ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱

ہزار و ہشت صدی زعمد عیسٰیؑ کہ جست برق ہواں نہی الم نہیں
غالب سٹرائیڈ ریواسٹرنگ کی وفات کے وقت کلکتہ سے دہلی واپس آچکے تھے۔ لہذا ان کے
کلکتہ کی تاریخ اس واقعہ سے کم و بیش تین برس قبل مانتی چاہئے۔

(۵۱) خواجہ غلام غوث خاں تحفیر کے نام کے ایک خط سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۲۵ء میں کلکتہ سے
واپس آئے۔ فرماتے ہیں:-

حضرت وہ ضو بنگالی زبان کا ۱۸۲۵ء میں نہایت طبع اچھا بکے واسطے لکھتے رہیں مایا بریں

صحیح ہر ہے ۵

تم کہے تھے رات میں آئیں گے سوائے نہیں

قبل بندہ رات بھر اس قسم سے کچھ لکھتے نہیں۔

بہر حال یہ ظاہر ہے کہ سن ۱۸۲۵ء میں کلکتہ باسنے کا بیان کسی حالت میں بھی قابل تسلیم نہیں میرا
خیال ہے کہ یہ طاعت کی غلطی نہایت ہے۔ اگر طاعت کی غلطی نہیں سہ تو ماننا چاہیے کہ ان سب کو سہوہ
اوچو نکہ یہ خط سفر کلکتہ سے کم و بیش چالیس برس بعد لکھا گیا تھا اس لئے تاریخ کے باب میں یہ تبدیلی
دلی ہے۔ [اب سول پیر ہوتا ہے کہ نائب کب دہلی سے روانہ ہوئے؟ اور چوچہ خاں کا بیان
اس سے بھی بہت کہ وہ انور ٹاؤن سے چند ماہ قبل دہلی سے روانہ ہو چکے تھے۔ ایک نیا رشتہ
میں دہلی سے تین کہ ۱۸۲۵ء کو لکھنؤ سے ۳۴ روزی قعدہ کوکان پور پہنچا۔ اس میں ساڑھن نہیں
لیکن اس کا حصار مشعل ہیں۔ نزاع اتمہ بخش شمال کی وفات سے۔ جمع الدولہ سنہ ۱۸۲۵ء میں دہلی میں فوت
نائب کلکتہ سے قریب پہنچے ہوئے تھے۔ اس لئے ماننا بہت کہ وہ دہلی قعدہ سنہ ۱۸۲۵ء میں پہنچے
اس لئے میں غلامی الہ بن حیدر پور سے روانہ تھے جس کا نائب کب دہلی سے پہنچے۔ اس سے بعد دہلی سے
روانہ ہوئے ہوں۔

دہلی سے پہنچنے والے خواجہ غلامی فرماتے ہیں کہ غالب کلکتہ جاتے ہوئے لکھنؤ پہنچے تھے۔ تاریخ یہ ہے کہ

اور دوشن الدولہ نائب السلطنت تھے۔ خواجہ مرحوم کا یہ سہو صدوجہ تعجب انگیز ہے۔ غالب کی متعدد تحریرات
 میں صراحتاً مرقوم ہے کہ ان کے لکھنؤ جانے کے زمانے میں معتمد الدولہ غامیر نائب السلطنت تھے معتمد الدولہ
 کے بعد اعتماد الدولہ نصیر علی نائب السلطنت بنے۔ ان کے بعد مظہم الدولہ حکیم ہدی علی خاں کو نیابت کا منصب
 عطا ہوا حکیم صاحب کے بعد نور علی صاحب نے دوشن الدولہ نائب السلطنت اور وزیر مظہم بنائے تھے۔ ہر وقت
 نائب کو سفر ملکتہ سے واپس آئے ہوئے کم و بیش دو برس گزر چکے تھے۔ خواجہ مرحوم کو یہ سہو غالباً اس وجہ
 سے ہوا کہ نصیر الدین حیدر کے قصیدہ میں دوشن الدولہ کا بھی ذکر ہے۔ اگر غالب کی تمام تحریرات خواجہ مرحوم
 کے پیش نظر ہوتیں تو یہ سہو ان کے شہرہ نہ ہوتا۔ خواجہ صاحب کا یہ ارشاد بھی درست نہیں کہ لکھنؤ ہوئے ہوئے
 ملکتہ جانے کے وقت غالب کی عمر کچھ کم پالیس برس کی تھی۔ دہلی سے روانگی کے وقت غالب کی عمر
 سینہ قمری کے اعتبار سے چند ماہ اور تیس برس کی ہوگی۔ سینہ شمس کے اعتبار سے چند ماہ کم تیس برس
 کی ہوگی۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ خواجہ صاحب نے سفر ملکتہ کے متعلق سن ۱۸۳۳ء کے بیان کو صحیح قرار
 سے لیا تھا تو اس حالت میں بھی غالب کی عمر زیادہ سے زیادہ تیس برس کی ماننی چاہئے تھی۔ اور میر
 دوشن کی کتاب میں تیس برس کی مدت کو کچھ کم پالیس برس سے تعبیر کرنا سخن طریق بیان نہیں ہے۔
 سفر ملکتہ کی عرض اور عرض صاحب جہ ہے کہ سفر ملکتہ خاندانی میشن کے مقدمہ میں قانونی چارہ جوئی کے
 لئے اختیار کیا تھا۔ اس مقدمہ کے تفصیلی مامات ایک ملحدہ باب میں بیان ہوں گے۔ یہاں اختصاراً
 یہ عرض کرنا کافی ہے کہ غالب خاندان کے سابق میں جوشن فیروز پور جہر کہ سے ملتی تھی وہ مقدمہ رقم
 سے ملتی۔ غالب صاحب کا دوسرا یہ کہ نہیں اور دوسرے بل خاندان کو دس ہزار روپے سالانہ ملنے
 پانچس فیروز پور جہر کہ دس تین ہزار روپے سالانہ دیتے تھے جب تک فیروز پور جہر کہ کی غنا نظم و نسق
 نواب محمد حسن خاں سے ہاتھ میں رہی۔ غالب خاموش بیٹھے رہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ نواب صاحب
 جوشن کے عہد میں غالب کی آمد و ذماتے رہتے تھے لیکن جب نواب صاحب نے ۱۸۲۶ء میں اپنے بڑے
 بیٹے نواب شمس الدین احمد خاں کو سندھ نشین کر کے خود کو شہنشاہی اختیار فرمائی تو جھگڑا پیدا ہو گیا۔ اور غالب کو

پوری نیشن کے لئے چارہ جوئی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ نواب سر امیر الدین احمد خاں والی لودھراں فرماتے تھے کہ شمس الدین احمد خاں نے نیشن بالکل بند کر دی تھی۔ یہ ہر حال نیشن کے متعلق چارہ جوئی کے سلسلے میں غالب ٹکڑے گئے تھے۔

منازل انفرادی سے لے کر لکھنؤ تک کے منازل سفر کی نسبت کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ خواجہ عالی فرماتے ہیں کہ ابتدا میں لکھنؤ ٹھہرنے کا قصد نہ تھا۔

مگر چونکہ لکھنؤ کے بعض ذی اقتدار لوگ مدت سے چاہتے تھے کہ مرزا (غالب) ایک بار لکھنؤ میں اس لئے کان بھر پہنچ کر ان کو خیال آ یا کہ لکھنؤ بھی دیکھتے چلتے۔

جب لکھنؤ | یہ ہر حال غالب ماہ ذی قعدہ ۱۲۸۳ھ میں لکھنؤ میں تھے۔ لکھنؤ سے ان کا یر تپاک خیر مقدم ہوا۔ غالب کو اُمید تھی کہ بادشاہ لکھنؤ سے انہیں بھی رقم مل جائے گی۔ اس وجہ سے وہ کافی دن لکھنؤ میں ٹھہرے رہے۔ انہوں نے بادشاہ یا نائب سلطنت کے لئے کوئی قصیدہ نہیں کہا تھا۔ نائب سلطنت کے ساتھ ملاقات کی صورت سامنے آئی تو جامی میں صنعت قیسیل میں ایک شعر لکھ لی جو ان کے کلیات شعر میں موجود ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں:-

ہر بامان گرد آمدند و بدرگان بخت شہد و رفتہ رفتہ و گرفتار و ساراب زم آغا میر نامی رسد و
 فائدہ آن دیار کہ دریاں و دریا بہ آب رنگ معتمد الدولی بنہ آوازہ بود و ترغانی فرمانروائے کشور و دارالکرام
 آن سلطنت استوار و پشت رسا بندہ تانان جانب ایماء گشتے رفت ازین سونیر آشوب ہوسے
 عمل کرو۔ چوں ملازمت قرار یافت فرستم و ستایہ قید سے سرا انجام داون و در و کار و عہد دینے
 و خدمت و شوق طبع از ذکر قسیسیلی کرد و سینہ میں آرزو کی خون شوق بہ سیدائے کمال و سیدائے شہزادیت
 و سواد و عباسے ہم و صنعت قیسیل روشن ساخت۔

لیکن معتمد الدولہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ غالب خود کہتے ہیں۔

اگرچہ وقت اقتباس سے دین ان چارہ مند ذرا و اس برس نہ بہید ہر صبح واکل موجود و سنیند اند

اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ یہ غزل لکھنؤ میں کہی گئی ہوگی لیکن ہے اس زمانے کے کسی مشاعرہ کی طرح؛

(بقیہ صفحہ ۶۴) شہزادگی کے زمانے میں خان ساماں کے عہد پر سامر تھا سندھنی کے سلسلے میں اس نے غازی الدین حیدر کی اعانت میں شہزادہ حیدر دیا تھا، اسی خدمات کے سلسلے میں وزارت کا خلعت پایا لیکن قیاس کے بعد وہ معزول ہو گیا جب انگریزی مصلحت سے دودھ کو شالہ دہلی کے علاقہ عتس سے آزاد کرنا یا تو آغا میر پھر برسرِ قدر آگیا، اسی کی تجویز کے مطابق غازی الدین حیدر پادشاہ بنے، خواجے نائب السلطنہ کا عہد مل گیا، اس وقت سے لے کر غازی الدین حیدر کی وفات تک آغا میر غورہ مختار پادشاہ کی طرح کام کرتا رہا جسے پادشاہ کے بڑھاپے سے چاہا پیچھے ہٹا۔ جسے چاہا غلام جسے چاہا رکھا۔ غازی الدین حیدر کو ساریت کا عادی بنا کر باطل سلطان دہلی خیر آباد یا تھا اس کے زمانہ اقتدار کے عجیب و غریب واقعات سنئے گئے ہیں مثلاً ایک ساہوکار سے لاکھ روپے کا گونا گونا گویا خرید لیا تھا، جب اس نے وہ سپہ سالار سے شہر دیا کہ تم پادشاہ سے لائق ت کرو تو قتل میں مبتلا رہا، تباہ ہوا، اور غریب، یعنی ہو گیا، سوار تفاق سے اس کا جسم بہت درد اور تکلیف پہنچا، وہابی سے تباہی میں آیا، اور شاہ صاحب سے اسے تروا دی اسے ذبح کر گھر لے کر دیکھا، اسی سے یہ کہنا کہ یہ کون ہے؟ خدام نے آغا میر کی ہدایت کے مطابق عرض کیا کہ یہ دروہ جن معلوم ہوتا ہے پادشاہ نے شہر چھاپا اسے پکڑ تو لے پکڑا، دروغ و اندر پہنچے گئے، غریب سا رہا، پکڑا گیا، جب اس نے دیکھا کہ اذیت آتا ہے پہنچے دلی ہے تو آغا میر کے دروں پر گر پڑا، اور وہیں اسے لاکھ روپے کی خانہ خلی لکھ دی۔

ایک دروغہ بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ کا ایک منہ بڑھا صاحب تھا، آغا میر نے اسے عطا کر دیا، اور کہنا کہ یہی ماہر ہو۔ دشاہ نے اس کے متعلق ماہر ہو گیا لیکن ہر دفعہ جواب مل کہ وہ سر چھب، ایک روز پادشاہ باہر سیر کر رہے تھے کہ وہ صاحب فاضلے نظر آیا غازی الدین حیدر نے کہا دیکھو فلاں شخص ہے۔ آغا میر وراس کے رفیقوں سے منع ہو کر عرض کیا کہ خدام باہر جاؤ کہ تو نظر نہیں آتا، حضور کی آنکھوں پر جب کچھ روشن ہے اس سے عالم، روح کی مخلوق بھی صاف آتی ہے پادشاہ ہر چیز کتارا کہ اسے بد و بیکر، مارے عین دور، باکو وہ شخص رہتا ہے، اور بد و کوکس اس کی روح محسوس میں نظر آتی ہے۔ غرض آغا میر کے تھوڑے دنوں میں ایک روز کو بہت بری طبع رہا وہ ایک آغز میں پادشاہ سے ٹکریوں و مرض و تاروں کا سوا بیٹا نام بھو اب غازی الدین حیدر کی وفات کے بعد حیدر الدین حیدر پادشاہ ہوئے، ان دنوں سے حیدر شاہ کے عہد کا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے صاحب کی کوشش کی بسین فکر یہ آغا میر کے سوا دن بن گئے، اور اس تک وہ ٹکریوں کی حفاظت کے عرصہ پر لکھنؤ میں غازی الدین آغز نشہ میں، ٹکریوں کی حفاظت میں لکھنؤ سے مل کر اپنے مال و متاع و حکمت کاں پر تاج، وہیں دوسروں کے بعد وفات پائی اس کی

کئی گئی ہو اور مشاعرہ میں پڑھی گئی ہو۔

کان پر اور باندھ | غالب ۲۶ رذی قعدہ ۱۲۴۲ھ کو مکتوب سے نکلے ۲۵ رذی قعدہ ۱۲۴۲ھ کو کان پر پہنچے

دہاں دو تین روز کے قیام کے بعد باندھ چلے گئے۔

باندھ سے غائب | یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ باندھ میں کتنی مدت قیام کیا لیکن باندھ سے نکلنے کے بعد مولوی

محمد علی خاں صدر امین باندھ کو جو سکاتیب لکھے ان سے بعد کی منزلوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً باندھ سے

نکل کر دو روز توڑہ میں قیام کیا۔ ایک رات روستا میں بسر کی۔ پھر چلتے ماراپنچ گئے۔ فرماتے ہیں:-

روین شنبہ در توڑہ رسیدہ تا یک شنبہ بہ آرمش گرانید۔ دو شنبہ کوں جیل کوئٹہ شے بہ روستا بسر ہو شنبہ

در چلتے مارا رسیدہ بہ دواں انگریزات باقی است بیچ راہ فتح پور کردہ خواہ شد۔

توڑہ سے غالب نے سامان برداری کے لئے ایک گاڑی کرایہ پر لی تھی۔ جو بڑی شست و قدر تھی۔

اس کے انتظار ہی میں رات روستا میں بسر کی تھی۔ دوسرے روز غالب چلتے ماراپنچ گئے لیکن گاڑی

وہاں بھی دیر سے پہنچی توڑہ اور چلتے مارا کا درمیانی فاصلہ اگرچہ صرف بارہ کوس کا تھا لیکن گاڑی کی سستی قنات

کے باعث دو روزیں ہر مشکل طے ہوا۔ وہ خود فرماتے ہیں:-

دو شنبہ از توڑہ بہ آدم گرد کے کوہیں ملک بہ لاجا سو سم است بہائے باد کشیدن یا ختم چون ازین

ضعیف الخلق تر قنادہ ہواں آہستہ خرام بلکہ مخروم وہ اندہ کوہ را نتوانست برید۔ و از توڑہ تا چلتے مارا نہ رسید

ناچاہشے بہ ویسے دوستا، اتفاق قنات از شنبہ آذر شنبہ دواں شدم من خود دو پہر روز برآمدہ بہ سرائے

چلتے مارا رسیدہ و ان چچ خرام بلکہ مخروم ماسا سے از شنبہ زگرت بہ من نہ پیوست۔

باندھ میں غالب سے کسٹ لیا تھا کہ مولوی محمد علی خاں کو خط بھیجنا ہو تو چلتے مارا کے تھانہ دار کے

حوالہ کر دینا غالب نے چلتے ماراپنچ کر خط لکھا تھانہ دار صاحب سرائے میں آئے اور اودھر اُدھر پھرنے لگے

تو غالب نے، رسال خط کے باب میں اعانت چاہی تھانہ دار صاحب نے درخواست قبول کر لی لیکن انداز

گفتار غائب غیر مناسب تھا۔ غالب اس انداز سے اتنے مکدر ہوئے کہ خط تھانہ دار کے حوالے کرنے

کے بجائے ایک مسدود دیا جو باندھ جا رہا تھا۔ لکھتے ہیں:-

میز پر نعل صاحب دہاندہ فرسودہ پروندہ کو بغیر مولوی صاحب بہ تھاہ دار چہلہ تار احوال باید کرد گاہ
 فرہ رساندہ اتفاقات آخر روز بلکہ اول شب بہ کار و دال سر اسے چلتا مارا تا تنہا گرد و ملک و راہ مذکور
 نشستہ بودم۔ آگاہ تھاہ دار بہ کار و دال سر رسید و ہر سو فرامیدن آغا کردہ در باب ارسال نامہ عاستہ تقیم
 گرچہ پر پرفت اما پذیرش کت سفیرانہ بودینا کہ طبع با کرد و گوارانہ شد کتوب بہ دے داون بہرہ
 بھول الاحوال جوں نام جناب از من تسود نامہ بہ عجز و من طلب کرد۔

پہلے خط میں غائبانہ لکھا تھا کہ وہ چلتا مارا سے شتہ پورب میں گئے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ نگاری
 کی سستی رفتار سے تنگ آکر مجبور ہوئے انہوں نے فیصلہ لیا تھا کہ کشتی میں سوار ہو کر دریائے راستے آگاہ
 پنچیں وہ لکھتے ہیں :-

آخر زید و گراون دون سوا آندہ در راہ دوریا، اندام ہی مہریں مقام کشتی بہ کرا یہ گرفتہ د آؤم تن
 بہ دروے گنجیدہ و مہم نہ بھر بیا دم سہارو آندہ سفید در و جس راہہ ام منظور میں کہ۔ آگاہ رسیدہ و
 کہ در بنارس سے خواہم کہ در ہم دیں بقدر کار بندم در در سے چند آسائے کرہ۔ بھوج بہ اسفند رساندہ رہن
 تہم دو دیگر خبر شد آگاہ در بیچ ہاتھ گرفتہ گرینہ حال سفر دریا نیز دیں دوسرہ در پناہ نمود
 ماند کشتی با مار گونید کہ در در آمد مسرور بہ آگاہ رسیدہ خواہند مے تو اس ویدہ ایک در چہ شبہ
 قریب نیم روز کشتی نشستہ دل بہ خداد یا خدا بستہ ام۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ غائب الہ آباد میں کتنے روز ٹھہرے اور وہاں سے بنارس پہنچ کر کتنی مدت
 قیام کیا لیکن انہوں نے جو یہ لکھا تھا کہ بنارس میں نہیں ٹھہروں گا اس پر عمل نہیں کیا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ
 کافی مدت بنارس میں مقیم رہے۔ انہوں نے بنارس کی تعریف میں ایک مستقل ٹنوی لکھی ہے جس کا نام
 چھایا و تیرہ ان کی فارسی ٹنویوں میں تیسری ٹنوی ہے۔

ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آئندہ میں بیمار ہو گئے تھے مولوی محمد علی خاں صاحب صد امین
 آئندہ کو چلتا مارا سے لکھتے ہیں :-

مد لکھ کر خدمت صدر اعظمی از ساحت طبع خست بہت۔

چو جزبازو سے میاں تو سیم حسام الدین جیخان نو سیم
چو پیوند قبائے جاں ازم امین الدین احمد خاں ازم
گر فتم کز جان آباد خستم مرایاں راجہ از یاد خستم
گم و غ فراق بوستان خست غم بے مہری یوں ستاں خست
جہان آباد گر نو بدالم نیست جہان آباد وادجا کم نیست

ان تہذبات کے بعد بنارس کا ذکر فرماتے ہیں :-

تعالیٰ اللہ بنارس چشم بدو بہشت خرم و فردوس معمو
بنارس اے گستاخ حسین ہنر از گنبد چش چہین
بخوش پرکاری طرز وجودش زہری سے رسد ہر مرد و دوش

بنارس کے متعلق ہندوؤں کے عقیدے کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

سناغ مشربان کسبائند کیش خوش کاشی راستائند
کہ کس کلندراں گلشن بیژر وگر پیوند جس فی نگہ سرد
چمن سر بایہ امید گود بہ مردن زندہ جاوید گود

لیکن غالب کی دلچسپی کا حقیقی مرکز وجہ بنارس کا حسن تھا وہ حسن جس نے شیخ علی خاں کے گم ہوا تھا

از بنارس نہ روم معبد عام ہست اینجا

ہر رہمن بچہ مجھمن وراہم است اینجا

اس حسن کے کیف و جوش کو غالب کی بنائے سخن میں ملاحظہ فرمائیے :-

۱۵ سب از دلدولہ متاز الملک حسام الدین حیدر خاں بہادر مسافر جب دوسرا دہلی میں سے تھے، کہا کہ تاج کو لکھنؤ کے رہنے والے تھے لیکن بعد دہلی چلے آئے۔ دہلی و بارہا میں نماز بیت کے اندر تھے۔ غالب اس وقت دہلی میں تھے ان کے انتقال ہوا شامی تھے۔ تاجی شخص تھا۔ غالب نے ان کے دیوان کا دیباچہ بنارس میں لکھا ہے جو کلیات شریں موجود ہے۔

۱۶ تاج الدین احمد خاں دہلی لوہارو۔

بیالے غافل از کیفیتِ ناز نکاح ہے بر پر نیا و نشِ انداز
ہمہ جاننا ہے بے تن کن تماش ندارد آبِ خاکِ اس جلوہ شام
نماؤں شانِ بوئے گلِ گرانیست ہمہ جانتہ ہے دریاں نیست
خوش خادشِ گلستانِ لکونی عبادش جو ہر جانِ لکونی

.....

کفِ ہر خاکش از ہستی کنشتے مسیرِ خادش از سبزی ہشتے
سوادش پاستوتِ بت پرست سرِ پادش زبانتِ گاہِ ست
عبادتِ خانہ ناتو سیانست بہانا کعبہ ہندوستانست
بتانش را ہیوئے شعلہ طور سرِ پادش زبانتِ گاہِ ست
میانمازک و دولہا تو انا زنادانی بہ کارِ خویش دانا
قسم سبکہ در بہا ہیست دہنہا رشکِ گلہا ہیست

.....

لطیف از سبچی کو ہر زمرہ روتر بہ ناز از خونِ عاشقِ گرم دوتر
زنگیں جلوہ با غارتِ گریش بہارِ بستر و نور و ز آغوش
ہر سامانِ دوا و نگہستانِ ہم ز تابِ رخِ چرخانِ رنگِ ہم
قیامتِ تہرستانِ شمعِ دل ز شرمِ گل و صفتِ دل نیزہ باز

پھر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات ایک روشن بیان سے جو زمانہ کی گردش کے اسرار سے آگاہ تھا سوال کیا کہ جہان سے نیکی، دانا، و محبت رخصت ہو چکی ہے۔ ایمان کا محض نام باقی رہ گیا ہے۔ باپ بیوں کی خوریزی کے درپے میں بیٹے آبا کے دشمن جاں میں بھائی بھائی سے سرگرم جنگ ہے۔ مرافقت زمانے سے اٹھ چکی ہے۔ گو یہ قیامت کی تمام باتیں ہو یہ ہو چکی ہیں لیکن قیامت کیوں نہیں آئی ہے۔

بہ نفعِ تہرستانِ زبے چست قیامت رنہا گیرِ چست

سٹے کاشی بہ اندازہ اشارت تبسم کرد و گفتا میں عمارت
کہ تھا نیست حملش را گوارا کہ از ہم ریزد ویں رنگیں بنارا
آخر میں اپنی درد انگیز حالت نہایت موثر و دل نشین انداز میں بیان کرتے ہیں :-

الا سے غائب کار و قیادہ ز چشم یار و غیار و قیادہ
چو بوسے گل نہ پیرا میں بروں بہ آنادی ز بند تن بروں آئے
درد از کف طریقی معرفت را سرت گروم بہ گردایں شش جہت
فرماندن بہ کاشی نارسانی است خدا را میں چہ کافر ماجرائی است
بہ کاشی سٹے از کاشانہ یاد آ دریں حبست انساں ویرانہ یاد آ
در بخاد و ملن و ماندہ چند بخون دیدہ زورق ماندہ چند
ہوس را پاسے درداں شکستہ بہ امید تو چشم از خویش بستہ
بہ شہر انکیسی صحرانشیناں، بروئے آتش دل جاگزیناں
مگر کاں قوم باد بہر آفریدہ ز سیلاب بہ آتش آرمیدہ
ہمہ دغاگ و غوں افگندہ تو چہ کرم یکسیرا بندہ تو
چہ شمع از بولہ دل آزدشاں بہ ہم غرض عوی بے ناباں
سر و سرما بہ عمارت کردہ تو ز تو نالاں و سے در پردہ تو
از امانت تنافل خوشنما بہ دغا شاں ہوائے گل ہوا

غائب کے بل و خیال کی کیفیت اور اس کیفیت کے لئے غائب کی ذمہ داری اس سے بہت سہی

بیان ہو سکتی ہے۔ اسے پیش نظر کام کی نسبت لکھتے ہیں :-

تے بہ خبر کار بہت دیش بیا بیا و کسار بہت دیش

.....

ترزانہ وہ مجنوں بود باید خراب کوہ و ہاموں بود باید

تن آسانی پتہ ماراج بلاوہ چوہنی رنج خود را رونادہ
شرر آسا فنا آمادہ پکیزہ ہفتاں دامن آزاوہ برخیز

اس واقعہ سے تین بیس برس بعد میاں دودھاں سیاح کے ایک مکتوب کے جواب میں جو سیاح نے بنارس سے لکھا تھا فرماتے ہیں :-

بھائی ندرس خوب شہر ہے اور بیکہ ہنس ہے یک ٹنوی میں ہے اس کی تشریف میں لکھی ہے اور
تہن فوڑ میں کا نام رکھا ہے ۔ وہ فارسی دیون میں موجود جو اس کو دیکھنا ۔

غالب بنارس کے کوئی صاحب اشرف حسین خاں تھے جن کا ذکر سیاح نے اپنے خط میں کیا تھا۔
غالب لکھتے ہیں :-

اشرف حسین خاں صاحب میرے دوست ہیں قلعہ فسادا غدار کے زمانے سے پہلے بن کا خدا
ورکھن کا کلام میرے پاس آیا ہے قرین کو میرا سلام کہنا ۔

بنارس سے روزگی | بنارس سے روزگی بھنے کے دن عمل میں آتی ۔ چاند کی نویں یا دسویں تاریخ تھی بمبئیہ معلوم
نہیں ہو سکا غالب لکھتے ہیں :-

مرد کہ آدینہ قول خیر نم ماہ دیاں را گرد ہے و ہرست دینہ نہیں وقت سوم ۔ در ۔ شیہ
ان بنارس سے یویم ۔

معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو شہر کی سواری میں بہت آرامہ ملا تھا لہذا ان کی آرزو تھی کہ کلکتہ تک
کشتی ہی میں جا میں لیکن کشتی واسے کریہست زیادہ مانگتے تھے ۔ اس لئے مجبوراً غالب خشکی کے راستے
گھوڑے پر چڑھنے پہنچے ۔ وہ لکھتے ہیں :-

نامہ بیان ۔ خدا ترس و ہرستی صفاتہ کرودید ۔ مرد ۔ جو رہا کلکتہ کم نمہ و پیرہ علب و تہنہ فردس

از بہت و پیرہست بنا چا ہاں سب سو رہا ہر تقدیر حواکہ تہود ۔

یہن ان کا خیال تھا کہ منہ پہنچ کر کچھ کشتی کا بندوبست کریں وہ فرماتے ہیں :-

ہن ہرست کشتی از ہر ہرہ قندہ پیرہست ہر ہرہ ہرہ ۔

فلکۃ پہنچنے کی تاریخ | ٹینٹہ تک کی سڑ نہیں۔ وہاں سے قیام اور بعد ازاں فلکۃ ہسک مقامات کی نسبت کوئی
شہر انہیں مل سکا۔ صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ

کتاب از شدت بر دیبالی مسرود در بخار و نگاه از کفنی گزینش بستم و رسید و نامان روز شنبه چهارم
شعبان (۱۳۴۳) در کلکتہ رسید.

”ہر دیہاتی سے قریب ترین کوئٹہ کے قریب، جنوری ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوا۔
 قاری لکھنؤ سے گل کڑیاں سے بہت زیادہ کے مطابق وہ جوانی میں روانہ ہو چکے تھے۔
 ۱۹۲۵ء میں دوبارہ بارہ میں زیادہ وقت گزارا وہ جون ۱۹۲۷ء میں دہلی سے بھارت آئے اور انہوں نے
 ۱۹۲۷ء میں کلکتہ پہنچے کو باسٹھ میں کر دیا تھا۔ دہلی کے

[illegible]

و فلک زیب بیفت بار بر سجدہ ایک تالاب درویشی میرا دل سو گڑب گڑب شد۔ بد۔
مکن بن پرشاد و دور تر آمد و رفتی۔ ورتن کا گرایہ صرف دس رُبیے الا زحما موعی محمد علی
مدد میں بندہ دیکھتے ہیں :-

غلبہ و ریاست و اہمیت است و لازم کہ انجینی ویا نہ بہ، مدد دہد۔ رتہ سایش را بہ ہمتیہ
ہم درامہ غلظت و فراخ خاطر غلبہ بہ ہمدردی، سدا بہت، سیت بخوبی درونہ سخن
یہ از آب شیریں یا ہے در غلبہ، درونہ این مہر آرا، سیت بہ مذہب ستر یا غلبہ بہ، در غلبہ
دستہ حب بہر چہ رہ، چہ پایہ بہر رسیدہ۔

ظاہر تو یہ ہے کہ شہ ظلمتہ اور شکل کی سب و ہوا غالب ہو بہت پرندہ فی ثانی نہایت میں ہے۔

تشریح: اگرچہ یہی ہے کہ اب وہ ہوتے تھے باطن ٹیکہ و رمانت و یہی بندہ سود و زور ہے۔

کہ وہ جس سود و زور سے

غالب ز تو ہر پردہ فرستے دارو ہر گوشہ اند و ہر فضا سے دارو

برجیہ پوست اندامم بکسر بجا و شگرف آب ہوتے دارو

علی بخش خاں رنجور کو کلکتہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:-

چہ کلکتہ جاسے از ہر گوشہ کلا لا امل، جز چاہد مرگ ہر چہ گوئی پیش ہنر و دانش سل، جز بخت ہر چہ خواہی بہ

بازارش ارزاں۔

مولوی سراج الدین احمد کلکتہ میں غالب کے ایک نہایت عزیز دوست تھے۔ کلکتہ سے واپس آکر دہلی سے مولوی صاحب کو جو خط لکھے ان میں سے ایک خط میں فرماتے ہیں:-

شارتائے ہیں، رنگی و رنگینی کجاست خاک نشینی آں دیار دزد و زنگ آرائی مرز بوم دیگر دشمن و خط

ز گر تہاں نہ دوسے و طوق ناسوس خیال بگردن نہ دانشے دامن ہر چہ بہت افشاغے و خود را درال

بقدر ساغے ناز بخت درال نیوکہ ہودے از رخ مراستے "خوش" اسودے زہے ہوا سے سرود

فرشت آب! نے گوارا فرنا بادہ اسے ناب و فرما شراستے شیریں۔

غالب کو آم ویسے ہی حد سے زیادہ مرغوب تھے۔ بنگالہ کے آم انہیں بہت پسند آتے۔ خود

فرماتے ہیں:-

ہمہ گریوۂ فردوس بہ خوانت باشد

غالب آں انتہ بنگالہ فراموش مباد

غالب کے کلیات نظم میں ایک قطعہ ہے جس میں انہوں نے سفر کلکتہ کی غرض و غایت،

دہلی، بنارس، پٹنہ اور کلکتہ کی کیفیت ساقی بزم آگئی کی زبان سے بیان کی ہے۔ وہ ہر امر کو بطور

سوال "ساقی" کے روبرو پیش کرتے ہیں اور ساقی جواب دیتا ہے اس میں فرماتے ہیں:-

گفتنش صیت منشا ہنرم گفت جو رو جنائے اہل وطن

گفتنم کنوں بگو کہ دہلی صیت؟ گفت جان است آیں جہانش تن

گفتنش صیت ہیں بنارس گفت شاہے مست محو آل پسیدن

گفتش چوں بود عظیم آباد گفت ز نام تر از نضائے چمن
گفتش ساسیل خوش باشد گفت خوشتر نہ باشد از سوتین
حال ملکاتہ باز جستم گفت باید عظیم شمش گشتن
گفتم آدم ہم ہم سد دروے گفت از ہر دیار و اندہر فن

اس کے بعد نگریدوں کی طرز و روش کو ان نظموں میں بیان فرماتے ہیں :-

گفتم ایں جاچہ شغل سود دہد گفت از ہر کنت ترسیدن
گفتم ایں جاچہ کار باید کرد گفت قطع نظر شمس و سخن
گفتم ایں ماہ پیکرں یہ کس ند گفت خوبان کشور سن

غالب جس مقدمے کے لئے ملکاتہ گتے تھے وہ پورا نہ ہوا پاس کے علاقہ میں خوبان کشور

لندن کے متعلق مزید فرماتے ہیں :-

گفتم ایناں مگر دے دارند گفت دارند یک از آہن
گفتم از ہر داد آمدہ ام گفت بگرزید سر بہنگش
ملکاتہ کی تعریف میں غالب نے اردو میں بھی چند اشعار کہے ہیں :-

ملکاتہ ماحوذ کر کیا تو نے نشیں اک تیر میرے سینے میں مارا کرتے تھے
وہ سبزہ زار باست سڑا کہت غضب وہ ناز نہیں تباں خود آرا کہ اسے اسے
صبر آزما وہ ان کی نکاہیں رہیف نظر طاقت رب وہ ان کا اشارہ اسے اسے
وہ سیوہ اسے تہا زہ و شیریں کرداہ وا وہ بادہ اسے تاب کو رکھ اسے اسے

نارسی کی ایک غزل کے مطلع میں فرماتے ہیں :-

غالب رسیدہ ایم بہ ملکاتہ و بے

از سینہ دغ دوری اجاب شہیم

مجھے ہر دوست | اوپر عرض کیا جاچکا ہے۔ غالب نے ملکاتہ کا نقش پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

وہ زیادہ تر اسی غرض کے لئے حکام یا دوسرے دوستوں سے ملنے رہے۔ ہم ان تمام مشاغل کو غلطی
باب میں بیان کریں گے جن اصحاب نے کلکتہ میں پیش کے سلسلے میں غالب کی سب سے بڑھ کر اعانت
کی ان میں سے نواب اکبر علی خاں طباطبائی، متولی امام باڑہ، جوگلی، مولوی سرساج الدین احمد خاں، اور
مولوی محسن خاں صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ نواب کبکٹاں کے نام مولوی محمد علی خاں صدر
میں باندھتے تھے۔ غالب فرماتے ہیں کہ کلکتہ پہنچ کر دو روز آرام کرنے کے بعد جوگلی بندر گیا
اور نواب صاحب کے ملائیں ان کے تپاک محبت، بہرہ رومی اور جن اخلاق سے غالب بہت متاثر
ہوئے فرماتے ہیں:-

اگر گویم کہ مرا از بخت محب آمد دوست و اگر گویم کہ مرا بریں رشت آمد روزیہ عابد و بھدائے کفر و

آفرید و خود در برگزیدہ کہ بدیں گرمانگی و صاحب دل و زبکالہ و گیسے خواہد بود۔

نواب صاحب نے ملاقات کے بعد ان کے ساتھ محبت و داد کا حکم و حکم رشتہ پیدا ہو گیا جس
زمانے میں غالب کلکتہ سے ہیں نواب صاحب بیچارے خود امام باڑہ کے وقف کے متعلق مقدمہ
میں اُچھے ہوئے تھے۔ غالب لکھتے ہیں:-

آتش کدوریں روز با نواب، اب حکام جوگلی بندر، در خصوص زینے کو وقف امام باڑہ است معاذ

بلکہ عاود و پیش دول سرگرم فکر و پیش بست متعذر قابل ۵

بہرہ رانی مسرت و نیا دیم

جوں بہشت کدہ کمر و سلطان ختم

مولوی سرساج الدین احمد خاں کے ساتھ غالب کا رابطہ مودت و اخوت بہت گہرا تھا۔ خاصی
مکاتیب میں ان کے نام متعدد خط ہیں مولوی صاحب غالباً لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ کلکتہ میں
کاروبار کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے جس زمانے میں غالب نے "مقبول" چھپوائی ہے مولوی صاحب
لکھنؤ آئے تھے۔ غالب و مقبول کا ایک نسخہ مولوی صاحب موصوف کو بھیجے کی ہدایت دیتے ہوئے
ان کا یہ شعر لکھتے ہیں:-

در لکھنؤ بہ احاطہ فائز نامہ حاصل کیا۔ شاعر ہر کائنات مولوی عبد الکیم مرحوم نجد مست مولوی

سید الدین احمد برسر۔

مولوی صاحب کے ساتھ جو کہ تعلق تھا۔ اس کی کیفیت خود غالب کی زبان سے سنئے۔
خواجہ غلام غوث خاں پنجر کو لکھتے ہیں:

سز ہزار آدمی نظر سے گزرے ہوں تھے زمرہ میں جس سے، عوام ہر جا شہر نہیں دو مخلص
سما دق اولاد کیجئے۔ ایک مولوی سرایچ الدین عزا، مہر علیہ وہ سرانشی غلام غوث خاں سرمدہ تھا
لیکن وہ مرد حسن صورت نہیں تھا۔ اور غرض اس کا خاص حربے سا تھا۔

دہلی ہنگامہ سفر کلکتہ کی صرف ایک ضروری چیز باقی رہ گئی تھی، یعنی وہ ادبی ہنگامہ جس کے
میتھے میں غالب کو شہری یاد دہانی ملتی تھی۔

غالب کو فارسی زبان سے بھی نہایت تعلق تھا۔ ان کا مذاق نہایت اعلیٰ درجے کا تھا۔
اور ملا عبد الصمد کی دو سالہ تربیت نے ان کے ہر ذرہ کو نکال دیا۔ دس دی مٹی بے غصہ ان شباب ہی
میں انہوں نے جو کچھ لکھا تھا وہ فارسی زبان کے بہترین اور مشہور ترین استادوں کے ہمارے ہاتھ
تھا۔ اس لئے وہ ہندوستان کے ان فارسی گو شعرا کو خاطر میں نہ لاتے تھے جن کی زبان اسلوب
بیان اور کلام غرض ہر چیز فرمایا تھی۔ اس زمانے میں قبل در واقف کا بہت شہرہ تھا۔ غالب کے
نزدیک تشریف اور واقف بے حقیقت تھے۔ جب غالب کلکتہ پہنچے تو اس زمانے میں ہر انگریز کی
کے پہلے اتوار کو مدرسہ کلکتہ میں شاعر ہوتا تھا جس میں فارسی اور اردو زبان کے شعراء کی ایک ٹولی
تھی۔ غالب کے اعزاز میں ایک خاص مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ اس زمانے میں شہزادہ کمال مراد دہلی
ہرات کی طرف سے ایک سفارت کلکتہ آئی مونی تھی جس کے رئیس کفایت خاں نامی ایک خوش
ذوق اہل علم تھے۔ وہ بھی مشاعرے میں شریک تھے۔ شعراء کے کھاتے نے اپنی نوٹیں لکھیں اور ان
ان کے پوچ کلام پر زیر لب تبسم فرماتے رہے لیکن جب غالب نے غزل پڑھی تو ان سے مدح سننے
دل کھول کر دے دی۔ اس پر وہ شعر میں غالب کے خلاف حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔

پوچھ گو، فردمایہ اور تنگ نظر شعرا کا دستور ہے وہ غائب کے کلام میں عیب تلاش کرنے لگے۔ غائب نے
اس شاعر سے میں اپنی مشہور غزل "ماں بر خیزو" بتایاں بر خیزو پڑھی تھی جس کے چند شعاریہ میں ہے

بچہ کیسے زندہ عیار ہو جس عشق ڈگر رسم سید او مہار از جہاں بر خیزو
زینار از قب و دوزخ جادو پتھر خوش بہاریت بیم خزاں بر خیزو
عمر با چرخ بکرو دگر بسر سوختہ چوں من دود و آتش نفساں بر خیزو
گرد بمشیت سمٹے نرین غائب رسم امیسد ہما تا ز جہاں بر خیزو
اسی غزل کا ایک شعر یہ ہے

جزو سے زنا لم، از بد عالم مشیم ہم چو موتے کہ تباں را دریاں بر خیزو
اس یہی مشائے میں یاد ہے۔ شاعری میں یہ بات نہیں کیا کہ ہم عالم کی رست سنیں نہ خیزو
کیا دنیا کہ موتے ازیاں بر خیزو وغیرہ صحیح ہے ہنس اور اعتراضات بھی کئے گئے جواب الیگری خاں اور
مولوی محمد حسن خاں صاحب نے ان اعتراضات کے جواب دیئے۔ کفایت خاں نے ہم عالم کی سند
میں اساتذہ کے متعدد اشعار پیش کئے مثلاً

کہ سن آلودہ منم چہ عیب،
ہم عالم کہ گواہ صحت دوست

(حافظ)

اور

جہاں خرم از انم کہ جہاں خرم از دوست
ما تم بزمہ عالم کہ تمہ عالم از دست

(سعدی)

مثنوی کے ہر شعر میں یہ زوفا ہے کہ دستاویز سند و دلیل پیش کیا ہوا ہے خواہ حافی فرماتے
ہیں کہ غائب نے کہا، حسن کہناں جس خیمہ کی درگاہ میں فریاد دے کھتری نپے کے قول کو
نہیں مانتا۔ اس پر غائب نے کہا "ہی شاعر کے بتیہ سب جو کی انتہا پر پہنچ جائے تو نہ سب بات
سچ ہے۔" شاعری میں یہ سب باتیں سچ ہیں۔ ہر شاعر کی بات سچ ہے۔ ہر شاعر کی بات سچ ہے۔

یا معاشرت یا ادب کے مجتہدین فن اور مجددین طریق و راہ کو جن احقانہ و جاہلانہ مخالفتوں سے سابقہ پڑتا ہے وہ سب غائب کے گرد و پیش کھڑی ہو گئیں وہ کسی ادبی جنگامہ اور علمی جہاد کے لئے نکلنے نہیں گئے تھے۔ بلکہ اپنی پیش کے متعلق چاہہ جوئی کے لئے انہوں نے اس بے سفر کی جست برداشت کی تھی جب ان کے خلاف شعر نے جنگامہ پیا کیا تو وہ بہت گھبرائے اور انہوں نے ذاب الکبر علی عال و مولیٰ محمد بن صاحب کی فرمائش پر ہمدردت میں "باد مخالف" کے نام سے ایک مثنوی لکھی جس میں اپنی مسیبتوں کا حال بیان کیا اپنی آمد کی غرض غایت بتائی بہتر اعمالت کے جواب دیے اور فارسی زبان میں اپنے سہلک مشرب کی جنت مائی میسرے نزدیک اس جنگامہ کو غائب کی ادبی و علمی زندگی میں بہت اہمیت حاصل ہے۔

وہ شروع ہی سے قنیل، واقف اور اس قماش کے دوسرے شعرا کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن کلکتہ میں اس رائے کے اظہار پر جو معرکہ تعریضات گرم ہوا۔ اس نے غائب کے جذبہ مخالفت میں بہت تندی تیزی اور لہجہ پیدا کر دی یہی جذبہ مخالفت انجام کار قاطع زبان کی شکل میں ظاہر ہوا۔ جو غائب کی طرف سے فارسی و انان ہند کے درجہ استوار و اعتماد کے خلاف ایک بڑا ہمداد تھا۔ غائب کے سکلا نظم و شعر میں جا بجا قنیل، واقف، عبدالواسع، غیاث الدین رام پوری اور اس قنیل کے دوسرے فروانگان ذوق و ادب کے خلاف جو تحقیر آمیز کلمات ملتے ہیں ان سب کی تیزی و تندگی کا سرچشمہ یہی کلکتہ۔ ان اعمالت تھے۔

شہنشاہ مخالف [مثنوی "باد مخالف" میں پہلے یہ بیان کرتے ہیں کہ میں نظم اور فواید سے اس شہر میں آیا ہوں۔ مجھے چند روز یہاں آرام سے گزارنے دو، امان نوازی کا حق ادا کرو پھر بتی۔ بیتوں کی داستان لکھتے ہیں۔

چہ بلا ہا کشیدہ ام آخر	کہ بدیں جا رسیدہ ام آخر
بسیہ روز غم بزم بنیسیہ	تیرہ شہماک ز جستم بلینسیہ
اندہ دوری وطن غمیرید	غم ہجران انجمن نگیرید
نہیں مال و فعال بلیم	من جان آفریں کہ عبالیم

مویہ چوں سو کردہ دست مرا غصہ بدخوت کردہ دست مرا

پھر کہتے ہیں کہ مخالفت کا آغاز میری طرف سے نہیں ہوا بلکہ خود مجھ پر بلا وجہ نادریست اعتراض
کئے گئے ۵

ہمہ عالم غلط کہ گفت نخست؟ پارہ نہیں منط کہ گفت نخست؟

بھنے را بر کمر کہ گفت غلط؟ شعرا سر سبز کہ گفت غلط؟

اور جب اعتراضات کا جواب ملنے پر ثابت ہو چکا کہ میں نے جو کچھ لکھا تھا وہ بال درست
تھا۔ تو کیا وجہ ہے کہ آپ منہ زات سے میری تائید نہ کی۔ اور میری شہرت پر جو داغ مخالفین نے لگائے
ہیں، انہیں دھو ڈالنے کی طرف توجہ نہ فرمائی؟ آپ کی اس حق ناپرسی سے میری گفتگو کا انداز کلمہ مسند
ہو گیا لیکن جتنے معلوم ہو کہ تہذیب و ادب اس پر مارا نہیں ہو گئے ہیں تو مجھے بڑی پشیمانی لاحق
ہوئی کاش میں ٹیپ رہتا ۵

نمید مژ شاء استیم بود شاستم مرا تسلیم

کاش با اعتداف سنجتے نالہ در زیر لب کہ استے

زانکہ خم زمانے یا راں بو رنگے از جو شستس بہاراں

ناروان دشتں بودن خوشتر از باغ و بوستان چون

بعد ازاں اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں ادبی بحث سے نہیں فرتا۔
صرف یہ خوف ہے کہ میرے جانے کے بعد لوگ کہیں گے کہ دہلی سے ایک سفیدہ آیا تھا، وہ
بزرگوں کے ساتھ سو کر سیدہ کر مر گئی، جس سے بدنامی ہوئی، اس لیے اس کی مائت و آبرو بلند نامی اور
اس لیے تربیت کا نور انہی میری زردن ریڈالا بائے کا ۵

نزدیکیش ہیل ترسم من ایمان من کراں ترسم

کہیں من جسا لگا دواز ہزباں ماند میں حکایت

کہ بھیجے رسیدہ بوداں عجا چند روزہ تر رسیدہ بوداں عجا

بازرگاں تیز ویش گزشت زحمت ۱۰ اور راہ خویش گزشت

ہم سفیدمانہ لنگوتہ دشت ہم خرابا تیانہ سوتے دشت

برگ دنیا ساز ویش بڑنگ دلی دسر زینش بود

آہ زان دم کہ بعد فتن بین خون دلی بود بہ گرون کن

کلکتہ دے اس بات پر بہت گہرے تھے کہ نواب کے قتل کی سائنش کیوں نہ کی۔ غالب

فرماتے ہیں ۵

دیکھ دیش گاہ بزم غن بہ زبان افتاد بہت امن

کفلاں قتل یل نگو نیست کس خوان نیت، نیت

زلہ ہوا کس سپر اٹم من بہ نیکس چرا اٹم

پھر کہتے ہیں کہ میں نے قتل کی محبت سے فیض حاصل کیا نہ اس کی شہرت پر رشک

نہ میں اسے برا کہتا ہوں۔ اور جو کچھ کہتا ہوں وہ اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ فارسی دان جانتے ہیں

کہ قتل اہل زبان نہ تھا۔ وہ شائستہ اعتماد نہیں اور اس کے کلام کو استناد کا درجہ نہیں دیا جاسکتا

اس لئے کہ فارسی اہل ایران کی زبان ہے۔ اور سندوبی مقبول ہوگی جو اہل زبان کے کلام سے

استفاد ہوگی اگر دوستوں کو مجھ پر یہ شکوہ ہے کہ میں قتل کی پیروی کیوں نہیں کرتا تو خدا ارہمے بتاؤ

کہ میں خزین، آسیر، طائب، غری، نظہ تی اور ظاہری کو چھوڑ کر قتل کے پیچھے چلنا کیوں کر گوارا کر لیا

آنکھ ملے کر وہ ایں موافقت را

چہ شناسد قتل و موافقت را

آخر میں قتل کی مع لکھی ہے جو حقیقتہً جو علیحہ فرماتے ہیں ۵

۷ شوم خویش را یل دلی ۷ سرایم فتن مع قتل

گرچہ ایرامیش نحو ہم لغت سدی شامیش نحو ہم لغت

دیکھ من ہزار بار بہت از من ہمچو من ہزار بار بہت

نظمش آب حیات اماند در روانی خرات را ماند
شرافش بال طاعت است انتخاب سراج قاصد است

جاد مقلدین، در حقیقت ناشناس رہبر و معززوں، اور مصالحت کو شیوں سے حق بات کو قبول کرے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتے اور غالب کی تو عذر خواہی بھی باوجود ادعات مصالحت اپنے اندر سینکڑوں تیز نشتر کھیتی تھی۔ لہذا اس سے کوئی اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا تھا۔ غالب جب تک ٹھکرتے ہیں رہے یہ معرکہ جاری رہا۔

اردو مکاتیب میں غالب نے میری تحسین کے مطابق صرف دو جگہں منگھڑ کا ذکر کیا ہے ایک انیس سو و ستر ہجری کو لکھتے ہیں کہ بلبل پنج ہزار مجمع میں ہجر حق کے تھے دو سر خطیں لکھ کر دیکھتے ہیں فقید میر و مرزا خات رہا ہے بیٹن اکثرین مورا ہے کہ بعد دو پاروں کے معترض سماحب کا فتوہ آج ہے نہایت ترکیب معترض فیدی سند کے اشعار نہایت سخیں غلامیں روح کے ہیں المذہب لکھتے ہیں نہایت تہذیب و تعارف تھا میرا شعر و

جز سے اندر عالمہ از جہ عالم شہیم نیم موتے کہ تاں زبان ہاں جزا

خستہ بر، غریب، اندر میں ہوا ہے نش، فقر میں یہ کہ عالم مفرد ہے، میں کار ہوتے کے ساتھ جسب جہا فیصل میں سے قصا میں میں میں تباہ و کا مران، زلی کا سفیر گورنمنٹ میں، یا تھا، کفایت کیا اس کا نام تھا اس نام یہ فقہ پنچا میں سے اساتذہ کے اشعار بیان سات ایسے پڑھے جن میں نام ہمدرد، حمد یا مرقوم تھا، وہ شعرا قاضی بران میں مندرج ہیں۔

دیس کب ہوئی کلکتہ سے، آپسی کی تاریخ کا قیمن پیر ایک مسئلہ ہے اور پرخن کیا جا چکا ہے کہ سرسرنیڈو، سرسرننگ غالب کے خاص ہمدرد تھے ان کا انتقال ۲۳ مئی ۱۸۳۱ء کو ہوا، ان کے انتقال سے چند غائب، جی ٹی تھے، اس مقدمہ کے بعد اب غالب کے اپنے بیان پر نظر ڈالے، ایک فارسی مکتوب میں لکھتے ہیں:

پانچواں باب

رام پورا اور میرٹھ کے سفر

اتفاق سفر افتادہ پیرسری

آنچه از پاسے نیامد ز عصاے آید

کلکتہ کے سفر کے بعد غالب کی تحریرات سے صرف تین سفروں کا علم ہو سکا ہے وہ دو مرتبہ رام پور گئے اور ایک مرتبہ نواب مصطفیٰ خاں صاحب شیفقتہ سے ملنے کے لئے میرٹھ گئے البتہ کلکتہ کے سفر سے قبل وہ فیروز پور جبرکہ یا لالہ روتے جاتے رہے۔ جب انگریزی فوج نے ۱۸۵۷ء میں بھرت پور پر حملہ کیا تھا تو اس موقع پر نواب احمد بخش خاں کے ہمراہیوں میں غالب بھی شامل تھے اگرچہ ان کا یہ شمول کسی فوجی خدمت کے لئے نہ تھا۔ وہ خوہنج آہنگ میں لکھتے ہیں :-

در ساں یک ہزار دو سو سہل و یک ہجری کہیں شان، عیشیہ رحمت پر سنکر سیدہ دان لیں
دہرا در بیان گرفتہ اندس دیں پورش بہ جانب خطاب ہم نالی حقدار نو اندول و نال و نالکے نواب غنیش
برادر مستم جگت نام اقبال، ادا افعالہ نسیم و گرمی را در ستودہ نو سے میرزا علی بخش خاں بیاد ہم سفر است
روزانہ بہ رفتار ہم قدم و شان بہ یک خیمہ فرو داتیم۔

پہلا سفر رام پور | رام پور وہ پہلی مرتبہ اور آخر جو سی ۱۸۵۷ء میں گئے اور راج میں واپس آئے۔ تفتہ کو لکھتے ہیں :-

میاں میں جو آخر جنوری میں رام پور جا کر خراج میں میاں آگیا تو کہ کہوں میاں کے لوگ
میرے حق میں کیا کیا کچھ کہتے ہیں۔

قاضی عبدالجلیل بریلوی کو رقم فرماتے ہیں :-

حکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں :-

میں تم سے رخصت ہو کر اس دن مرادنگو میں رہا دوسرے دن یعنی جمعہ کو میرٹھ پہنچا تو ابھی صبح
 کے ایک دن رکھ دیا۔ آج شنبہ ۱۱ جنوری یہاں مقام ہے۔ نوبت گئے ہیں۔ بیچا ہوا یہ خدا کا کرم
 صفت کا کھانا ہے۔ خوب پیٹ بھر کر کھاؤ گوگل شاہ جہان پور۔ پسوں گزرتے تھیں ہوں گا مراد آباد
 سے ہر قسم کو خالگوں جو

اس سفر میں باقر علی خاں اور حسین علی خاں (ابنا کثیر زائرین العابدین خاں عارف) بھی ہمراہ تھے
 تشریف لے رہے ہیں :-

راہوں کے آگے لکھے ہوئے دو خداؤں کی دعاوی کو بھجوا دیتے ہیں یعنی حکیم صاحب غائب
 ہم اس لیے نام کے خدا کو نہ کر ڈیوڑھی پر جانا اور آسانی جی دیکھ صاحب کو پڑھ کر سنا، نیا اور خیر دانا

غائب نے سفر کی منزل عقد و ذکر شروع میں خدا جہاں کس مصلحت کی بنا پر پردہ اخفائیں کھانا ضروری
 سمجھا تھا لیکن دہلی سے غل جہاں کے بعد ان کے خیال میں اخفا کی ضرورت نہ رہی۔ وہ حکیم
 غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں :-

بعد ان میں اندرون سے سعادت، بہت کو مختلف مقامات کا لازم کرنا ہوا۔ اب جو شخص تم سے پہچان کر
 اس سے پردہ نہ کرنا۔ اب کہہ دینا کہ راجہ پور تو یہاں ہی سب کو معلوم ہو جائے اور کوئی تہذیب میں رہے
 رہا تو کیسے کہتے | راجہ پور کی کیفیت ان غفلتوں میں بیان فرماتے ہیں :-

اب ہر سال سو مسٹر۔ ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔ ایک مکان کو دین میں کانٹن پست
 بنے کو لے کر یہاں تھیں۔ کوئی مسٹر۔ نعتی مکان گنتی کے سبب کی وجوہیں اور کچھ نہ
 کی آبادی اسی طرح ہے۔ کچھ کو نہ مکان ہے وہاں کی امت میں منورہ کو حکم و زبان میں آتی ہیں
 خود سے ابتدائے کاروں میں نجف، شافعیہ کبیر کے، مگر وہ مسلمان ہیں۔ یہاں
 یہاں کے میں۔ کچھ کو نہ کہ میں تھا، دور وقت۔ مگر یہاں کوئی کوئی نہ تھا
 یہاں سے کچھ مسلمان ہیں۔ یہاں سے کچھ مسلمان ہیں۔ یہاں سے کچھ مسلمان ہیں۔

اتنا بٹھا کر پینے والا زمانہ کہ یہ بھیکا شہرت ہے۔ صاف سک، گوارہ، بیسٹ الفوڈ، اس آٹا
 وان میں قبض و احتیاض کے صدمے سے محفوظ ہوں۔ صبح کو بھرک خوب ہنسی ہے۔ رشک علی تندرست
 آدمی بھی تو نامکراں ایک غنایت دو دن سے کچھ بیدار ہے۔

یہ خط ۳۱ فروری ۱۸۶۹ء کو لکھا ہوا ہے، اس نئی غائب کو رام پور پہنچے ہوئے آٹھ روز
 ہو چکے تھے۔ لہذا سمجھنا چاہئے کہ ۲۶۰۰ یا ۲۷۰۰ فروری ۱۸۶۹ء کو دارو رام پور پہنچے تھے۔
 دریا کسی دریا کے کسی کی تعریف غالب میرمدی مجروح کو بھی لگتی ہے۔

مجھو یہ ہم پر دوا دار۔ جو ہے۔ جو نصف بیاں ہے وہ اور کس ہے۔ ہالی ہالی آٹا۔ شہر سے
 تین سو قدم کے فاصلے پر ایک دریا ہے۔ کسی اس کا نام ہے۔ بے شبہ چناب جہات کی کوئی تو
 اس میں لی ہے۔ غیر آریوں بھی ہے تو بھائی، تب جہات طرزیہ نام ہے۔ ٹکڑے ٹکڑے ہیں۔
 پٹن کے متعلق سفارتی نیوٹن ۱۴ فروری ۱۸۶۹ء کے خط میں حکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں:۔
 ذاب نفث گورنر گڑھ سے مراد آباد آیا چاہتے ہیں مراد آباد میں سے بارہ کوس ہوتا ہے
 صاحب دو چاروں میں چتر ہیں گئے، اگر ان کی ملاقات کو مراد آباد جاویں گے تو یہ بھی آخر جانٹا
 اگرچہ گورنر غیب و سماں (صوبہ متحدہ گڑھ دودھ) کو دلی سے کچھ علاقہ نہیں مگر کچھوں کی تعجب و رہبان
 میں آتی ہے جو واقعہ ہرچھٹیں نکھوں گا۔

اس گفتگو سے غالب کا مدعا یہی تھا کہ فٹن کے باب میں جو گفتگو ہو کی اس کی کیفیت نکھوں گا
 اگرچہ صوبہ جہات متحدہ کے گورنر کو دلی سے کوئی علاقہ نہیں تھا لیکن وہ سمجھتے تھے کہ شاید ذاب
 کی سفارش سے کوئی راستہ مل جائے۔

میں حسب طلب ذاب سہارنپور کے دستار تیاہوں اور بنی سفائی بدینہ ان کے دفینت سے
 جانتا ہوں دیکھوں کیا ہوتا ہے کتاب درہ فی داسو، ہندی میں دل ریت کو روکا کر کے
 بیاں آیا ہوں۔ چھ مہینے میں جہاز پنچ سے بھین ہے کہ پریل وریب ہیج کیا ہو گا۔

وہی جیسا اور عرض کیا جا چکا ہے غالب آخر پانچ ستمبر ۱۸۶۹ء میں رام پور سے واپس آگئے ملی

میں ان کی واپسی پر چہرے گونیاں سرخ ہو گئیں۔ وہ خود فرماتے ہیں:-

یہاں میں جو خستہ روزی کو رام پور بکراؤ خان میں یہاں آگیا ہوں تو کیا انہوں نے یہاں کے لوگ میرے حق میں کیا کیا کچھ کہتے ہیں۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ یہ شخص دلی رام پور کا استاد تھا وہاں گیا تھا۔ اگر وہ اپنے کچھ سلوک نہ کیا ہو گا تو بھی پانچ ہزار سے کم نہ دیا ہو گا۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ نوکری کو گئے تھے مگر رزہ نہ رکھا۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ وہ اپنے نوکر کا بیٹا تھا اور سو روپیہ دینا لڑ دیا تھا تو اب بھٹت شور مارتا باد جو رام پور گئے اور ان کو غائب کا وہاں پہنچا معلوم ہوا تو انہوں نے تو بے صاحب کے کہہ کر ان کو روزی و خوشنودی پہنچتے تو ان سے جواب دے دو تو اب بے رحم نہ ہو دیا۔

اس کے بعد خود اصل حقیقت بیان کرتے ہیں:-

اب ہم اصل حقیقت سنو تو بے دوست ملی غاں تیس تیس برس سے میرے دوست اور بچے بچے سے شادیاں ہیں۔ بڑے عجب و کچھ معجزات دیکھتے تھے اب جو دینی شہادت سورت پھینکا وہ بڑا دھبہ ہے۔ بڑے رشتے تھے اب میں ایک دو مہینہ رہ کر پلاؤ یا بھڑک جاتا بعد برسات پھر جاتا۔ گاہ کو پال آفٹہ نے قیام رام پور کے دوران میں لکھا تھا کہ مجھے بھی وہیں بلا لیجئے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

بائبل تو بھٹت کو رہا درمیاں آباد اور وہاں سے رام پور میں گئے بعد ان کے جانے کے میں میرا قیام یہاں نہ رہا۔ بھٹت کے گھر سے گناہ بھڑک کر یہاں آگیا ہوا، تو تم کو پالا میرا ہندی مہر توچ نے غائبانہ واپس آجائے گا سب کچھ چھا تھا لکھتے ہیں:-

میرا ہندی مہر توچ نے رام پور میں کبھی مسجد بنانے کی سازش نہ کی تھی نہ ہی وہاں سے میرا کوئی رشتہ ہے۔ میرا تو اب بے صاحب مان رہا ہے ویرت منہ کرتے ہے برسات کے آسمان کا لہجہ دیتے رہے۔ مگر جی میں ایسے انداز سے یہاں چاند مات کے دن میں بیٹھا کہ نہ کوئی آدمی اس دن سے صبح کو عادل علی غاں کی مسجد میں جا کر بیٹھ لوی

جعفر علی صاحب کے قرآن سننا ہوں شب کو مسجد جامع میں جا کر نماز تری پڑھتا ہوں جی جی میں
 اتنا ہے تو وقت صوم مناسبات باغ میں جا کر روزہ کھاتا ہوں اور سر و پالی پتہ ہوں۔
 لیکن یہ سب مسائل محض افسانہ تھے۔ شوخ طبعی کے کرشمے تھے اہل کیفیت یوں بیان
 کرتے ہیں :-

لڑکوں کو سافٹ گیناواں انھوں نے میرزا کی میں دم کروایا تھا جین دیے میں ذرا تیار
 خدا جیسے لڑکوں کی اس معاملہ کو تو دنیاوی علم بھری رہے۔ اس سبب سے جلد پتہ آیا۔ سری رسات
 کے دن وہاں بڑا مناسبات بہتر طبعیات جرمہ بعد برسات ماؤں گاؤں بہت دس کھیتا تو
 یوسف میرزا کو لکھتے ہیں :-

میں سہ ہندوانہ شہر کو رہا ہوں اور ہندوانہ شہر کو دینی بھی میں جا رہا ہوں۔
 اپنی خواہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

نواب صاحب نے سادہ و شادمانہ دیتے ہیں جو کہ تو ہیں سببت۔ دوسری میں۔ سادہ و شادمانہ
 بظہیر میں طرح حجاب میں رسم بہت اور صورت ملاقات میں ہے۔ نواں سے میں سادہ و شادمانہ
 بس بہر حال غیبت سے حق کے بھی طرح ملنے کا شکر دار کہ پاتہ نمی کا سہا۔

دوسرا سفر مرہٹوں | خاں علی خاں رام پور کا دوسرا سفر اکتوبر ۱۸۶۵ء میں یہاں سے دوسری تشریف لائیں
 آئے۔ نواب یوسف علی خاں والی رام پور نے ۱۱ اپریل ۱۸۶۵ء کو دہلی کی طرف کی جاکہ
 نواب کلب علی خاں بہادر منشی ہوئے۔ نواب صاحب کی مسند نشینی کے جشن کی تقریب
 میں خاں صاحب دوسری مرتبہ رام پور گئے تھے مولوی عبدالرزاق شاہ کوٹھریہ نے دے دیے ہیں :-

نواب صاحب نے۔ سیدنا پیر محمد ان دونوں دنوں میں سے ایک دن سادہ و شادمانہ
 تقریب دہلی کے جلنے کی نہیں مروجہ نواب یوسف علی خاں کو تقریب دے دی تھی۔
 کلب علی خاں کی تنہا۔ دوپہار میں دہلی میں دہلی ہوئے۔

ساتھ اور بنال | یہ سفر تازی آباد چلے گئے۔ ہاپڑ نور محمد کے رستے ہوئے تھا باقر علی خاں اور

حسین علی خاں اس سفر میں بھی ساتھ تھے نواب شہاب الدین احمد خاں شاقب کو لکھتے ہیں :-

غازی آباد کا حال شمشاد علی شمشاد علی بیگ رضوان سے سنا ہو گا ہفتے کے دن دو تین گھڑی
دن چڑھے اجاب کو رخصت کر کے رہی ہوا مقصد یہ تھا کہ لکھو سے رہوں۔ وہاں قافلہ کی گنجائش
نہ پائی۔ اچڑ کر روانہ ہوا۔ دو نوں غور و گھوڑوں پر سوار پہلے چل دیے چار گھڑی دن رسے میں اچڑ
کی سرے میں پہنچا۔ دو بجائیں کو بیٹھے ہوئے اور گھوڑوں کو ٹپتے ہوئے پایا۔

بمراہی پہلے سفر میں بھی کافی تھے اور دوسرے سفر میں بھی ان کی تعداد اچھی خاصی معلوم
ہوتی ہے۔ کھانے کی کیفیت ان غظوں میں لکھتے ہیں :-

میں نے چھٹانک بھرگی دن کیا۔ دو شاہی باب اس میں ڈال دیے رات بھر گنی قحی شرب
ہلی لی باب کھائے۔ لڑکوں نے اس ہر کی کچڑی کھائی۔ اور غب ٹھی ڈال کر آپ بھی کھائی اور ب
آرمیوں کو بھی سلائی ہون کے واسطے سادہ سامن کچوا یا ترکیاری نہ ڈوائی۔
پھر فرماتے ہیں :-

چار پانچ بجے صبح کے محل میں اچڑ سے چل دیا۔ سوج غلے باوڑہ کی سرے میں پہنچا۔ چار پانی بچھا
اس پر کھینا بچھا کر مقہری راہوں اور یہ خاکہ۔ راہوں دو ٹھوڑے کول آ رہے ہیں۔ دو نوں کے رتھ
میں سوار آتے ہیں۔ وہ آئے۔ اور کھانا کھا بیا اور چلے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سواری کے لئے دو کھوڑے تھے۔ ایک رتھ تھا دو گائیاں تھیں
اور غالب پانگی میں سفر کرتے تھے جاگیم غلام خف خاں کو لکھتے ہیں :-

جرحہ کا دن ہے۔ پہر پہر میں جرحا برعما نقط میں پانگی پر سوار آبا پہنچا۔ ۲ جبادی الاول کی اور کتور
کی ہے۔ دو نوں۔ دو نوں کاڑیاں اور رتھ اور آدمی چھپے ہیں اب آئے جلتے ہیں۔ رتھ بھر گزرتے
گل رام پور پنج ماؤں کا دینی ۱۲ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو گھبرا یا مسواں تیسرا دن ہے باغانہ پھرے کو
رٹھ کے خیر و عافیت ہیں

دوبی ۱۱ رام پور وہ ۱۲ اکتوبر کو پہنچے تھے۔ ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۷ اکتوبر کو دلی سے چلے تھے

اس لحاظ سے پانچ روز سفر میں صرف ہوتے۔

رام پور کی سرکار کا فیقر تکیہ دار روزینہ خاں رئیس خاں نے سندھینی کا جشن کیا۔ وہاں کسے دولت کو
دور دولت پر ہانا واجب ہوا، ہفتہ اکتوبر کو دلی سے رام پور روانہ ہوا بعد قلعہ منازل سے داں پہنچا۔
بعد اقسام حسین ملازم دلیں جو اہم جنوری کو دلی پہنچا۔ عرض راہ میں یاد ہوا پانچ دن مراد آباد میں قیام رہا۔
دلی واپس آنے کی تاریخ کے متعلق ایک عجیب گھٹن ہے غائب لکھا ہے کہ وہ ۸ جنوری ۱۸۶۶ء
کو دلی پہنچے اور اسے پانچ روز رام پور میں بیا رہے۔ اس لحاظ سے سفر میں کم و بیش دس روز صرف ہو
یعنی غالب اور دسمبر میں رام پور سے چل پڑے تھے لیکن ملا والدین اصفہاں کے نام کے ایک خط جو
رام پور سے لکھا گیا تھا ۱۳ جنوری کی تاریخ ثبت ہے سال وہ نہیں۔ یہ معلوم ہے کہ غالب صرف
دو مرتبہ رام پور گئے۔ اگر وہ ۸ جنوری ۱۸۶۶ء کو دلی واپس آ چکے تھے تو ماننا پڑے گا کہ وہ ۱۳ جنوری
کو رام پور میں نہیں تھے پہلی مرتبہ وہ ۲۶ جنوری یا ۲۷ جنوری کو پہنچے تھے۔ اس سے پہلے سفر کے سلسلے
میں بھی ۱۳ جنوری کو ان کا رام پور میں ہونا قابل تسلیم نہیں۔ یہ خیال اس سے کہ فو ب ملا والدین خاں
کے خط پر جو تاریخ ثبت ہے وہ غلط ہے اور غالب کے مطبوعہ رقعات میں اس تمام ہی متعدد غلطیاں جو وہیں
حالات نامہ قیام | ۲۱ اکتوبر ۱۸۶۵ء کے ایک خط میں حکیم غلام رفیع خاں کو لکھتے ہیں:

تم کو میرے کھانے پینے کی طرف سے تسلی ہے خدائی قسم میں بیاں خوش اور تندرست ہوں اور
کھانا ایسے وقت میں آتا ہے کہ پہرہ دن چرت تک میرے آدمی بھی روٹی کھا چکے ہیں شام ۱۱ بجے
سورے تھامے کنی مرغ کے سالن، بیاں خاں، پسند ہے دو ذرا وقت، روٹیاں، خیر، بیاں خاں، اس کے
تعمیل میں خوش رہے بھی خوش، کھانا جو گیا ہے سفا، شعلی، ناکار، بیاں خاں، رست نہیں۔ ۷ جولائی
۱۸۶۵ء کو دلی، لکھنیا ہے۔ توجہ ایک دو ملاقاتیں مونی ہیں تعلیم، توجہ، وطن کسی باب میں کنی نہیں
پھر لکھتے ہیں۔

غائب صاحب کا اظہار و انتقادات و اقوال ہے سچ منہ کی بات اور سچائی کی اور ہم کو
کی ہے کھانا، دھوڑوں اور بیوں کے ٹھاس اس کی ہندی ہوئی لیکن اس میں یہ فائدہ ہے

نواب صاحب عالی ہفتہ ماہی اللہ شریک تھے اس میں ذاب فروس اور نگاہ کے برابر
 اگر محض شہو و رشتہ میں ان سے بڑھیں۔ پھر دوسرے سنی کے اندر محمول ایک فلو صاف کر دیا۔
 مٹی میں نان سادہ دس ہزار روپیہ بابت مطالبہ کرکے پیش دیا۔ مفصل حالات بذیل ذیل ملاحظہ فرمائیں
 مانی کہوں گا سنا صاحب میں فقہ ازاد پیش ہوں۔ دنیا و نہیں ملا لیں نہیں میں جو صفات دیکھیں ہوں
 بیان کرتا ہوں۔

مشرق مالاب | اس شخص میں غالب کے نہایت عزیز دوست نواب صاحب خاں شریف بھی شریک ہوئے
 تھے۔ نیز منشی نوکشور الکت طبع نوکشور نے اپنی صاحبزادی کی شادی کے سلسلے میں مالی امداد کی
 غرضت پیش کر بھی تھی۔ غالب ۲۸ ذی ہجرت ۱۸۶۵ء کے خط میں ہر گواہاں تفتہ کو لکھتے ہیں:-
 میں سری دور و دھرم ہمدانی نے نہیں آیا کیا ہوں۔ دلی اپنی تڑپ سے نہیں کھانا
 سرہارے سے ملتی ہے۔ وقت صحت میری صحت و شہر کی صحت۔ نواب صاحب از روئے صورت
 روحی مجسمہ۔ اعتباراً خاں ابرار صحت میں خیر و فیض کے تویہ ہیں۔ دشمن دفتر ذیل سے جو کچھ لکھ رہا
 ہے اس کے بننے میں دیر نہیں گئی۔ ایک لاکھ انی ہزار روپیہ سال ۵۰ غایہ محمول صاف کر دیا ایک
 ہجرت پر ساتھ ہزار لاکھ سب صاف کیا۔ اور میں ہزار روپیہ نقد دیا منشی نوکشور کی مرضی میں مونی۔ ملاحظہ
 مانی بن لیا۔ اسے منشی صاحب کے کچھ خطیہ بہ تقریب شادی صبیہ جوڑ رہا تھا۔ یہ نقد مجھ میں ملتی
 مانی تھیلے خاں بہ تقریب مسند سنی و شہر میں آئے۔ اس میں من وقت تک نہیں آئے۔
 واپسی کے بعد دلی سے تفتہ کو لکھتے ہیں:-

مجموعی سال حال ۱۸۶۵ء۔ و سنیہ ۱۲۰۵۔ نواب صاحب کی اطلاع آپ در ذیل ملاحظہ فرمادے
 مانی کیا ہو گیا۔ اینچ و سبب کے ہاں زیادہ انصاف سے ہوا۔ میں ہر محواری بہت کی۔

میں رہا ہے میں غالب۔ امر پور میں۔ تہ قاشی عینیل صاحب بدلیوی نے انہیں لکھا تھا
 کہ بریل میں نمائش ہو رہی ہے۔ تشریف لائے اور نمائش کی سیر بھی کیجئے انہیں لکھتے ہیں:-
 مسند سنی کی تنہا کے واسطے ہم ورتا۔ میں ہاں رہی۔ میں ہر کوئی اس میں چاہتا ہے

میاں دسمبر کسٹلی جاؤں گا۔ نمائش گاہ بیل کی سیرکھاں خواہش نمائش گاہ کی سیرکھاں
دنیا کہتے ہیں ناں بھڑیا۔ اب عالم بے رنگی کا مشاق ہوں۔

سمر بھڑیا | میرٹھ کے سفر کی تقریب یہ تھی کہ غدر میں دوسرے اکابر کے علاوہ مصطفیٰ خاں شیخہ بھی گرفتار
ہو گئے تھے۔ ان پر مقدمہ چلا اور سات سال قید کی سزا ہوئی۔ بعد ازاں ان کی بے گناہی ثابت
ہو گئی اور انہیں رہا کر دیا گیا۔ رانی کی خبر سن کر غالب ان سے ملنے کے لئے میرٹھ گئے تھے یہ خبر
آخر جنوری ۱۸۵۵ء میں ہوا تھا تین روز میرٹھ میں ٹھہرے اور ۲۵ جنوری ۱۸۵۵ء کو دہلی واپس
آئے۔ ہر کو پال تفتہ کو لکھتے ہیں:-

میں مصطفیٰ خاں کی ملاقات کو سیل ڈاک میرٹھ گیا تھا تین دن وہاں رہا۔ اہل وہاں سے اپنا
آج تم کو خط بھجوا دیا۔ پھر وہ دوسرے چار تفتہ ۲۶ جنوری ۱۸۵۵ء میں
پھر لکھتے ہیں:-

صاحب میرٹھ سے آکر تم کو خط لکھ چکا ہوں شدید منتہیجا ہوں اس واسطے از رو سے احتیاط لکھا ہوں
کہ وہ مصطفیٰ خاں کے لئے کو سیل ڈاک میرٹھ گیا تھا۔ اور تفتہ کے دن دہلی گیا۔ صبح ایک سنبھ
سی ۱۸ جنوری ۱۸۵۵ء

مارچ جانے کا ارادہ | غالب کے اور کسی سفر کا علم نہیں ہو سکا البتہ بعض سفروں کے ارادوں اور بعض وعظوں کا
پتہ ان کے خطوط سے چلتا ہے لیکن نظر بنانا بہ نہ یہ ارادے پورے ہوئے اور نہ غالب نے وعظوں میں مل
کیں۔ مثلاً ایک موقع پر مارہرہ کے ایک صاحب کے طریق تسنا ذکر کیا تھا کہ مارہرہ جانے اور پٹ بھر کر آم کھا
کوئی چاہتا ہے۔ صاحب عالم مارہرہ دیئے جو غالب کے بہت معتقد تھے یہ سن تو فوراً لکھا کہ بعد مارہرہ کے
اور دہلی سے روٹنگی کا دان لکھیے جواب میں فرماتے ہیں:-

حضرت کوئس راہ سے میرے آنے کا انتظار ہے میں نے مرشد ارادے کے علاوہ سب اپنا غور
نک یاکس نے آپ میری زبان کہا کہ اب روز رنگی کے تفر سے طاعی جارتے ہیں۔ اہل آپ کی
قدم دہلی اور انوار لدو کے دیدار کی آرزو سے زیادہ ہے اور یہاں تماموں کی آرزو گوئی جاؤں گا

پھر لکھتے ہیں:-

خداوند مجھے مارہرہ بلائے ہیں اور میرا قصد مجھے یاد دلانے ہیں ان دونوں میں کو دل بھی تھا اور
طاقت بھی شیخ حسن الدین گجڑم سے بطریق سنا گیا تھا کہ جی بوں چاہتا ہے کہ برسات میں مارہرہ جاؤں
اور دل کھول کر روپیٹ بھر کر تم کھاؤں۔ اب وہ دل کہاں سے لائوں اور طاقت کہاں پاؤں
کاپی کا ارادہ | نواب انو الدولہ رئیس کاپی کو لکھتے ہیں:-

میرا دل جانتا ہے کہ آپ کے دیکھنے کا جس کس قدر آرزو مند ہوں میرا ایک بھائی ماموں کا بیٹا یعنی
خواجہ علام حسین ناناں کیدان کبڑاوی کا پوتا، کہ وہ نواب ذوالفقار الدولہ کی صفی خاں کا بیٹا ہوتا تھا اور
مستثنیٰ (باندہ) حال کا تھا تھا اور وہ میرا ہمیشہ بھی تھا یعنی میں نے اپنی مانی اور اس نے اپنی بھی
وغالب کی والدہ کا ارادہ پیا تھا اور باعث ہوا میرے باندہ بونہل کٹھن نے کا جس نے سب اس سفر
کر لیا۔ ڈاک میں ڈاک سارہ سپرد سے دیا مقصد یہ تھا کہ فتح پور تک ڈاک میں جاؤں تھا۔ اس سے نوا
علی ہارن رئیس (باندہ) نے اس کی سوری میں باندہ جا کر مقصد بھر کر کاپی ہوتا ہوا آپ کے قدم رکھتا
ہوا اسپتال تک پہنچاؤں گا تا کہ حضور وہ (ابو ظفر بہادر شاہ) بیمار ہو گئے۔ مرض نے طبع لطیف
وہ ارادہ قوت سے فعل میں نہ آیا اور پھر مرزا اورنگ خاں میرا بھائی مرچیا

لے بسا آندو کہ خاک شدہ

وائے وہ سفر گرجہ بھائی کی استقامت سے قائم رہا اس محل کا آپ نے دیدار کر بھی ہوئے تھا۔
فتح آباد کا ارادہ | میرا محمد حسین خان سیکش کے نام کے ایک فارسی خط سے حکم ہوا کہ ایک تہہ نواب خیل
نواب محمد حسین خان سیکش نامہ میں سے تھے۔ محمد خان سیکش عظمت خانیہ کے آخری دور کا ایک مشہور سردار اور جلیل تھا
اس نے فتح آباد کی ریاست قائم کی تھی بعد فتح آباد کا قبضہ خود فتح میر کے، مرچا بادشاہ مستند میں نواب محمد خان کا انتقال ہوا اور
اس کا بیٹا سمرناں جاتیں ہو وہ رتی بڑا گیا اور اس کا جاقہ سلاخان میں بنایا سلام جاں کے بعد ایک اور بھائی سمرناں نے ریاست
سمٹھا لی محمد خان کے بعد اس کا بیٹا فتح جنگ منٹھیں ہو بیٹھ گیا فتح جنگ منٹھیں نے فتح جنگ منٹھیں کے بیٹے فتح جنگ منٹھیں کے
بیٹا شوکت جنگ جہدی بیٹھا وہ فتح جنگ میں خان شریک کے صاحبزادے تھے مستند مفتقات پالی جو کائنات کوئی دودھ نہ

جس کے بچے چھوٹے بھائی تحصیل ریاست دینی لیکن خدیج علی حسین ریاست کا الزام مٹا ملنے جانے کی ترہ پر جان بخشی مملکت اور دہلی

والی سرخ آباد کی دعوت پر فرخ آباد جانے کا قصد کیا تھا فرماتے ہیں :-

دیں فرزند ہنگام میر سہان سکوہ نصیر الدولہ حسین الملک محل حسین خاں بہادر شہت جٹ دہا
نشین ایالت فرخ آباد است دروہن فرخ آباد آکر دہر چند گوشہ نشینی دنا مرادی تین من
است اما پشادہ سرے کرایں والہ آباد : با من سے ورز آہنگ آں دارم کہ پاسے خوابیدہ را بہ وقتا
آرم و از دہلی بہ فرخ آباد پوچھد شہاد با خوشین برم چہ خوش باشد کہ پوزدا تا است پڑوی کہ نہ براندازہ
ارزش شاست گبلید و ہم دہیں ہفتہ بہن پوزدیدہ

ہا کہ شیر و بکس مرادستان

خاں سستہ تر از باد نو بہار بہا

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ غالب فرخ آباد گئے یا نہیں گئے لیکن بہر حال ان کا قصد ۱۸۴۶ء
سے پیشتر کا ہے۔ اس لئے کہ ۱۸۴۶ء میں نواب محل حسین خاں کا انتقال ہو چکا تھا غالب
کی ایک اردو غزل کے آخر میں محل حسین خاں کی مح میں چند اشعار بہ طور قطع موجود ہیں۔
دیا سہن حق کو بھی تارا سے نظر نہ لگے، بنا سہ پیش محل حسین خاں کے لئے
زباں پہ بار خدا یا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے مرغی باں کے لئے
نصیر الدولہ و دیں اور حسین ملٹ ملک بنا سہ چرخ بریں جس کے آستان کے لئے
زمانہ حمد میں اس کے بے خواہش نہیں گئے اور تارے اب آسمان کے لئے

نوٹ : میر سید علی خاں بہادر عرف حضرت جی کے نام کے ایک فارسی خط سے معلوم ہوتا ہے کہ
کو بہار جانے کا قصد ہی کیا تھا حضرت جی کو لکھتے ہیں کہ مجھے ولایت سے اپنے مقصد کے
متعلق آخری اطلاع ملنے کا انتظار ہے اس کے بعد۔

آخرت : یہ دہت : بہر نیازی نہایت سہرا تو سہرا : الی : یہ دہت و بہر نیازی : کہ وہ نہ کان : بہار : نہیں : ہر دم
غالب : یہ : تہ : بھی : پورا : نہ : ہوا :۔

سے نصیر الدولہ حسین الملک مست ملک محل حسین خاں کے احزانے خط تھے۔

سورت کی دعوت | غائب کی زندگی کے آخری دنوں میں نواب میر غلام بابا خاں نہیں سورت پہنچتے تھے اور کہتے تھے کہ ریل سے سفر میں خایف نہیں ہوگی۔ غائب ان کے قحاضے کے گاہک ہیں جن پر سواری ریل روانہ ہونے کی آمد دل میں آتی پازوں سے اپنا بیجاں سے ہوا، ضعف ہست، ضعف دل، ضعف دل، ضعف عمدہ اور ان سب پر ضعف طالع کیوں کر قہر سفر کردوں، تین چار شاہ روز قضا میں کس طرح بسر کروں گھنٹہ بھر میں دو بار بیٹاب کی حاجت ہوتی ہے۔ ایک ہفتہ دو ہفتہ جتنا قحاضے کے دوسرے کی شدت ہوتی ہے طاقت صبر میں حالت جان میں نہیں آتا بلکہ سورت نکاس سورت جزا مکان میں نہیں۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ریل تین چار روز میں سورت پہنچتی تھی۔ غائب کے کمالات نگارش کا یہ ایک نہایت دلچسپ کثرہ ہے کہ وہ تفصیل کے غرضم دار آدمی کے بغیر ضروری حالات کو ضمناً بیان کر جاتے ہیں۔ مثلاً اپنی فیشن کے لئے درخواست ولایت بھیجنے کے ضمن میں یہ بیان کر گئے کہ جب پہنچتے ہیں لندن پہنچتا ہے۔ اور یہاں سورت تک ریل کے سفر کی مدت بیان کر گئے۔

انہما کا ارادہ | غائب کا دسواں سہرا اور خلعت جب سرکار انگریزی سے بحال ہوئے تو ٹھنٹ گورنر پنجاب نے انہیں کہا تھا کہ گورنر جنرل انبالہ میں دربار کریں گے۔ وہاں جا کر خلعت لے لیجئے اگرچہ غائب نے اس وقت ٹھنٹ گورنر کو یہ جواب دیا تھا کہ انبالہ کہاں جاؤں گا لیکن بعد میں وہ انبالہ جانے کے تیار ہو گئے تھے اس سے قبل ان کے سیدھے ہاتھ پر ایک بھنسی غلی تھی جو پھوڑا بن گئی۔ اس کی وجہ انہیں اپنا یہ ارادہ سفر فتح کرنا پڑا۔

صاحب کو سنہ ۱۸۰۳ء و سنہ ۱۸۰۴ء میں دو جاگیریں بطور نذرانی تھیں۔ ایک فیروزپور چیمبرک اور ساگر
کی جاگیر دوسری پرانہ پانا پانا۔ بچپور اور عینہ کی جاگیر اول الذکر کا منہ و منہ پانچ ہزار روپے سالانہ اور
آخر الذکر کا منہ و منہ میں ہزار روپے سالانہ تھا یعنی دونوں جاگیروں کے لئے نواب صاحب کی پیش
روپے سالانہ سرکار۔ انگریزی کو ادا کرنے کے ذمہ دار قرار پاس تھے۔ ان جاگیرت کے باشندے
بڑے ریش اور امن تھیں تھے۔ اور ان کو طبع رکھنے کے لئے نواب صاحب کو خاص انتظامات کر
پڑتے تھے۔ لہذا لارڈ لیک ول میں خیال پیدا ہوا۔ نواب صاحب کے ساتھ کسی حد تک رعایت ہونی
چاہئے۔ سی اثنا میں نصرت ٹیک خاں کا امتحان ہوا۔ لارڈ لیک ول نے ۱۸۰۳ء کو حکومت کی طرف
سے ایک شفقہ نواب احمد بخش خاں مرحوم کے نام مجبوراً باجوہ پچیس ہزار روپے و حکومت کو ادا کرتے
ہیں۔ ان میں سے دس ہزار روپے سالانہ میزبانی نصرت ٹیک خاں کے متعلقین کو دیئے جائیں میزبان
مرحوم کے رسالے کے پچیس سو باقی رہ گئے تھے جس کا افسر خواجہ حاجی نامہ مکمل تھے۔ ان کے
مستحق انتظام کر دیا جائے اور قیام امن کے لئے حکومت سے کوئی امداد طلب نہ کی جائے ان شرطوں
پچیس ہزار روپے کی رقم صاف ہو جائے لی ورنہ جاگیر مستحقاً نواب صاحب اور ان کے ورثوں کے
پاس رہے گی یہ شفقہ حکومت کا منظور کردہ تھا۔ اور اس کا مسودہ دفتر میں موجود لیکن معلوم ہوتا
ہے کہ، جو سنہ ۱۸۰۳ء و ۱۸۰۴ء میں نواب احمد بخش خاں نے لارڈ لیک ول سے ایک و شفقہ حاصل کر لیا جس پر ضرورت
یہ تھا کہ میزبانہ ٹیک خاں کے متعلقین کو صرف پانچ ہزار روپے سالانہ دیئے جائیں۔ اور ان
متعلقین میں خواجہ حاجی بھی شامل کر لیا گیا جو حقیقتہً کسی اعتبار سے بھی میزبانہ ٹیک خاں کا رشتہ
نہ تھا اور پانچ ہزار کی تقسیم یہ قرار پائی۔

دو ہزار روپے سالانہ

پندرہ سو روپے سالانہ

پندرہ سو روپے سالانہ

خواجہ حاجی

دس ہزار روپے سالانہ نصرت ٹیک خاں

میزبانہ ٹیک خاں

بڑا دکان نصرت ٹیک خاں

بھارت کی ابتدا کیوں کر ہوئی؟ غالب سٹیشن میں صرف نو برس کے تھے جو کچھ ملتا رہا اس پر قانع رہے۔
 بس ہر شے سمجھا لیا تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنی خاندانی جائیداد کو بیچ بیچ کر گزارا کرتے رہے۔ نیز ملاکی طرف
 بھی ان کی کافی امداد ہوتی تھی۔ جب وہ دہلی آگئے تو غالب نواب احمد بخش خاں مرحوم وظیفہ مقرہ
 کے علاوہ بھی ان کی امداد کرتے رہتے تھے۔ جب نواب الہی بخش خاں کا انتقال ہو گیا، نواب احمد بخش
 نے خاندانی زمینیں اختیار کر لی۔ اور نواب شمس الدین احمد خاں فیروز پور جھڑ کے رئیس بنے۔ تو اس وقت
 مقرہ وظیفہ کے سوا کوئی ذریعہ آمد باقی نہ رہا بلکہ سر میر الدین احمد خاں کے بیان کے مطابق شمس الدین
 وہ بھی بند کر دیا تھا علاوہ بیس غالب کی بیگم صاحبہ کو تیس روپے مالانہ کا جو وظیفہ نواب احمد بخش خاں کے
 زمانے سے فیروز پور جھڑ کے سے ملتا تھا وہ بھی بند ہو گیا۔ اس حالت میں غالب کو اپنی خاندانی زمینوں
 کے سلسلے میں قانونی چارہ جوئی کی ضرورت پیش آئی۔ انہیں پانچ ہزار روپے کے اس شقہ کا غالب کوئی علم
 نہ تھا جو نواب احمد بخش خاں نے، عرجن سٹیشن کو لارڈ ایک سے حاصل کیا تھا، اور سمجھ رہے
 تھے کہ لارڈ ایک کی تجویز اور حکومت کی منظوری سے ان کے خاندان کے لئے دس ہزار روپے
 سالانہ کی جوٹیشن مقرر ہوئی تھی۔ وہی منی چاہئے۔ ۲۰ ہزار روپے سے ان کے خاندان کو صرف
 تین ہزار روپے ملتے رہے تھے۔ خواجہ حاجی چونکہ نصر اللہ بیک خاں کے حقیقی منسلکین میں شامل
 نہ تھا اس لئے اس کے دو ہزار روپے کو بھی وہ اپنی خاندانی ٹیشن کا جز نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اس
 سے ملنا ہی نہیں کہا کہ اول ان کی دس ہزار کی ٹیشن بحال ہونی چاہئے۔ دوم منی رقم نہیں ملے گی
 وہ منی سٹیشن سے لے کر کاٹا گئی چاہئے۔

سیبیوں کا جرم اس زمانے میں ان کی ماں عات بہت شہیم تھی وہ اپنی آزاد مشرہویں میں کافی ترقی
 پا چکے تھے بہت سارے پیر قرضے پکے تھے۔ یہ ٹرنڈ فرنیچر انہیں ننگ کر رہے تھے۔ دو ہزار
 طرف ان کا بھائی دیوانگی کے عارضہ میں مبتلا ہو چکا تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں:

آمار وہ دور ہی کہ درد بادہ غصے۔ من داہم سے زرد میون بادہ کاروانی ہوس گزشت دے رہا
 خواہد شد۔ تا سر از سرستی بگودہ ماراں مجوری پائے سلسلہ چلتے بگولے زعفران.....

بہادر چنانکہ رسم میں وہ گاہ مست۔ صاحب سکرٹری جہاں رسیدہ اندوہ و ہمدردی محبت صاحب سکرٹری
ساوڑاں۔ ماہان صاحب سیر و تاتیں بہ انگریزی نقل کنند۔

اس تحریر سے یہ بھی واضح ہو سکتا ہے کہ ^{۱۸۶۲ء} میں انگریز افسر معزز ہندوستانیوں کے کٹہر میں
پر ملتے تھے جب وہ ملنے کے لئے آتے تھے تو ہٹنر کا استقبال کرتے تھے۔ ان سے معاف کر کے
ست۔ ۲۔ ٹیڈو بیان دیتے تھے اور جاتے وقت چند قدم چھوڑنے کے لئے ساتھ جاتے تھے۔
نیز سکرٹری سے ملاوٹ ^۱ سٹرائیڈر، سٹرننگ جو دفتر فارسی کے سکرٹری اور پوسٹل ڈیپارٹمنٹ کے
ڈپٹی سکرٹری رہ چکے تھے۔ غالب کا عقدہ پیش ہونے کے زمانے میں جین سکرٹری تھے۔ غالب نے
ان سے بھی ملاقات کی۔ وہ بڑی اچھی فارسی جانتے تھے۔ غالب کے بیان کے مطابق سخن فہم تھے۔
بڑے حسن اخلاق سے ملے۔ غالب نے ان کی طرح میں کچھ شعر کا ایک فارسی قصیدہ کہہ دیا۔ اس کا
ایک حصہ سنایا۔ سٹرائیڈر بہت خوش ہوئے اور مدد کیا کہ پوری امداد فرمائیں گے غالب کہتے ہیں:-

اندوہ سٹرننگ۔ قوم و اہل کونسل، قطع پر لب و قوس زوئی اس مانتہ ثابت بہت چسپاں
علم و عجمی وار و کفن مائے فہم و بہانہ حسن و اسے رسم و رواج دے قصیدہ ڈیوید بنیاد بہت سنا
کردم دور از قصیدہ بختے از حال خدایتن لکھا ستر۔ ان اتفاق غیبی سے ملازمت پر، وٹش گزیدہ وایں
معنی پسندیدہ ہم واد۔ اعتبار خاکسار یہاں سے من افروزدہ عیار۔ بد و ایسا سے من کمال برآمد بارہ از قصیدہ
برخیزندم۔ مخطوط شد۔ ویکو تیار کرد و مدد یار گیری داد۔

غالب نے اسٹرائیڈر کے قصیدہ میں اپنے متعلق جو کچھ لکھا تھا وہ ہنسی کی زبان سے سن لیجئے:-

میں ہنس رہا ہوں بے توجہی میں	چلو نہ دھڑ دھڑاؤ عوی شننا خونی
کہ نیم و بہ تناسے واد مدد ام	یہ درگاہے کہ بود قیسرہ شہر ربانی
نہاں ہر جین با سمدست لیشی	نکہ یہ امر چہ نجاست کہ از کرمیانی
نہ ملک اہم و سنے مال میں قدر خرم	کہ کرد من من تجت فہم پیشانی

سند و کتب و کتاب کی سند یہاں سے تری۔ سی مسیح ۱۸۶۲ء

مراد لیت زور و شکر کی بستر
 نہ آرزوئے امیری نہ حسرتِ خانی
 زبست سالِ فوٹل شود کہے
 نفس چورشتہ ٹمٹم بہ بزمِ جدائی
 کجاست حبیب کہ چلے دو تو
 مگر جگر بہ درین دہرِ عشائی
 زبال دہر ویں روزگار بے روی
 بے عید عشرت خوشیم نمود قربانی
 سیاہ مست نہ دار ذکرِ محابا
 شمر وہ خونِ لہرِ سیتقِ ربکافی
 شمر بہ پیرِمن جاں نشاند جانگوش
 کہ شعلہ کشد از دغمانس پنهانی
 خیال چلقہ دام کشید تباہ کن
 بے بند عجز نسرد مادہ مزیر انشائی
 غریب نیست بہ در و دلم رسیدن
 نہ ملی غبی و نہ من خراسانی
 بہ داد گاہ رسیدم چنانکہ دانستم
 بہ رس بہ داد و نایاب چنانکہ دانی

کونسل کا طریق کار | اس زمانے میں عام طریقہ یہ تھا کہ جب دو تین مقدمے کونسل میں پیش ہونے کے لئے جمع ہو جاتے تھے۔ پوسٹمنٹ سکریٹری صاحب داد و خواہوں کے نام اور حالات مقدمات جیف سکریٹری صاحب کے روبرو پیش کر دیتے تھے جیف صاحب ہر مقدمے کے حالات ملاحظہ کرتے ان پر غور فرماتے جن مقدمات کو کونسل میں پیش کرنے کے قابل سمجھتے۔ کھ لیتے بقیہ مقدمات کو واپس کر دیتے۔ غالب یہ تمام حالات بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

بارے بہ ہوس شادمانم کہ داد و نامین یزیدی دہر کونسل کہ ستنی سجدہ شد تا درں بخش چہ رہے

وہو فرمان فرماں در بارہ من چہ باشد۔

دہلی میں مقدمہ پیش کرے باہم | عرضدہشت کونسل میں پیش ہوئی تو اس پر حکم صادر ہوا کہ ضابطہ کے مطابق یہ معاملہ سبک پہلے دہلی کے ریذیڈنٹ کے پاس پیش ہونا چاہئے۔ غالب نے عند پیش کیا کہ میرے پاس اتنا ساز و سامان اور تائب تو ان نہیں کہ کلکتہ سے دہلی جاؤں اور وہاں سے دوبارہ چارہ خواہی کے لئے کلکتہ آؤں اس پر کونسل نے حکم دیا کہ خود یہاں انتظار کرو اور وکیل کے ذریعہ

دہلی میں مقدمہ پیش کرنا تو غائب ہے۔

و ضد است به کمال حرارت و فروین و با گشت کردن و تقسی می است که غلظت نغز و غلظت به کمال
و به نیت بهی رسیده که گنجه که سر و پرگ قلاب و درین معاد و نم نیست فرمان یا مضم که خود این صبا باشد و کمال
و به نیت پس بهی رسیده -

اس پر غائب ہونے کا کہنا ہے اپنے ایک دوست کو لکھا۔ ایک ٹکیل کے ذریعہ سے دہلی
ریڈیو سی ایف ایف میں گزرا۔ اور تمام ضروری کائنات اپنے ٹکیل کے پاس پہنچ گئے۔
یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ دہلی میں کس شخص نے دعائے کی اور کون سے دوست یہ کام اپنے ذمے
لیا۔ اس کے بعد اس کے کبھی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو ٹکیل کرنے کے خواہاں تھے۔ ایک خط
سے پتہ چلتا ہے کہ لالہ میر لال ان کے ٹکیل تھے۔

بہشتی بہترین 'مستعد' یہ ہو چکا تھا، میں بھی پیش میں ہوا تھا کہ، ٹیڈ ورڈ کو لبرل ریزٹنٹ دہلی دورے پر روانہ ہو گئے اس وجہ سے تاخیر ہوئی۔ غائب نکلے ہیں :-

نامہ فرستادہ من رسیدہ است کہ فرمائیں پذیرفتہ دولت نامہ کہیں و ہنوز و کاش زرقہ
بہاں نیا درہ بود کہ خوشی و سرخوردن و کفر فروستہ و دل بہنجہ و دور و با نشست استوار
نیز۔ عار۔ بہت شایعین و کتب کتبہ است و بہاں نامہ بکاشے خوشیست۔

دعوتِ نبویؐ پر نیاں جہتیں کھل رہی ہیں۔ رڈ ہینکس گورنر جنرل شکار کے لئے
 ۱۰ ماہہ روانہ ہو گئے، دوسری جہت کلدہہ، سومب، برٹشی دفنوں کی ہے، تیسرا ماہ کی حضرت علیؑ کی اور وہ
 اپنے اپنے مقاصد کے لئے۔

میری ایک حد۔ خانا بیٹا ایک نئی سریشی ہدیہ کا۔ سے مراد وہ دو کواں بھوک کے، ایک
خفہ تھی۔ ملا سہ۔ یہ وہ سب اکٹھی تھیں۔ مہربانہ ہو گئی بنور سے ایک سفارشی خط منشی
تھا۔ میں۔ اس کے لئے قابل یہ تھا۔ ماریز پر کسی کبھی منشی تھا۔ یہ خط لالہ میر لال

وکیل کو بھجوا دیا تھا علی بخش غاں رنجور کو یہ تمام حالات لکھنے کے بعد فرماتے ہیں :-

وقت بہت کہ رپورٹ مقدمہ میں از محکمہ میڈیسی ڈپٹی ایل روای کی پیش کردہ شہادت ہے :-

منشی التفات حسین سرشتہ گنگو واکرون، وڈنگ آن سنگھن کے تقریباً ذکر سفارش نامہ ریل ہنری ملک

بہادر درمیان آدہ نہ تامل مدعا اشاراتی پذیر و رازش من بطلب و میر حاکم تانہ گرد۔

معلوم ہوتا ہے کہ کرنل ہنری ملک کی سفارش پر سرٹیز ورنڈ کو لبروٹ سے چھی رپورٹ اوپر

بھیجی تھی اور وہاں سے اچھا جواب حاصل کر لیا تھا لیکن جواب ڈپٹی ایل ہنری نہیں تھا کہ صاحب صرف

دفتر ریزڈنسی سے ملکہ ہوتے دوران کی جاب فرانسس ایکس رنڈینٹ مقرر ہو گئے جن کے ساتھ

والی فیروز پور جھرنے بہت گہرے تعلقات پیدا کر لئے تھے، انہوں نے از سر نو غائب کے خلاف

رپورٹ لکھی بھی۔ غالب فرماتے ہیں :-

کوں بروٹ - وسط ریل ہنری ملک برکن مران خود روٹے کو مشترکان انہوں نے پیشیدہ

مد فرمتہ وجہ سے کہ صراحتہ ترکان بنو جسٹینہ از صدر حال ناہر جنرل اس جواب دیدہ باشد کہ

کوں بروٹ مغزوں گرد و ایکس بجے کو ایک نشینہ پنجہ برہم دون ہنگہ رہا شنت - پس باشد

از بہتین رمدہ نوسید۔

غیر سفارش کی سہی | کلکتہ کے ایک دوست میزرا بولتا سمجھاں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ریل ہنری ملک

سے فرانسس ایکس کے نام علی سفارش حاصل کریں گے لیکن ریل ہنری ملک جب روستے

اور اسی بیماری میں وفات پا گئے۔

میزرا بولتا سمجھاں وعدہ وہ کیوں کر لیا ہنری ملک رادھام رنجوری برخیز و پرتشاز

دسے باہر ایکس صاحب رکت آمد و بین رسا منہ ہم دریں روزا یکے از شرکان فرنگ ہمن

گشت کہ ریل مری ملک از جہاں رخت واسے - رکا من رادیں دیارے فرما زور سر یک

سے زخم و جاں بہا کالی سے دہم مد دعا مد دعا مد و من ہی دست دتھا۔

سے روانہ ہوئی تھی۔ غالب خود فرماتے ہیں :-

ہر روز جہاں ہم از مٹی کہ چار شنبہ بود و با یاد ہم ذی قعدہ تطابق داشت پر پورٹ مقدمہ من ازیں داد و بچا
 ہر صدر و اس شد ہے ہے چہ پر پورٹ و کو مقدمہ۔ پر پورٹے چلے ہوئے نگیاں غم اندر غم پر پورٹے چلے
 حال دل بستگان در ہم پر پورٹے ختر سے خون یک جان آمد و در پورٹے فرمان ریزش آبرو۔
 غالب نے کہنس کی رپورٹ کے متعلق ایک قطعہ بھی لکھا ہے :-

ایا ستم زدہ غالب کہنس سگال ستم پیمینہ بے کینہ از شکایت داغ
 اگر بصدہ خلاف تو کردہ ہست پورٹ اگر خصم بہ قتل تو بستہ ہست جناغ
 قضا بنار خرابی ننگند و ہم زخمت نغیدہ کہ ہاں عکس غالب ہست طایف

سے چیف سکریٹری کے پاس کوشش | اینڈ ریواسٹرنگ کی جگہ جاج سنوٹن چیف سکریٹری مقرر ہو گئے۔

غالب نے ان کے پاس سفارش پہنچانے کے لئے مولوی سراج الدین احمد کو لکھا :-

بعد اگر جاج سنوٹن ہریان گرد و درختوں حق حقیقی کو شد۔ بہ کام دل رسیدن من آسان ہست۔
 گر کا خود را کار شلنے و انتہم چکندیں۔ از سرگ در بیان سے نہادہم۔

اس باب میں غالب کو ازواری بھی بہت خیال تھا مولوی سراج الدین کو جاج سنوٹن تک
 سفارش پہنچانے کی تحریک کے بعد لکھتے ہیں :-

ہر نامہ کہ من سے رسیدہ باشد۔ مدد فرمیں و بہر حال ناموں سے دریدہ و بہت و آتش آگندہ باشد۔
 مرکوشش : کار۔ لیکن تھوڑی مدت کے بعد جاج سنوٹن : اسب ولایت چلے گئے۔ غالب ایک خط
 میں اپنی ناکامی کی داستان درو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

سکات نہ مفرور نہ گرد نہ کول برآں اب مرگ ناگاہ نہ میر و مگر سترنگت ہوایت نہ و مگر جاج
 سنوٹن و در مدد سے حال کیا نہ باشد مگر مدد و در خواہ کنوں مسحت رہیں سے ہم کہ ازیں
 دار قطع نظر نہ و کاست نامہ میں کہ روشنی نہ شد صاحب ہست باز نہ اند و از ہم در نہ بگزید
 اللہ ہی اسو امیں۔

یہ غالب کے مقدمہ نگار کے وہ حالات ہیں جو ان کے اپنے سکاڑے کے ماخوذ ہیں۔

غالب کے دورے کی بنا پر عرض کیا جا چکا ہے کہ غالب حکومت کے اس شفق کی بنا پر دس ہزار روپے سالانہ کے طلبگار تھے۔ جو لاڈلیک کی تجویز کے مطابق میرزا نصر اللہ بیگ خاں کے انتقال کے بعد کے متعلقین کی پرورش کے سلسلے میں نواب احمد بخش خاں کے نام پر مہتمم شدہ کو جاری ہوا تھا۔ نواب احمد بخش خاں مرحوم لاڈلیک کے مرجون شدہ کے شفق پر عمل پیرا تھے جس کے مطابق ان پر صرف پانچ ہزار روپے سالانہ واجب تھے اور ان پانچ ہزار میں سے دو ہزار خواجہ عابدی کے لئے تھے دوسرے تین ہزار نصر اللہ بیگ کے متعلقین یعنی والدہ بمبشیر خان اور برادرزادگان کے لئے مقرر تھے۔ غالب کو اس آخری شفق کی سختی نثار تھا۔ ورنہ یہ واقعہ ہے کہ اس کا کوئی مسودہ سرکاری رجسٹر میں موجود نہ تھا۔ نہ اس کی نسبت یہ دعویٰ کیا جاسکتا تھا کہ وہ مہتمم شدہ اس شفق کی حق حکومت کی منظوری سے صادر ہوا تھا اس لئے اسے مہتمم شدہ اس شفق اور تہذیبی کا نام سن نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔ غالب کے دعوے کی حقیقی بنا یہی تھی۔

خواجہ حالی کا بیان | خواجہ حالی فرماتے ہیں :-

اسٹریٹنگ صاحب سکریٹری گورنمنٹ ہند نے لکھا تھا: تمہاری سرور قلم کو ملے گا۔

بک صاحب جس وقت دہلی میں ریڈنٹ تھے انہوں نے دہلی ہی میں میرزا غالب سے ملے۔

ریڈنٹ گئے ہوا تو گھر آیا تھا۔ ان امیدوں کے دھگے میں وہ پورے دو برس ٹھکتا رہا۔

پتو ناگہی کے سوا کچھ نہ ہو۔ گورنمنٹ سے سرکارانہ حکم توڑ بیسی سے جولا۔ ذہب کے سارٹری بن گئے۔

تھے۔ اور انہیں کے دو ہزار گائیکوں اور بیسیوں کی سندیں ان کو ملی تھیں۔ ان کے سامنے لی

بابت استفسار کیا انہوں نے جواب کے دعوے کو غلط بتایا۔ جس پر انہیں ہر در سے مایوس

بانی غمی میں نکل گئے کیفیت جو زمانہ کے دعوے کے بالکل برخلاف تھی گورنمنٹ میں پہنچی۔

لیکن میری رائے میں خواجہ مرحوم کی یہ تحریر بعض غلط فہمیوں پر مبنی ہے۔ اینڈرو اسٹریٹنگ

کا وعدہ امداد بالکل درست ہے لیکن یہ دعویٰ صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ کوئی بروٹس ٹکٹ نہ ملے۔

اوست باز داوند بہ مدی چراغ گفتہ کہ ز سندانہاں را باید سجد و دیگر باید خود تہ

غائب کا دوسرے ستر ہو گیا | اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پانچ ہزار والا شق والی فیروز پورے مقدمہ کے آغاز میں پیش نہیں کیا تھا بلکہ مقدمہ کے آخری دو میں پیش کیا تھا۔ چنانچہ سنوٹن کے ایکٹ سے جو نیندنی کے پڑانے ریگاڑوں میں موجود ہے۔ اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ سر جان سکیم کی تصدیق کے بعد پانچ ہزار والا شق کی صورت کے منکر نہیں تھے تاہم ان کی رائے یہ تھی کہ اس شق سے حکومت کے منظرہ شق کی تفسیر نہیں ہو سکتی۔ لیکن پانچ ہزار والا شق ہی صحیح سمجھا گیا اور غائب کا دعوے ستر ہو گیا۔ غائب بدل پر اس دستوراد سے جو اثر پڑا اس کا اندازہ ذیل کے الفاظ سے ہو سکتا ہے۔

کارمن ۔ داد گاہ دہلی چنانکہ دانستہ باسد باہی گزیہ۔ عایا ہنوں رم کہ اثر مرکب من دمہ دہزل
(گھٹکتے) ہم دور دل ہاں زمرہ ذریعہ سر جان بود و مایاں ویر برود بکریا نمہ بہا مات کر
معاشر من میں پنج ہزار روپیہ سالانہ ہم میں تفریق اندو سے دفتر سرکار نہ سادہ رومان اس راستہ
نما گوید ثابت شدہ و بر پایت کہ مساحتان صدر مرا از پیش۔ اندو سے گفتہ سے کہ ہزارہ مخروشی
آپہ تو باز یافت و انمودہ یافتی اس فزوں تر نیست۔ فرمان و نیز ہاں سب ماجرہ دیوہ ہر
گرہیں کشور بانہ سے و بایک قیدیہ کہ غور تیان و برادر من من اندہ بہ نیزہ بر خستے و بہ بل ہری
نام پادرو سے ۔

۱
گور زہزل کے پاس پہل | لیکن غائب اس پر خاموش نہیں رہے۔ انہوں نے پھر براہ راست گور زہزل کے پاس چل کر دی۔ وہ اس سلسلے میں دوبارہ گھٹکتے جانے کے آرزو مند تھے لیکن زاوراہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس زمانے میں انہوں نے شاہ اودھ کی حج میں ایک قصبہ بھیجا تھا جس کے صلہ کے متوقع تھے۔ اور اس صلہ کو سفر خرچ کے طور پر بھٹوں کرنا چاہتے تھے وہ منشی محمد حسن کے نام کے خط میں شاہ اودھ کے قصبہ کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں :-

بوکہ موابہ ہارہ باد خوانی و صلہ حج گسری ایں مایہ سالان فرزا یہ کہ خود۔ گرد و وہ بگھٹکتے ز
برو۔ و کا جسے تو انم کرد وقت از دست سے دو دو ہنگامہ کارے گزرو۔

دو یا تین روز قبل ایک مصیبت نامہ کے روسے انہوں نے اپنی بڑی سگیم کے مہر میں ان کے نام کروائیے تھے۔ نواب صاحب کے ذمے مختلف ساہوکاروں کے قرضے بھی تھے۔ ان کی ریاست سے جن لوگوں کو پیشین ملتی تھیں ان کے بقائے بھی واجب الادا تھے۔ نواب کی سگیم صاحب نے یہ درخواست پیش کر دی تھی کہ ریاست نواب کی صاحبزادیوں احمد النساء سگیم اور شمس النساء سگیم کے نام منتقل کی جائے۔ ویل یہ دی کہ ریاست نواب احمد بخش خاں کو ہتھوڑا ملی تھی۔ نواب شمس الدین احمد خاں کے کسی ذاتی فعل کی بنا پر ان کی اولاد کو آبائی ریاست سے محروم کرنا خلاف انصاف ہے۔

غالب کی تازہ درخواست | اس زمانے میں ہٹی کا علاقہ آگرہ والہ آباد کی بغشت گورنری سے متعلق تھا غالب نے بھی اس موقع پر اپنے پرانے سلاہات کے متعلق ایک مفصل درخواست مرتب کر کے بغشت گورنر آگرہ والہ آباد کے پاس بھیج دی۔ یہ درخواست دہلی ڈیپوٹنسی کے پرانے ریکارڈوں میں موجود ہے۔ اصل درخواست انگریزی زبان میں ہے۔ آخر میں غالب کی مہر ثبت ہے۔ اور مہر کے پاس غالب کے دستخط ہیں۔ یہ درخواست ۳۰ جون ۱۸۵۳ء کو معنی نواب شمس الدین احمد خاں کی گرفتاری سے قریباً دو ماہ بعد بھیجی گئی تھی۔ اس میں غالب نے ۱۸ جون ۱۸۵۳ء کے شفق پر جو غالب کے دعوے کے ہتھوڑا کی بنا متعلق بحث کی ہے۔ ان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے :-

(۱) کوئی پردہ، شفق جاری نہیں ہو سکتا جس کا مسودہ ریکارڈ میں موجود نہ ہو۔ لہذا لارڈ ایک کا شفق

دلی فیروزہ پر کھڑے کسی طرف سے پیش ہوا وہ چلی ہے اس لئے کہ اس کا کوئی مسودہ سرکاری خزینہ میں نہیں

(۲) اصل شفق میں گورنر جنرل کے نام کے ساتھ نواب کا خط موجود ہے اور یہ عام سرکاری دستور کے

غالب کے ہندوستان سے ایسے شخص کا لکھا ہوا ہے جو قواعد و مقررات سے ناواقف تھا۔

(۳) اس شفق میں خدام عالی کو میرزا نصر اللہ سنگ خاں کے بل خاندان میں شامل کیا گیا ہے حالانکہ

خواب حاجی اس خاندان کا فرد تھا اور نہ اس خاندان میں اس کی شادی ہوئی تھی۔

(۴) اصل شفق میں پنج سزا دیوید کا ذکر ہے۔ یہمیں یہ تصریح نہیں کی گئی کہ آیا یہ پنج سزا کی رقم پچیس ہزار

کی اس رقم کے علاوہ ہوئی تو نواب احمد بخش خاں کے ذمے لگائی گئی تھی یا اس رقم میں بھی

یہ سزاں تھیں کہ ایک اور چوک چوون سنگ خاں سے سندھوستان آئے تھے ان کے بیٹے محمد اکبر سنگ کی شادی غالب کی حقیقی بہن بھی سے ہوئی تھی۔ اور چوون سنگ کی بیٹی کا تعلق خواجہ حاجی سے ہو گیا تھا (۵) خط ہرودیا چار غزبات و حسی صفحہ ۳۴

دالی فیروزپور کے قسے واجب الادا تھی۔

اس وقت تک نواب شمس الدین احمد خاں کے مقدمے کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اور ان کی ریاست اگرچہ سرکار انگریزی کی تحویل میں تھی لیکن فیصلی کے آخری احکام صادر نہیں ہوئے تھے۔ غائب نے اپنی درخواست میں لکھا کہ اس باب میں تین صورتیں پیش آسکتی ہیں۔ اول یہ کہ ریاست نواب شمس الدین احمد خاں کو یا ان کے وارثوں کو واپس مل جائے۔ اس صورت میں پچیس ہزار سالانہ کی مقررہ رقم حکومت کو ملے یعنی چاہئے جس میں سے دس ہزار روپے سالانہ مجھے وغالب کو ملیں اور پندرہ ہزار روپے سرکار انگریزی کے خزانے میں جمع ہوں۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ریاست کو حکومت خود سمبھال لے اور نواب کے متعلقین کا گزارہ مقرر کرے۔ اس صورت میں بھی دس ہزار مجھے وغالب کو ملنے چاہئیں اور پندرہ ہزار روپے حکومت خود رکھے تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ حکومت ریاست کو سمبھال لے اور نواب کے متعلقین کو گزارہ بھی نہ دے اس صورت میں بھی دس ہزار مجھے ملنے چاہئیں اور نوابہ عاجی کے وظیفہ کو ہر حال میں ختم کر دینا چاہئے۔

اس درخواست کے آخر میں غائب نے اپنے قلم سے پانچ ہزار والا وہ فارسی شفق نقل کر دیا، جو دالی فیروزپور جہرہ کے جواب دعوے کی بنا رہا تھا۔

مقدمہ از سر نو دلی میں اس درخواست کے جواب میں لفٹنٹ گورنر نے حکم دیا کہ ٹی بی شکاف ریزڈنٹ اس کے متعلق رپورٹ پیش کریں۔ غائب کو اس حکم کا علم ہوا تو انہوں نے پھر ۱۹ دسمبر ۱۸۳۵ء کو ایک درخواست لفٹنٹ گورنر کے پاس بھیجی جس میں لکھا کہ شکاف صاحب کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ عملہ سے تمام مقدمات کا خلاصہ تیار کرتے ہیں اور ان خلاصوں کی بنا پر اپنی رائیں لکھتے ہیں۔ عملہ دے رشوت کے عادی ہیں۔ میرے پاس چبیس نہیں ہیں۔ اس سے میں نہیں خوش نہیں کر سکتا۔ ان حالات میں میرے باب میں بخش خلاصہ مقدمہ ترکیہ نہ کیا جاسکے۔ بلکہ اصل کا غنڈا دیکھے جائیں۔

غائب کو جوشن مل رہی تھی اس میں سے بھی کچھ رقم واجب الادا تھی۔ لہذا انہوں نے تیسری درخواست پیش کر دی کہ اول نواب فیروزپور کا جو ڈھائی لاکھ روپہ سرکاری ہے اس میں دو لاکھ

تین ہزار روپیہ سلسلہ بقایا دیا جائے اور تین ہزار روپے جویشن کے بقایا میں ہیں وہ ادا کئے جائیں
جزوی بقائے کا معاملہ الگ چلتا رہا لیکن اصل دعوے کے جواب میں لفٹ گورنر کا حکم آیا کہ مقدمہ
سوپریم کورٹ میں پیش ہو چکا ہے۔ اس لئے لفٹ گورنر اس کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کر سکتا
سارے کاغذات گورنر جنرل کے پاس بھیجے جائیں۔

گورنر جنرل کے پاس ۲۲ مارچ ۱۸۳۶ء کو غائب لارڈ آکلینڈ کے پاس دو درخواستیں بھیجیں۔
ان میں اپنے مقدمے کی روداد تحریر کر دی۔ نیز لکھا کہ سکریٹری اور ریڈیٹ نے میرا مقدمہ خراب
کر دیا اور میرے ساتھ صریح بے انصافی کی۔ آپ خود انگریزی انصاف کے اصول پر میرے مقدمے کا
فیصلہ کریں تمام ضروری کاغذات سرکاری دفتر میں موجود ہیں۔ اگر دہلی کے حکام یہ بے مطالبات کے
سلسلے میں ثبوت پیدا کریں تو میں انہیں دور کر سکتا ہوں، مگر درخواستوں میں سے ایک پر غائب
اپنے قلم سے حکومت کا وہ فارسی شدہ لفظ نقل کر دیا تھا جو لارڈ ایک کی تجویز اور حکومت کی منظور
کے مطابق نصراً شہید خاں کے متعلقین کے لئے دس ہزار روپیہ سالانہ کے حکم پر چل تھا۔ ان درخواستوں
کی رسید کی استدعا بھی کی تھی۔

بقیہ حالات مقدمہ اس کے بعد غائب کی تحریرات سے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکتے۔ وہ موریس علی
خاں بہادر کو ایک فارسی مکتوب میں لکھتے ہیں کہ لارڈ آکلینڈ کے عہد میں سچائی برسرے کا رونا آئی۔ وہ
دشمن کا یہ بھوکا لارڈ آکلینڈ کے ہندوستان آنے تک زمانے کے حالات بدل کئے۔ وہ اپنی
فیروز پور کو چھانسی کی سڑال تھی۔ ان کی ریاست سرکار انگریزی کے قبضے میں آئی۔ میں نے سرکار
انگریزی کو مدعا علیہ اور کورٹ آف ڈائریکٹرز کو حج قرار دیا اور مقدمہ ولایت بھیجا لارڈ آکلینڈ کا زمانہ
ختم ہو گیا۔ لندن سے مجھے کوئی خبر نہ ملی۔ لارڈ آکلینڈ برائے گورنر جنرل بنے تو میں نے اپنی مشاورت کی ہستان
ان کے سامنے پیش کی۔ اور ایک انگریزی عہدہ داشت ملک و کنویرج کے نام لکھ کر درخواست کی کہ اسے لندن
بھیج دیا جائے۔ اس کا جواب چیف سکریٹری صاحب نے ادا کر کے مقام سے بھیجا کہ مقدمہ داشت دوسرے
کاغذات کے ہمراہ ولایت بھیج دی جائے گی۔

میر سید علی خاں صاحب نے ۱۸۴۷ء میں ایک نئی کتاب میں لکھتے ہیں کہ مدت تک فرمانداران
ملکت کی فہم میں یہی کتاب تھی۔ اب دو سال سے میر تقی میر اور رستم گیارہواں ہے۔

اور اس کے ایک مکتوب میں قادیانہ غلام خاں خاں خیر کو لکھتے ہیں:-

۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

دو بار دہائی کے واسطے چوتھوں میں ۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

مذہب کے واسطے دو چوتھوں میں ۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے
قبل پہنچتے ہوئے یہی کتاب ۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے
۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے
۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے
۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے
۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے
۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے
۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے
۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے
۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے
۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے
۱۸۴۷ء میں میر تقی میر نے ایک نئی کتاب میں لکھا ہے کہ اس قصیدے کے

غائب کا مقدمہ ان کے پاس پیش ہوا تھا۔ ایک قطعہ ویسٹ مین ٹن کی تعریف میں ہے ورنٹ
 سے ۱۸۳۳ء تک گورنر جنرل کے پرائیویٹ سکرٹری ۱۸۳۳ء سے ۱۸۳۶ء تک یونیون کی پار
 کے سکرٹری تھے جس میں ٹامس جو بعد ازاں صوبیات متحدہ آگرہ و اودھ کے لفٹنٹ گورنر مقرر ہو
 اور جن کی تعریف میں ایک قطعہ اور ایک قصیدہ موجود ہے وہ ۱۸۳۳ء سے ۱۸۳۶ء تک گور
 کے سکرٹری اور ۱۸۳۶ء سے ۱۸۴۳ء تک فارن سکرٹری تھے۔ چارلس ٹکاف صاحب جن
 کی طرح میں ایک قصیدہ موجود ہے ۱۸۴۳ء سے ۱۸۴۶ء تک سوپریم کونسل کے ممبر تھے۔
 پرنس صاحب جن کی طرح میں ایک قصیدہ موجود ہے ۱۸۴۶ء میں چیف سکرٹری تھے اور
 ۱۸۴۶ء سے ۱۸۴۹ء تک سوپریم کونسل کے ممبر رہے۔ ٹامس، ڈاک صاحب جن کی طرح
 میں ایک قصیدہ موجود ہے۔ گورنٹ کے سکرٹری تھے بعد ازاں ڈپٹی گورنر بن گئے۔
 ٹامس صاحب جن کی طرح میں ایک قصیدہ موجود ہے۔ لارڈ آکلینڈ کے پرائیویٹ سکرٹری تھے
 بعد ازاں صوبیات متحدہ کے لفٹنٹ گورنر بنے۔ ایڈمنٹن صاحب جن کی طرح میں ایک قطعہ اور
 ایک قصیدہ موجود ہے۔ گورنٹ کے فارن سکرٹری تھے۔ گورنر جنرل کی طرح کا سلسلہ بھی
 پٹن ہی کے ضمن میں شروع ہوا تھا۔ لارڈ ویسٹ مین کے زمانے میں مین کا مقابلاً پٹن کی
 طرح میں یا ان پٹن کے گورنر جنرل کی طرح میں کوئی قصیدہ موجود نہیں صرف ایک قطعہ لارڈ ویسٹ مین کے دور وادی کے
 متعلق موجود ہے۔ اس کے بعد گورنر جنرل کی طرح میں ایک ایک قصیدہ موجود ہے۔ لارڈ مین برائی کی طرح میں قصیدے
 غائب حکومت ہند کے مختلف عہدیداروں اور گورنر جنرل کے قصیدوں کا یہ قطعہ اس
 سلسلے میں مین کے مقدمہ کے متعلق یا اپنی ذات کے متعلق جو کچھ کھانا من سب معلوم ہوتا ہے کہ
 بھی یہاں پیش کر دیا جائے۔

مینٹن صاحب | سیکناٹن کے قطعہ میں لکھتے ہیں :-

باچیس بجھے کہ سن ارمیج دارم کہ سن	خوشیتن راتحق لطف و احساں دیدہ ام
دہم ستولیت برکن دیں چا بنود کہ سن	خود پڑوسیدی زگر و شہاے دوران دیدہ ام

یک دوپیشش دارم و از لعل گوہر بار تو آرزو رتشنہ کام پاسخ آن دیدہ ام
 سر زبیں شگاف | چارلس شگاف کے قصیدے میں فرماتے ہیں :-

یا د باد آ کہ میں مرحلہ تکلمتہ کہ دو ام طے بہ امید تورہ دور و دراز
 گرنہ اندیشہ بہ عدل تو قوی دل کشے ناقہ سعی من از راہ نہ گردیدے باز
 نالہ زای من از شدت جور شرکاست نہ دیوانگی و خسرو کی دشوخی و آرز
 بر رخ من دیرینے کے کشاید و اور حیف باشد کہ آئندہ خصم بہ اندیش فراز
 ہفت سال بہت کہ بایک گراؤ نختیم من غاصب چہ سرشتہ شمع و دم کا ز
 اوز خوشنود کی خوشیں در انداز غضب من زیبارگی خوشیں بہ آداب نیام

.....

خود تو دانی کہ از میں مخمور رستن ہواں جز بہ تائید تو اسے خسرو درویش نواز
 ہو کہ اندازہ در آید بہ درستی ز جلال ہو کہ اندیشہ گراید چہ حقیقت ز مجاز
 طاقتم نیست بنحاک کف یاسے تو تم زانکہ غم حوصلہ سوز بہت و بلا ز ہرہ گداز
 چوں چہ رخ رو بہ دم بہ گزر گاہ فنا وادرازد و در ترانہ ہر چہ بہ عالم پرداز

یہ ایک مطالبات | ہفت سال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ غالب ۱۸۵۳ء میں لکھا گیا تھا اس
 میں اپنے مطالبات کے متعلق کہتے ہیں :-

چنچ مطلب ز تو ام بہت و بصد گوئیید خواہم آں پنج علی العزسم خسرو و غما
 اولین است کہ در باب شے کہ مرآت کنی اندیشہ کم بہ طریق ایجاز
 ہر چہ در دفتر سرکار بود نقش پذیر ہم بہ اندازہ آں نقش شوی ماندہ سنا
 تو مہ آں کز اثر مدلی تو اسے سنجہ مد غیر باندہ دیریں وجہ نباشد انباز
 سوم آں بہت کہ دیکر لکھنم بہت طلب بیش نر نہ ہیوات بدریوزہ وراز
 ہم گنجینہ سرکار برائے خدوم و نصف آں یا فنگی اذن جواز

چارم آن است کہ باقی ز چندین سالہ بے نزع جہل و جدہ بین گرد و باز
 پنجم آن کہ پس ایں فتح کہ باید روستے وہی ام مژدہ اکرام و نوید اسناد
 بخشی ام تازہ خطابے و بر ل افزائی غلغلے در خور ایں دولت جاوید طراز
 غالب کی قادیان کلامی کے کمالات کا یہ عجیب کرشمہ ہے کہ وہ نہایت خشک مطالب
 کو بے تکلفی کے ساتھ شعروں میں لکھتے جاتے ہیں اور شعریت میں بال برابر فرق نہیں آنے دیتے
 اور کہے اشعار میں ملاحظہ فرمائیے کہ اپنے پنج مطالبات کس خوبی سے نظم کئے ہیں کہ اول مجھے
 پیش سرکار کی منظوری کے مطابق ہے۔ دوم میری پیش دوسرے متعلقین سے علیحدہ کر دی جائے۔
 سوم مجھے والی فیروز پور جگر کے روبرو دست طلب و راز نہ کرنا پڑے بلکہ پیش سرکاری خزانہ سے
 متعلق ہو جائے۔ چارم پتہ نار و پیہا تک وصول نہیں ہو اور وہ ل جاتے پنجم مجھے نیا خطاب
 اور خلعت دیا جائے۔

مقدمہات ہارنہ | جس زمانے میں مقدمہ ولایت جاری تھا اس میں ایک سوست ہند کے کسی کو بھگت

بہ صدے رو دایں باز پرس بسیم نقد ہمیں مراد کن است خبریں مراد نمیت
 تو کردی و تو کنی کارم اقتقادین است بہ کار سازی بخت خود اعتقاد نمیت
 رسیدے و ہاتے تو سودے سرعجز بضاعت سفر و سنگاہ زاد نمیت
 سفید مطلب من بہر تہا ہے کہ بود تو جمع کن کہ بسا زانیانہ یاد نمیت
 امید لطف تو دل سے دہ بدیں شادم و گرد تاب صبور ی ازیں زیاد نمیت
 بہ ذوق مسترب زمان مراد ہے تاہم و گرد شورش بیل در ناماد نمیت
 نہ نیم روز بہ لندن رساندے زورق دے چہ چارہ کہ فراں آب بام نمیت

لا رزہ بھینڈا | لا رزہ آکلینڈ کے قیدی میں لکھتے ہیں ہے

از تو رسیدم بہ نوش ورنہ بھیم سرہا سر کہ ز صہب چشید زہر ز شکر گرفت
 از تو توانا شد م ورنہ مراد روزا چارہ زبے بگی صورت اتر گرفت

خوابت دل اور خیال زخمِ گہرِ بختن از پیے آن بختیار ز تن لاشِ گرفت

.....

بمزدِ مہرِ خوشِ خشکِ نو و نشتن مسہر و گمراہِ نشتِ مژدہ گرفت
باتوچِ گویم ز جو کایہ دازِ انصاف تو غافلِ مہرِ سوختِ ستمِ برگرفت
آخری شعر میں نواب شمس الدین خاں کی پانسی اور ریاست فیروزپور جمہور کی قبضگی کی طرف اشارہ ہے۔

.....

.....

.....

.....

.....

آں ہا دو خوش بود کہ شمشاد بجز در
 انجا مدخا پیش سداقتاں بد
 میر خیال ہے کہ غالب کی فقہ دی و مالی حالت کی تخریب میں اس پیش کے مقدمہ کا بڑا
 حصہ تھا۔ انہوں نے اس پر کافی روپیہ صرف کیا۔ اور مدت مدید تک انہیں یہ توقع ملی یہی کہ فیہ دین کے
 حق میں ہو جائے گا۔ اس بنا پر وہ بد مختلف قرض لیتے رہے اور انہیں قرض دین رہا۔ ایک وقت
 میں انہیں یہ اُمید ہو گئی تھی کہ وہ لا آئین ہنر و پر یہ یک شست مل جائے گا اور تخی ثری رقم کے
 یک شست مل جائے گی اُمید پر غالب کو قرض کا بڑے سے بڑا بوجھ اٹھانے میں بھی بہت مال ہو گیا
 و سو و خوار و بزرگ سے بھی کوئی مگر عاقبت نامدیش سامی کو زیادہ سے زیادہ دین و بے چین رہا
 کی کہن سی رہتی رہا۔ غالب شش رست سے بستہ تک اس نہ رہا۔ کچھ رست۔
 و شمن میں نہ تھا اسے طلب ہو۔ رقی کوٹ پیدا ہوئی۔ رست سے رست نہ جاے
 ساش و غنت۔ سائیت سے زبان نہ دے۔ سائے پیش کرتی رہی۔ یہ دوسری کن مناظر
 ان وقت سر پر رہا۔ سب سب میں مہات کی سب سب پیش طے ہوئی تھیں اور نہ خوشاں کا
 سودا بالکل سامنے آ گیا تھا۔



ساقاواں باب

ابتلا راسیری

چرخ یک مرد گر انما یہ بہ زنداں خاں بد
یوسف از قید زنجار بد آمد گوی

۱۲۶۴ھ مطابق ۱۸۴۷ء میں غالب پراسیری کی ابتلا نازل ہوئی مجھے غالب کی شائع شدہ تصانیف میں اس واقعہ کے متعلق کوئی سواد نہیں مل سکا۔ خواجہ حالی مرحوم فرماتے ہیں کہ غالب نے ایک فارسی خط میں اس واقعہ کو اختصاراً لکھا ہے۔ میری نظر سے یہ خط نہیں گزرا۔ خواجہ مرحوم نے اس خط کا جو اقتباس "یادگار میں" دیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالب کو چوسر اور شطرنج کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ چوسر جب کھیلتے تھے پرانے نام کچھ بازی بد کر کھیلتے تھے۔ کو تو ال دشمن تھا۔ اس نے قمار بازی کا مقدمہ بنا دیا۔ مجسٹریٹ غالب کی حیثیت، مرتبہ اور ذاتی حالات سے ناواقف تھا۔ اس نے چھ ماہ کی قید کی سزا دی۔ پیش جج میں اپل کیا گیا۔ جج اٹریچ غالب کا دوست تھا۔ اور اکثر صحبتوں میں بے تکلف ملتا تھا۔ لیکن اس نے بھی تنافل اختیار کیا۔ اور سزائے قید بحال رکھی۔ صدر میں اپل کیا گیا۔ لیکن وہاں بھی کوئی شنوائی نہ ہوئی تین ماہ کے انقضائے بعد مجسٹریٹ نے خود ہی رٹائی کی رپورٹ صدر میں بھیج دی۔ اور غالب تین ماہ کے بعد رہ گئے۔ خواجہ حالی فرماتے ہیں کہ قید میں ان کی حیثیت محض نظر بند کی تھی۔ نہ بد اور نہ بری ضروریات ان کو گھر سے پہنچتی تھیں۔ دوست ان سے بلا تکلف ملتے تھے۔ لیکن اس زمانے کے حالات اور نوعیت جرم کے اعتبار سے یہ واقعہ غالب کی نظروں میں سخت ذلت خیز تھا۔ اور اسے انہوں نے بے حد محسوس کیا۔ خواجہ حالی کے بیان کے مطابق وہ خود فرماتے ہیں :-

اگرچہ میں اس وجہ سے کہ ہر کام کو خدا کی طرف سے بکھتا ہوں، اور خدا سے بڑا نہیں جا سکتا جو کچھ نذر ا
 اس کے ننگے آواز اور جو کچھ گزرنے والے ہیں اس پر اپنی ہوں۔ مگر آواز و گزرتا میں جو دیت کے خلاف نہیں
 میری یہ آواز سے کہ اب دنیا میں نہ رہوں 'اور'۔ میں تو ہندوستان میں نہ رہوں میرے 'پر' نہ ہے
 بندہ ہے۔ یہ بھی جانتے دو خود کعبہ آوازوں کی جانے پناہ اور ت نہ رہے معافیں دلوں کی تکیہ تھا
 دیکھتے وہ وقت کب آئے گا کہ وہ اندھی کی قید سے جو اس گزری تکیہ سے زیادہ یا نذر سہا نجات پاؤں
 اور بغیر اس کے کوئی منزل مقصود قرار دوں سر پر محفل بادوں۔

اور دوسرے مسئلے میں تفتہ کے نام ایک خط ہے جس پر اور کبیر سنگھ کی تاریخ ثبت ہے۔ اس
 میں یہ الفاظ بھی ہیں :-

سرکار انگریزی میں بڑا پایہ رتھا تھا۔ جس زادوں میں نک جاتا۔ ق۔ بر۔ ص۔ پ۔ ق۔ ق۔ ب۔ ب۔ م۔ پ۔ گ۔
 ہوں اور ایک بہت بڑا دھبہ لگ گیا ہے۔

شاید ان الفاظ میں بھی قید ہی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

دہلی میں قمار بازی کی جا | خواجه حسن نظامی نے دہلی کا آخری سانس کے نام سے حسن الاخبار کے
 ان فارسی مضامین کا ترجمہ شائع کیا ہے جو دہلی یا دربار شاہی کے حالات پر مشتمل تھے۔ یہ کتاب نو مبر
 سے لے کر پانچ سو اسی تک حالات دہلی کا ایک نہایت عمدہ موقع ہے۔ اس کے سوا دوسرے
 معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں حکام کی توجہ قمار بازی کے انسداد کی طرف بطور خاص مبذول
 تھی۔ شاید اس لئے کہ یہ وبا بہت پھیل گئی تھی مثلاً ۲۰ جون ۱۸۴۳ء کے حالات میں مرقوم ہے :
 کو نال شہر کے سوا دوسروں کو قمار بازی کے جرم میں گرفتار کرتے مالک کے سامنے پیش کیا تو دوسروں کو تھپتھپ
 کی قید اور پکاس روپے مرانہ دینے کا حکم دیا جس کی قید دیکھیں۔ دوسے حوالہ درود دوسروں کے پاس
 کی قید چارہ ہے مرانہ کی سزا کا حکم بنایا گیا۔ اور مرانہ دوانہ کرنے کی صورت میں حکم ہو۔ جسے کوئی نہ
 میں بیڑیاں ڈال کر شہر کوں کی تعمیر و دہشتی کا کام لیا جائے۔

۱۸۴۵ء کا رخاں ص ۲۸ و ۲۹ دہلی کا مری سرسٹن صفحہ ۱۰۰۔

نصاب سے کہ ان حالت میں قنداری کا راسخ نہ ہو سب بھی حکمرانی نظروں میں بہت
شکین جرم میں نہ کیا ہوگا۔

نائب کے نائب عدہ۔ اس کتاب میں نصاب بن قنداری اور مقدمہ کا ذکر سب سے پہلی مرتبہ ۲۵ جون ۱۸۳۷ء
کے حالات میں آیا ہے تحریر یہ ہے:-

مرزا سید احمد خاں بہادر و قنداری کی غلطیوں کی بنا پر عدالت کے سامنے قنداری کے جرم میں قنداری
سفرہ دورہ، ریزیدنٹ، سید احمد خاں قنداری کی حرکت کے بغیر نہیں کہ سارے بارو باجائے
یہ سب بن شہر میں سے ہیں۔ یہ جو کچھ ہو ہے محض ماسدوں کی فتنہ پروری کا نتیجہ ہے۔ عدالت قنداری
سے وہ سب کچھ بہادر و قنداری کے جواب دینا مقدمہ سے بہرہ ور ہے یہی پاس
میں قانون سفارش کرنے کی عادت نہیں دیتا۔

اس سے نصاب بن قنداری کہ نصاب ۲ جون ۱۸۳۷ء کو اس سے چند روز قبل گرفتار ہوئے
بہادر شاہ بادشاہ اور ان کے درباریوں کی رائے بنی تھی کہ یہ قنداری قنداری ماسدوں کی فتنہ پروری
سے مل میں آئی ہے ماسدوں اب قنداری کے قریب نہیں ہوئے۔ اس نصاب ریزیدنٹ کے سفارشی چلی
لکھی گئی لیکن ریزیدنٹ نے جواب میں یہ لکھا کہ مقدمہ عدالت میں چاہا ہے۔ اور اس حالت میں
قانون قبول سفارش کی اجازت نہیں دیتا۔

۲ جون ۱۸۳۷ء کے حالات میں چند نصاب کے اس مقدمے کا ذکر آیا ہے۔ تحریر یہ ہے:-

مرزا سید احمد خاں ماسد عدالت قنداری میں قنداری کے جواب میں کہ سارے ماسدوں کو بہادر
ماسد، قنداری کی قید یا مشقت اور دوسروں کے حملے کی بنا پر گرفتار کیا گیا ہے۔ اور
کچھ قنداری میں وہ قنداری کے جواب میں کہ سارے ماسدوں کو بہادر و قنداری کے قنداری
و قنداری کے جواب میں کہ سارے ماسدوں کو بہادر و قنداری کے قنداری کے جواب میں کہ سارے ماسدوں کو بہادر
میں سارے ماسدوں کو بہادر و قنداری کے جواب میں کہ سارے ماسدوں کو بہادر و قنداری کے جواب میں کہ سارے ماسدوں کو بہادر

مصیبت کا بداشت کرنا مراد ماحب کی طاقت سے باہر ہے۔ بلکہ طاقت کا اندیشہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ کریشن منجی مدرسہ میں اپیل کی جاتے۔ اور اس مقدمہ پر غنائی ہو نہ صرف یہ سزا موقوف ہو گیا بلکہ بدانت فوجاری سے مقدمہ تھا یہاں بلتے یہ باب عدل و انصاف کے پائل بلوف ہے کہ ایسے بالکاس رئیس کو جس کی عزت و جہت کا وہ بدبو وٹوں کے دلوں پر بیچا ہو اسے ہماری جرم میں کسی سرحد کی جس سے عمان جاسے کا قوی احتمال ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غالب کو چار ماہ قید با مشقت کے علاوہ دو سو روپے جرمانے کی سزا بھی دی گئی تھی اور یہ صورت عدم ادائے جرمانہ مزید چھ ماہ کی قید کا حکم بنا گیا تھا البتہ یہ کہ کیا یہاں تک کہ وہ یکپاس روپے کی رقم دے کر مشقت معاف کرا سکتے ہیں

۱) غالب کا آخری مقدمہ حسن الاخبار کے ایڈیٹر یا اس کے نامہ نگار کا مقدمہ ہے۔ اس کا تاہم ہوتا ہے۔ غالب کی صحت اس زمانے میں بھی نہ تھی۔ اور وہ پرہیزی غذا کھاتے تھے۔

۲) عام خیال تھا کہ سزا بہت سخت دی گئی ہے۔

۳) وہ بڑے باکمال رئیس سمجھے جاتے تھے جن کی عزت و جہت کا وہ بدبو وٹوں کے دلوں پر بیچا ہو تھا۔

۴) اندیشہ تھا کہ وہ اسیر کی تاب نہ لائیں گے۔

مبادی خیال ہے کہ مشقت یکپاس روپے دے کر معاف کر لی ہوگی اور دو سو روپہ جرمانہ بھی

تھا۔ اور وہ

غالب کا مصیبت اتنی ہی حالت میں غائب ہو چکا تھا کہ اس کی شہرہ گہری تھی کہ یہاں تک کہ اس کی موت

انٹیموں میں سے ہے لیکن غالب کے عزیزوں اور دوستوں نے اسے کلمات نظر میں شامل نہ ہونے

دیا۔ غالب اس خیال سے کہ اس شخص کی رعایت سے غالب کی قید و آگاہی کے لئے مسخری و

آجائے گا۔ انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ اس کی زندگی میں شعر و فن سے کیا کوس کے حالات اس

جس کی یا برائی سے رہا۔ ست کوئی واسطہ نہیں ہوتا بلکہ محض اس تیر سے وسط ہوتا ہے کہ مختلف

سخت دلی کا تھی۔ جس سیرے و دے۔

واقعہ نے اس کے ساز سخن میں سے کون کون سے ترانے پیدا کئے۔ غالب کے دوستوں اور عزیزوں کی غلط اندیشی پر محب ہوتا ہے کہ انہوں نے قید کے واقعہ کو چھپانے کے اہتمام میں غالب کی ایک بہترین نظم کو سناٹ کرنا ہند کیا۔ کلیات نظم فارسی کے چھپ جانے کے بعد غالب نے ”سید“ کے نام سے اپنے بعد کے کلام کا جو مختصر مجموعہ شائع کیا تھا اس میں یہ ترکیب بند بھی شامل کر دیا تھا۔ افسوس کہ ”سید“ پر لا کلام کلیات کے بعد کے ایڈیشنوں میں شامل نہ ہو سکا اور اب ”سید“ بے حد کیا ہے۔ اس ترکیب بند کو تمام ادب کرتا ہوں شاید اس طرح یہ زیادہ محفوظ ہو جائے اور اب بابِ قید اس سے مستفیض ہو سکیں۔

قیدی حالت | خواجہ عالی مرحوم کا جو بیان اوپر درج ہو چکا ہے اس میں صاف مرحوم سب کو قیدی غالب کی حیثیت محض نظر بند کی تھی۔ کھانا۔ کپڑا اور دوسری ضروریات ان کو گھر سے منجھتی تھیں۔ دوست ان سے بلا تکلف ملتے تھے۔ عام قرائن بھی اسی بیان کے موید ہیں لیکن خود غالب نے جہت میں لکھا ہے کہ

شادم از قید کہ از بند معاش آزادم

از کف شکنہ رسد بامد و نامم در بند

میری رائے میں یہ سنسنی کثری ہے۔ افکار واقعہ نہیں ہے۔

غالب کے غیر مطبوعہ اردو کلام کے سلسلے میں مختلف اصحاب نے یہ شعر بھی نقل کیا ہے کہ

جس دن سے کہ ہم خستہ گرفتار ہیں

نہروں میں جو ہیں بخت کے ناکوں کو ہیں

جناب نقی جلیونی اس شعر کی شان نزول کے باب میں فرماتے ہیں کہ غالب اتفاقاً قید ہو گئے

تھے۔ وہاں کہڑوں میں جو ہیں جو کسی تھیں۔ ان کو چن رہے تھے کہ ایک ریس نے جا کر پش مزاج کی۔

غالب نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا

مجھے اس بات سے بحث نہیں کہ یہ شعر غالب کا ہے یا نہیں لیکن اس کی شان نزول کو درست تسلیم کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ "حسن الانباء" کے بیان سے ظاہر ہے کہ پچاس روپے ادا کرے پر مشقت معاف ہو جائے گا مگر حاصل تھا۔ اور یہ امر قرین قیاس نہیں کہ اس نے یہ ان کے دوستوں نے فوراً پچاس روپے ادا نہ کر دیے ہوں اور مشقت معاف نہ کر لی ہو۔ مگر غالب بہت بزرگ رہتے تھے۔ جسے کہ خود پادشاہ وقت نے ان کی رہائی کی سفارش کی تھی پہلے یہ صورت قابل تہین نہیں کہ ان کی سزا کی سختی اس حد تک پہنچ گئی ہو کہ انہیں اپنے کیزوں میں سے جو میں چھنے کی ضرورت پیش آتی۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس ابتدا میں نواب نے انہیں بہادری شیفہ سے عانت، غمخواری اور دوستی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رہا تھا۔ اسی وجہ سے غالب نے نواب صاحب مرہار کا خاص طور پر ذکر کیا بلکہ یہ بھی لکھ دیا کہ ایسا غمخوار دوست دادو ری کے لئے موجود ہوتا مرنے کا بھی غم نہیں۔ تیز علیہ الفطر قید میں گزری تھی اور اگرچہ وہ کمی مدت جیل میں پوری ہوئی تو سزا کی بھی قیدی میں آتی۔

آخر میں میں صبیحہ پر سنا۔ سب کو ختم کر دیوں سے

خواہم از بسد بندگان سخن آغازم	غم دل پر دہوی کرد فغان ساز کنم
بہ نوائے کز مضرب چکاندنو نساب	خوشی تن را بہ سخن زمرہ پر داز کنم
در خرابی بہ جان سیکدہ بنیاد کنم	در اسیری بہ سخن دعویٰ اعجاز کنم
بے شکست نبود قید، چشمہ آویزم	روز کے چند رسن تابی آواز کنم
چوں سراپم سخن بھسنت ز مجرم خواہم	چوں نویسم غزل اندیشہ ز غماز کنم
ناید افسوں بہ خود از مصیبت سین و دہم	ناید نول در سبکداز مسرت پر داز کنم
یار ویرینہ تسدہ بر بچہ منفر ما کا بنیا	ہیں نہ آنجہ کہ تو در کوہی و سن باز کنم
ہاے ناسازی طالع کہ بہ سن گرد باز	با خرد شکوہ گرا از طالع ناساز کنم
اہل زندان بہ سر و چشم خود مر جاودہ اند	تا بدیں صد نشینی چہ تسدہ نہاز کنم
بندہ زندان کہ تار و نایست بہنہ	خوشی سن را بہ شما بہم دہم ہماز کنم

نرم مقامم: ایں دائرہ درخشان
در سخن پیروی شیوہ ایجب ز کرم
گرچه توقیع گرفتاری جادویدم نیست
لیکن از دہر و گزشت دلی امیدم نیست

شمع ہر چند بہ مسر زادیہ آساں سوزد
خوشتر آن است کہ بر نفع دریاواں سوزد
مردن ہر زہ سوزید و اگر خوشی است
بگزارید کہ در مجسمہ ساطاں سوزد
خانہ ام ز آتش بیداد و عہد سوخت و یغ
سوغن داشت ز شمع کہ شبتاں سوزد
منم آن خستہ کہ گز خسم جگر نبایم
برمن ز مہر دل گیسو و مسلمان سوزد
منم آن قریں کہ گرسوئے من آید لیکن
عمل از شعلہ آواز جسدی خواں سوزد
تا چہ نام گزرد و ریز بہ شبہا در یاب
از چہ غم گیسو بر دور زنداں سوزد
تنم از بند و را بنود قیساں لرد
دلہم از درد و ہر امد و اسیراں شود
ادغم دیدہ من فستہ طوفاں خیزد
از تفت نالہ من چہ کبریاں سوزد
آہ زیں خانہ کہ روشن نشود و در شب تار
جزیداں خواب کہ وہ چشم نگہباں سوزد
آہ زیں خانہ کہ دروئے تو اں یافت ہوا
جز سوئے کہ خس و خاربیاں سوزد

اے کہ در زادیہ شبہا چہ غم شمری

دلہم از سینہ بول آہ کہ دغم شمری

پاسبانان ہم آئید کہ من سے آیم
ہر کہ دیدے بہ در خویش سپاسم گھنٹے
جادو نشناسم و زادیہ شہ سے ترسم
جادو نشناسم و زادیہ شہ سے ترسم
رہر و باد سپاسم و رشتی گھنٹے
خستہ تن در رہ و تغذیب ضرور ہست اینجا
عارض خاک بہ پاشیدن خون تازہ کیند
دور زنداں بخشاید کہ من سے آیم
خیر مقصد ہم بہ سزائید کہ من سے آیم
داہم از دور نامید کہ من سے آیم
سخت گیرندہ چہ آئید کہ من سے آیم
فلک آید و بہ سزائید کہ من سے آیم
رونی خانہ فرزند کہ من سے آیم

چوں من آیم به شام کو گدویش رود است زیر پس از نماند که من سے آیم
 اں عزیزاں کہ دریں کلبه اقامت دارند بخت خود را به ستاید که من سے آیم
 تا به دروازه زنداں سپئے آوردن من قدمی نه به نماند که من سے آیم
 چوں سخن سخن فرزانگی آئین من است بهره از من بهر بایند که من سے آیم
 بخود از شوق به بالید که خود باز روید به من از سر گرداید که من سے آیم

بسکه خوشیاں شدہ بیگانہ زندہ نای من

غیر شکست خورد گر غم ناکای من

آنچه نبرد است ہم امر و زور آمد گونی آفتاب از جہت قبلہ برآمد گونی
 دل درستی کہ مرا بود و ماند زکا شب روزیکہ مرا بود و سر آمد گونی
 سرگزشتہ ہمہ رنج و الم آمد گونی سر تو شتم ہمہ خوف و خطر آمد گونی
 بهره اہل جہاں چوں ز جہاں دور غم است بهره من ز جہاں بیشتر آمد گونی
 خشن و بدست من مدد منیت بود بر من اینما از قضا و قدر آمد گونی
 منہم ہمتوں کرد چہ خشن و خندان تنگی غار و مدد سے منہم آمد گونی
 غم دل داشتہ اینک غم جانم دادند زخم را زخم دگر بر اثر آمد گونی
 چرخ یک مرد گر نمای بہ زنداں خواہد یوسف از قید زینجا بد آمد گونی
 مژہ امشب ز کجاییں کہ خوناب آورد یں چنین گرم ز زخم چکیر آمد گونی
 خود چہ اخوں خورم از غم کہ بہ غمخواری من رحمت حق بہ لباس بشر آمد گونی
 خواجہ بہت دریں شہر کہاد پر شمشیر دست پایہ خویش شتم در شہر آمد گونی

مصطفیٰ تعالیٰ کہ دریں واقعہ غمخواری من است

گر بہ میرم چہ غم از مرگ غمخواری من است

خواجه دانه که بے روزنه دانه در بند
 یک دانی که شب و روز دانه در بند
 نه پسندم که کس آید نتوانم که روم
 جانب و زبچه حسرت نگر دانه در بند
 خسته ام خسته من و دعوی تمکین حاشا
 بند سخت است پسیدن نتوانم در بند
 شادم از بند که اینست چشاش آیدم
 از کف شعله رسد جامه و نانه در بند
 آید و جامه بیارید و جل نبویسید
 یاسب ای گوهر معنی که نشانه زکیاست
 بر کس از بند گران ناله و ناکس گزینم
 خوشی بر مصیبت زده بخ و گریه است
 رفته در باره من حکم که با در و درین
 اگر این است خود آن است که عید منخی
 مدت قید اگر در نظر هم هست چرا
 خون دل از مرد بے صدف چکانم در بند

نیستم شغل که در بند دانی باشم

هم ز دوق است که در سلسله غالی باشم

من نه آنم که ازین سلسله تنگم نبود
 چه کنم چون به قضا زهره جنگم نبود
 زین دوزنگ آمده صد رنگ خالی نبود
 محاکمیت که از سخت دوزنگم نبود
 راز دانه دانه و سوانی جاوید بلاست
 بهر آزار غم از قید منم غم نبود
 لرزم از خوف دین حجره زخمت گل است
 دهنه و دل خطر از کام منم گم نبود
 زین دوزنگ که پویند هم سترسم
 نیس از شیر و هراس زین گم نبود
 منم آینه دایم عاقله رنگ هست ولی
 تاب بدنامی آتش زنگم نبود
 آه از آنم که سر ایند زندان آمد
 اندرین دایره گیرم که درنگم نبود
 بعد ماں دارم میسر دانی در بند
 دامن از بعد دانی تیر سنگم نبود

جور اعدا و داندل به رانی بسکن طعن اجباب کم از زخم فدا کنم نبود
 حاش شده که درین سلسله باشم خوشنود چه کنم چون سر این رشته بچشم نگم نبود
 پسر ز غلم خویش دوستی من
 اندرین بندگراں من و سبک دستی من

همه ماں در دلم از دیده نهانید همه غالب غم زده را روح دوانید همه
 شاه کج که در پیش دشت طایید همه نه لشکر که باشوکت شایید همه
 هم در آئین نظر سحر طس ازید همه هم در تسلیم سخن شاه نشایید همه
 چشم بد دور که فرخنده نقایید همه شاد باشید که نسخ گمراید همه
 سود بینا و دلفا دیده و نورید همه زنده مانید صفا قالب جانید همه
 من بخون خفته و بینم همه بنیید همه من جگر خسته و دانه همه بنیید همه
 در میان ضابطه سر و وفای بود است من بر نیم که بر آید بر آید همه
 روزی از نه گفتید فلاتی چون است بارے از لطف بگوئید چنانید همه
 گریه باشم به جاں خا و خسته کم گیرید ای که سر و دامن بلغ جانید همه
 چاره گزینان کرد و عاصی کافی است دل اگر نیست خداوند زبانیید همه
 هفت بند است که در بند رقم ساختیم بنویسید و ببیند و بخوانید همه

آن نه باشم که به هر زم زم یاد آید
 دارم امید که در زم سخن یاد آید

اٹھواں باب

مالی حالات، مدح گوئی اور صلیبیانی

گفتنی نیست کہ بر غالب ناکام چہ رفت
مے تو ال گفت کہ ایں بندہ خداوند نیست

غالب کی زندگی مالی مشکلات کے جس عجز اور پریشان حالی دور ماندگی کے جس الم زاریوں گزری
اس کا صحیح نقشہ اوپر کا شعر پیش کر رہا ہے۔ اسی مضمون کو وہ اردو میں یوں لکھتے ہیں :-

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

وہ بڑے خوشحال اور دولت مند گھرانے میں پیدا ہوئے تھے باپ اور چچا کا سا یہ کیسی ہی ہیں
ان کے سر سے اٹھ لیا تھا۔ وہ فطرتاً ہی بانی تھے نتیجہ یہ نکلا کہ ثروت کی سیستیموں و نفاق، بھالی کی سرخوشیوں
اور بے پروائیوں نے انہیں نہ درجہ سرف اور غیرت بنا دیا جب دولت و ثروت کے جمع شدہ ذخائر
ختم ہوئے تو وہ اپنی روش کو بدسننے کے بجائے اپنے بڑے ہوتے مصارف کے لئے بلا تکلف قرض
لیئے لگے اس کا انجام یہ ہوا کہ اسراف ان کی فطرت کا جزو بن گیا۔ شراب کی عادت ایسی پڑی کہ
آخری دم تک نہ چھوٹی۔ ان کی ذاتی آمدنی کے وسائل بہت محدود تھے لیکن جمع شدہ دولت نے
ابتداء میں ان کی فطرت کی طرف سبوتاژ کرنے کی دولت نہ دی جب وہ تنگ ہوئے تو قرض پوری نہ ملنے
کی جانب خیال منتقل ہوا۔ اور انہوں نے مقدمہ کا سلسلہ جاری کیا جو ۱۸۷۲ء سے شروع ہو کر غالب
تک جاری رہا اس کے دوران میں انہیں مسلسل یہ امید لگی رہی کہ روپیہ تبدیل جاسکے گا۔ اسی ضمن میں حکومت
عکشیہ کی طرف سے نئے ضلع کی توقع پیدا ہو گئی جس میں وہ خدرا تک اُنچھے رہے۔ یہ مراحل مختلف توقات

کی بنا پر دو قرض لیتے رہے۔ اور اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ سود میں ضائع کرتے رہے۔ دوسری عیسیت یہ پیدا ہوئی کہ ان کے روزگار میں کشائش کے بجائے وسیع سامنے آتے رہے۔ یہ تو ان میں کامیابی ہوئی یا اگر کامیابی ہوئی تو وہ وسیع زیادہ ویرانہ نہ رہ سکے اس لئے اپنی زندگی کے متعلق مناسب نظریہ میں روشنی اور امید کی کوئی جھلک باقی نہیں رہی تھی۔

یاس کی تیری | صاحبِ عالم، بروہی کے نام ایک خط میں انہوں نے اپنے مختلف وسائل کا حال لکھا ہے۔ خاندانی فیشن اور اس کے مقدمے کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

بعد ایک زمانے کے پادشاہِ دہلی نے پچاس روپے مہینہ مقرر کیا۔ اس کے بعد مدت چار سو روپے سال دی وہ اس قدر کے دو برس بعد مرنے لگا۔ بعد ازاں بادشاہ کی سرکار سے چار سو روپے مہینہ پانچ سو روپے سال مقرر ہوئے وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ جئے یعنی گرجہ بکاس جیتے ہیں مگر جاتی ہیں۔ اور نہ ہی سلطنت وہی برس میں مرنے والی کی سلطنت کچھ سخت حال میں مانت رہی تو وہی دسے کر گزری۔ ایسے حال میں مرنے والے دو برس میں وہی دسے کر گزری۔ ایسے حال میں مرنے والے دو برس میں وہی دسے کر گزری۔ ایسے حال میں مرنے والے دو برس میں وہی دسے کر گزری۔

خاتب کی کہ غیبی | خاتب کی تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ذہنی طور پر اپنے لئے ہر اس مقام پر کوشش کی جہاں سے انہیں کامیابی کی کچھ بھی امید نہ لانی تھی۔ انہوں نے اپنے لوگوں کے قصیدے لکھے جو اگرچہ دریاں ریاست تھے یا بڑے بڑے سرکاری عہدے دار تھے، مگر خاتب جیسے نادار روزگار شاعر کے فکر و خیال کے لئے صحیح اور موزون موضوع نہ تھے۔ یہ سب کچھ صحیح ثابت سبیر محمود اکبر، ہمایون شاہ جہان اور خاتب ناں جیسے لوگ تھے، لیکن سمجھوروں کی پادشاہی اور قدونی کا یہ زمین دور خاتب کے بہت پہلے گزر چکا تھا۔ خاتب ناں اور ذوالفقار خاں کی جگہ آغا محمد امین براہ مارونگ و کینڈہار کے لی تھی۔ اور خاتب کو اپنی احتیاجات کی تسلیل کے لئے انہی کا کرنا پڑا۔

لیکن ان فرومایہ چشموں سے ان کی پیاس کیا بجھ سکتی تھی۔ وہ زندگانی میں جس سکون اور ضروریات سے جس فراغ کے طلبگار تھے۔ وہ میسر نہ آیا۔ ان کے رہوار فکرنے اپنے عہد کے تقریباً ہر قابل ذکر میدان میں مدت بہ مرتب و دو کی لیکن ان کا مقصد پورا نہ ہوا۔ انہوں نے اپنے زمانے کی شناسائی پایہ نادانی اور مرتبہ ناہنجی کے متعلق جو درد انگیز خیالات جا بجا ظاہر کئے ہیں۔ ان کو محض شاعرانہ تخیل قرار نہیں دینا چاہئے بلکہ وہ واقعات میں حقائق ہیں۔ روزگار کی ستم پوشگی اور جفا آرائی اس بڑھ کر دیا ہوگی۔ کہ جو شخص قصاید میں عرفی کا ہم پایہ اور تنزل میں نظیری کا ہم پایہ تھا۔ جو مثنوی میں فارسی کے بہترین مثنوی نگاروں سے ٹکرا جاتا تھا۔ جو رباعیات میں عمر خیام اور سحابی اسرار آبادی سے کم نہ تھا اور شعر میں افضل اور محمود کی بہتر تھا۔ اسے تہہ برس کی عمر میں ایک خانخاناں اور ایک اکبر بھی نہ ملا۔ غلیہ سلطنت نے ذوق کو خفاق فی ہند بنا دیا۔ اور ان کے لئے ایک معقول تنخواہ اور جاگیر مقرر کر دی لیکن غالب کو وہ سلطنت صرف پچاس روپیے ماہوار دے سکی اور وہ بھی تین سو تھوڑی کی تنخواہ تھی جس سے زیادہ قیمت آج غالب کا ایک غیہ مطبوعہ اور دو خط پاسکتا ہے۔ اور جس سے چار گنا قیمت پر ہمارے زمانے میں غالب کے اردو دیوان کے ایک مصور ایڈیشن کا ایک ایک نسخہ بک چکا ہے۔

مشہورست کہ عرفی نے خانخاناں کی طرح میں ترستھ شعر کا قصیدہ لکھا تھا جس کا مطلع یہ تھا

اے داشتہ در سایہ ہم تیغ و قلم را

وے ساختہ آرایش ہم فضل و کرم را

در یاد دل اور قد رشکس خانخاناں نے ترستھ ہزار روپیہ دیا۔ غالب نے اسی زمین میں وزیرالدولہ

بہادر علی ٹونک کی حق میں اترتھ شعر کا قصیدہ لکھا جو عرفی کے قصیدے سے کسی حالت میں

جی کم پایہ نہیں زمین غالب کو ٹونک سے غالباً نہتہ سو روپیے بھی نہ ملے مشہورست کہ ناصر علی

سرہندی نے دو افسانہ رنماں کی خدمت میں سات شعر کی ایک مدحیہ غزل پیش کی تھی جس کا پہلا

شعر یہ تھا

سہ شان حیدری زمین تو آشکار

نام تو در بستر دکنہ کار ذوالفقار

ذوالفقار خاں نے صرف مطلع سن کر ناصر علی کو روک دیا اور کہا کہ مجھ میں مزید شہر یہ صیغہ

کی بہت نہیں، ناصر علی کو جو کچھ ملا وہیں فقر میں پانٹ دیا اور اپنی غزل کا سٹ پڑھ کر صیغہ کیا ست

ناصر علی تراز تو خواہم را دوس

اسے ابر نسب جن بر ہمہ عالم گسر بہار

غالب نے اس زمین میں راجہ شیو دھیان سنگھ والی لورن میں چالیس شعر کا قصیدہ لکھا

پور کی ریاست کی خدمت میں غالب کے والد نے اپنی جان قربان کی تھی، اور راجہ شیو دھیان سنگھ

غالب کے قدروان بھی تھے، لیکن لون کہہ سکتا ہے کہ لورن غالب کو اس کامیوں حدیہ بھی ملتا تھا

ذوالفقار خاں نے ایک شعر کے صلہ میں ناصر علی کو دسے ڈال دیا، ناصر علی نے اس فقرہ میں بانٹتے

ہوئے گھر چلے آیا لیکن غالب کی زبان کا یہ جواب سے شعر سن کر سو کر سدا

نہ بخشدہ شامت بہار مردہ

کہ تپیل انجابر اکیڑے

یہ بہر حال غالب کی مالی مشکلات کی داستان بڑی تھی وہ اپنے سب اور خاں صاحب سے

ہذاک دل اور ہذاک دین شاہ عریض مشرکت میں جو تباہی ہوئی اس کی تلخ حیرت آتی

کون کر سکتا ہے۔

دہلی کی ابتدائی زندگی غالب جب دہلی میں آئے ہیں تو اس وقت ان کی مالی حالت خراب تھی

فقیر، خاندانی فیشن کے علاوہ جی اوسر و دست زبیر مل جاتا تھا، لیکن عہدہ سب سے لڑو

زمانے میں بھی قرض لیتے تھے، نواب عبدالعزیز احمد خاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ

بھائی! امین الدین احمد خاں کی دوا سے کہنا صاحب وہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ

سے قرض نہ لے، اور عہدہ بھی مل کر جاتا تھا، اور جو بھائی نہیں سمجھتی تھی مرنے والی تھی

اس کی مقدار سات سو پچاس روپے سالہ پاساڑتے باسٹھ روپے ماہانہ تھی۔ یہ فنیشن مئی ۱۸۵۶ء سے لے کر مئی ۱۸۶۲ء تک بند رہی تھی۔ اس لئے کہ اسی سلسلہ کو غدر شروع ہو گیا تھا۔ اور دہلی میں انگریزی حکومت کا کوئی ادارہ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ ستمبر میں غدر کا نام نہ ہو گیا۔ تو غائب پر باغیوں کی مانت اور چوپڑی کا رامنہ مایہ ہو گیا تھا۔ یقین برس کے بعد وہ اس الزام سے ہر ثابت ہوئے تو جمع شدہ روپیہ ایک مشت میں لے گیا۔ یہ غلو میں ہو سکا کہ غالب کی وفات کے بعد ان کی سلیم صاحبہ کو بھی اس فنیشن میں سے گزارے کے لئے کچھ بتا دیا نہیں۔

قلندری ملازمت | شاہ دہلی نے شیخ نصیر الدین عرف کسے میاں کی سفارش پر سلسلہ میں غالب کے تیموری خاندانی کی تاریخ لکھنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور پھر لدولہ دبیر ملک تھا کہ جب تک خطابات کے علاوہ خلعت اور بیس روپے ماہانہ تنخواہ مقرر کی تھی۔ یہ ذرا غریبوں سلسلہ سے لے کر آخر اپریل ۱۸۵۶ء تک مانتی رہی کہ حسن احمد خاں جت و گھمنی سوان پر رہے۔ وہ حالات سمجھ کر غائب کے حوالے کر دیتے تھے۔ اور غائب ان حالات کو اپنی بہادر ذہن شہزادہ جہاد بہنا دیتے تھے۔ غالباً ۱۸۵۳ء تک تاریخ کا یہ حصہ جو بدست آفرینش سے لے کر ہماہوں پادشہ کی وفات تک کے حالات پرتل تھا مکمل ہوا۔ اس کا نام نہ نمبر دیا گیا۔ دوسرے حصے میں اکبر کی تخت نشینی سے لے کر بہادر شاہ ثانی تک کے حالات مدون کر کے کیے تھے۔ اس کا نام غالب نے ”آہ نیم ماہ“ رکھا تھا۔ لیکن اس حصے کو وہ ابھی شروع بھی نہیں کر سکے تھے۔ غدر کی شہنشاہی ہو گئی جس کی وجہ سے تیموری خاندان کا رخت وجود ہی راکھ بن کر رہ گیا۔

غدر ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو ہوا۔ اس سے میرزا خیال سے کہ قعد سے غالب کو دوا آخری خود ایصال ہوئی ہوگی وہ اپریل ۱۸۵۷ء کی موتی ہو گیا اس سلسلے میں غائب کو کل یا سبزیک و بچاس روپے ملے۔

ملازمت سے پیشتر کاغذی | خواجہ حالی فرماتے ہیں کہ ملازمت سے قبل بھی غالب قلعہ میں آئے جاتے تھے مختلف تقریبات پر بادشاہ کی خدمت میں قصیدے گزرا سکتے تھے۔ اور خلعت پاتے تھے خواجہ

مرحوم کے اس ارشاد کی تائید غالب کی تعلیمات سے بھی ہوتی ہے کلیات میں ایک قصیدہ اکبر شاہ ثانی کی مدح میں ہے جن کا انتقال ۱۳۳۸ء میں یعنی قلعہ کے ساتھ دارست کا تعلق پیدا ہونے سے تیرہ برس قبل ہوا۔ بادشاہ ثانی کی مدح میں غالب کے فارسی کلام میں دو مثنویاں، ایک ترکیبہ و ریندرہ قصیدے میں، نیز دو میں دو قصیدے اور چند چھوٹے بڑے قصیدے ہیں۔ ان کے یہی ثابت ہوتا ہے کہ قلعہ کے ساتھ غالب کا تعلق یازست سے پہلے بھی قائم تھا۔ لیکن یہ عرض کرنا سہل ہے کہ ان قصاید کے صاف میں کیا کچھ ملتا رہا اور غفلت کی حیثیت کیا ہوتی تھی۔

شیش ماہ خواہ کا حکم [قلعہ دہلی تنخواہ میں غالب کے لئے صرف ایک تہہ ناگوار صورت حالات پیدا ہوئی تھی یعنی یہ کام ہو گیا تھا کہ ملازمین قلعہ کو ماہ بہ ماہ تنخواہ ملنے کے بجائے چھ ماہ کی اکٹھی تنخواہ ملا کر غالب کی پوری زندگی مختلف النوع مالی احتیاجات میں بسر ہو رہی تھی۔ وہ اپنے کسی ذریعہ آمد میں ایک لمحہ کا توقف بھی بدہشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے انہیں ششماہی والا حکم "شش ماہی" دیا گیا۔ انہوں نے حکم سے سختی سے جانے کے متعلق اردو میں ایک قطعہ لکھ کر بادشاہ کی بارگاہ میں گزارا جس میں اپنی ضروریات و مشکلات کو نہایت موثر انداز میں بیان کیا فرمایا ہے

مری تنخواہ جو مقرر ہے اس کے ملنے کا ہر عجب تہی

رسم دہانے کی چھ ماہی

مخ کو دیکھو کہ مون قید تہا

بسیا بیتوں پر مذہب تہا

میری تنخواہ میں تسانی کا

ہو گیا ہے شریک سامو کا

آخر میں لکھتے ہیں

مری تہہ کیجئے ماہ ماہ

تہہ ہر چھ کو زندگی دشوار

اس پر غالب کے لئے ماہ بہ ماہ تنخواہ کا حکم جاری ہو گیا بادشاہ کی طرف سے پچاس روپے

ماہانہ کے علاوہ شہزادہ فتح الملک کی طرف سے بھی چار سو روپے سالانہ تنخواہ ملتی تھی لیکن شہزادہ کی وفات

کے بعد یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ خود غالب فرماتے ہیں کہ وہ اس فتوح سے دو برس سے زیادہ متفق اندو
نہ ہو سکے۔

رام پور کا وظیفہ غالب کی زندگی کے آخری دس برس میں نہیں رام پور سے سو روپے ماہانہ مستقل طور
پر ملتے رہے۔ نواب یوسف علی خاں ناظم فرما کر دوسے رام پور اپنی صاحبزادی کے زمانے میں
تعلیم کے لئے دہلی آئے تھے تو غالب کے ساتھ نہایت گہرے دوستانہ روابط پیدا ہو گئے تھے۔
دوستی صدر الدین آذر قدہ سے عربی اور غالب سے فارسی پڑھتے تھے۔ اغلب کے کہ اس صاحب علی کے
زمانے میں بھی غالب کے کچھ سلوک کرتے رہے ہوں۔ اس لئے کہ غالب عام منہم دہریہ تھے
انہوں نے کوئی درس گاہ جاری کر رکھی تھی۔ اور نہ میرزا دوں کا یہ دستور تھا کہ کسی سے پڑھیں
اور اس کے ساتھ سلوک نہ کریں۔ میں نواب صاحب اردو شاہری میں غالب کے شاگرد
ہوں۔ ان کے لئے ناظم تخلص تجویز کیا گیا۔ غالب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد محض کے بعد
وہ وقتاً فوقتاً کچھ روپے بھیجتے رہتے تھے۔ فرماتے ہیں :-

شہادت میں نواب یوسف علی خاں ببار دین رام پور کے پیشانیہ قدیم میں میرے شاگرد ہوں
ناظم ن کو تخلص دیا گیا میں کہیں غریب اردو کی بھیجتے ہیں اسلحہ دے کر بھیج دیتا۔ گاہ گاہ کچھ
روپیہ ادھر سے آتا رہتا قلعہ کی خواہ جاری۔ انگریزی فیشن کھاتا ہوں ان کے عطا یا بھی نواب
عطا یا، شمع مٹنے جاتے تھے۔ جب یہ دونوں تھوڑے جاتی ہیں تو زندگی کا مدار ان کے عطیہ پر ہے۔

مستقل تنخواہ کا حق بہ اندر کے بعد جب تعدد کی تنخواہ جاتی رہی۔ اور خاندانی فیشن بند ہو گئی تو غالب
نے ایک فارسی قصیدہ نواب یوسف علی خاں کے پاس بھیجا جس میں گہرے دوستانہ روابط کا ذکر
کرتے ہوئے نواب صاحب کے تغافل کا شکوہ کیا تھا۔ بہت بہت مقام کے لحاظ سے اس قصیدہ
کے چند اشعار بہاں و برج کئے جاتے ہیں :-

چوں نیست مرا شربت آبے ز تو حاصل دانم کہ تو دریائی و من سبزہ حاصل

۱۵ اردوئے نعلیہ صغیرہ ۱۱۱

در باد یہ بر گور غم سرباں زچہ سوز
آن شمع فسر و زان کہ بود ویر زجفل
زان خسرو خواب چہ در حشیم و فدا بود
صد حیف کہ شد نقش امیدم بمطل
افسانہ غم گریہ سرانغم بنو عیب
بادوست کہ یوستہ ہے بر غم انزل
مے گویم و ہدم ندم طعنہ کہ تن زن
چوں مے خرد واد از سر باد چہ حال

یارب چہ شد اینک کہ نکیر خمیر از من
بر بستہ بہ رویم و در سال رسال

چون است کہ کاس کئی روئے ہیں سوئے
چون است کہ بہ گزند ہی گد یہ رسال
کہ جاں دگر ز غم نہ دانی کہ بہ گیتی
حرف غلط از صفحہ ہستی شدہ زائل
خواہی کہ مرا بس گری از دور بہ فرات
تماز تو آرنہ کیے طر سربل
غائب بہ تن نامہ من آمد ازل آورد
دانی کہ دریں شہر و نیم عالمی جاہل
درفن سخن دم مزان از غنی و طالب
ایں آئیہ خاص است کہ بر من فائز
من کنجہ و گرواں بگل اندودہ در مرا
مے میں در گنج ارجہ کشودن شدہ شکل
خود در خور دیرانہ بود گنج گراں مند
باروت فسون نفس گرم چہ داند
غم نیست گراں بادی دہی شدہ زائل
اعجاز ز دہی بود و حسہ ز بابل

اس کے بعد نواب صاحب کو ترقی بریلی کی مہیا کیا و دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں مفتی
یا قاضی یا شیخ یا عامل کے عہدے کا طلبگار نہیں بلکہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا حصہ مجھے ماہ بہ ماہ
پہنچتا رہے۔

۱۰۔ قسیدے پر نواب بسفٹ علی خاں مرحوم نے سور و سہ ماہوار کا وظیفہ غالب کے لئے
مقرر فرما دیا جو ماہ بہ ماہ نواب صاحب خود غالب کو بھیج دیتے تھے۔ نواب بسفٹ علی خاں کی وفات
کے بعد ان کے بھائی صاحب نواب گلشن خاں مرحوم نے بھی یہ وظیفہ بدستور قائم رکھا

متفرق ملایا | اس مقررہ وظیفہ کے علاوہ بھی نواب یوسف علی خاں وقتاً فوقتاً متفرق قبضے بھیجتے رہتے تھے غالب ۱۸۶۵ء کے ایک مکتوب میں سیف الحق بریاں داناں صاحب سببان کو لکھتے ہیں:

ایک قرن سے فردوس مہکاں نواب یوسف علی خاں دلی رام پور، اپنے انتہا بہت باس بھیجتے تھے، اور سو روپیہ مہینہ ماہ چار سو پانچ سو روپیہ بھیجتے تھے، اس مقررہ کی اندازہ دلی دلچسپی نہ کبھی مجھ سے اس روپے کی رسید نہ لی، اپنے خط میں ہندوی بھیج کر کہتے تھے: جس خط پر جواب نہ دیتا، اس مالانہ کے علاوہ بھی کبھی دوسو روپیہ بھیجتے رہتے، فتنہ و فساد و فحش کے دنوں میں قلعہ کی آمد مقررہ، انگریزی ٹین مسدود، یہ بڑا ٹوڑا، دو مقررہ ماہ ۱۰۰ روپیہ تقسیم گاہ کی بھیجتا رہا، تب میری اور میرے متوسلوں کی زبیت ہوئی۔

شاید کسی صاحب کے دل میں آخری غفلتوں سے یہ شبہ پیدا ہو کہ نواب یوسف علی خاں شامروی کے آغاز ہی سے سو روپیہ مالانہ منتقل بھیجتے رہے۔ یہ شبہ صحیح نہیں۔ غالب نے خود یہ زلفہ کے نام کے خط میں تصریح کی ہے کہ منتقل وظیفہ جولائی ۱۸۵۹ء سے شروع ہوا، فرماتے ہیں:-

نواب یوسف علی خاں تیس برس کے سیرے دوست، اور پانچ چھ برس سے میرے شاگرد بن گئے، گاہ بگاہ بھیج دیا کرتے تھے، اب جولائی ۱۸۵۹ء سے سو روپیہ مہینہ ۱۰۰ روپیہ بھیجتے ہیں، اپنے رہتے تھے، اب میں کیا رو دیتے رہ کر جایا، بہ ضرورت بات بعد برسات کے بھیج جاؤں گا، سو روپیہ مہینہ ۱۰۰ روپیہ دوستوں کے اس سے برا مقرر ہے۔

نواب کلب علی خاں کا عہد | اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ نواب یوسف علی خاں کے انتقال کے بعد نواب کلب علی خاں نے بھی یہ وظیفہ جاری رکھا تھا، غالب لکھتے ہیں:-

بریں حال، نواب کلب علی خاں کو خدا بدست و اقبال، بڑا سب سلامت رکھے، وہ مقررہ کی ہندوی ہر مہینے سب دستور قدیم بنے خط میں بھیج جاتا ہے فتوح کی رسم دیکھنے جا رہی ہے، نہیں

قاطع بران کی طبعیت میں | معلوم ہوتا ہے کہ غالب خود بھی خاص ضروریات کے سلسلے میں روپیہ طلب کر لیتے تھے مثلاً قاطع بران کی چھپائی کے لئے دو سو روپے لگاتے تھے، غالب لکھتے ہیں:-

میرے پاس روپیہ کس حد تک زمان کو دوبارہ چھپوانوں میں بھی نواب غفور نواب
یوسف علی خاں نے دو سو روپے بیچ دیئے تھے۔ تب یہاں سو روپے صاف ہو کر چھپ چکا گیا تھا۔
اب بھی وعدہ کیا تھا کہ پہلی کی وجہ مقررہ کے ساتھ دوسرے بیچ دیئے گئے وہ نواب صاحب
کو پہلی سٹیشن میں مر گئے۔ ریل کا دوسرا تیس سال سے میں نے پایا۔ صرف کتاب کا ثبوت
نہ تھا مگر اس مرحوم نواب یوسف علی خاں کا سرشتہ ہنس نہ تھا جو اردو کے دفتر کی پتی

صلح بھارت سے حضرت | غائب ایک مرتبہ صلح بھارت سے بھی معذرت لکھ بھیجی تھی لیکن نواب صاحب کی
طرف سے مقررہ وظیفہ یہ دستور پہنچا رہا۔ غائب میرزا آقہ کو لکھتے ہیں :-

تیس سو روپے روپیہ مینا دیتے ہیں سال گذشتہ ان کو کچھ بھیج کر صلح بھارت میں کام
اور میں اپنے میں جو اس نہیں پاؤں۔ یہ حق ہوں کہ اس خدمت سے صاف ہوں جو کچھ مجھے سرکار سے
مناسبت سے عرض خدمات سابقہ میں شمار کیجئے ان میں کچھ ہر دور خدمت خود ہی ۔ دور اگر یہ عظیم
نہ ہوتے تو جو آپ کی مرضی وہی میری قسمت ہے۔ اس دن سے ان کا کدہ نہیں آتا۔ فتح
مقرر ہو رہا ہے۔ اب دیکھتے آگے کیا ہوتا ہے۔ آج تک نواب صاحب نے
جو فراموشی سے جاتے ہیں۔

یہ بعض اصلاً، شمار کی خدمت ہی معاف تھی۔ بلکہ رام پور جانے کی بھی پابندی نہ تھی۔ غائب
خود فرماتے ہیں :-

میں حاکم دلی ۔ مر پور کو سو دس سو سلاست رکھے۔ ان کا عہدہ ماہ ماہ کچھ کو پہنچا ہے
کمر بندی دہلی دہلی رہے ہیں یہاں سفر تھا کہ دور رام پور جانے کی حاجت ہیں۔

رام پور میں یہاں کے رہنے والے تھے۔ | غائب صرف دو مرتبہ رام پور گئے پہلی مرتبہ نواب یوسف علی خاں کے زمانے
میں جنوری سنہ ۱۲۸۵ میں دوسری مرتبہ نواب گل علی خاں کی مسند نشینی کی تقریب میں اکتوبر سنہ ۱۲۸۶
میں رام پور میں ان کو سترہ وظیفہ کے مدد سو روپیہ بنام دعوت ملتا تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں :-
نواب صاحب کو۔ بی سٹیشن سے جس کو یہ دسواں مینا ہے سو روپے مجھے ماہ ماہ بھیجنے

ہیں۔ سب جو میں داناں کیا تو سوروپے میں بنا بنا کر دعوت اور دیا جینی راسم پر میں رہوں تو دوست

میں پاقوں اور علی میں رہوں تو سوروپہ۔

اور وہ کے ساتھ تعلقات سلطنت اور وہ کے ساتھ غالب کے تعلقات و روابط کے متعلق ایک کتاب اور پریش کیا جا چکا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ واجد علی شاہ کی سرکار سے نہیں بے صلہ و محبت گسری پانسو روپے سالانہ مقرر ہوئے لیکن واجد علی شاہ کی سلطنت اس وظیفہ کے تقریب کے بعد دو برس سے زیادہ قلم نہ رہی۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ پانسو روپے سالانہ کا یہ وظیفہ ۱۸۵۲ء کے اوائل خریست ۱۸۵۳ء کے اوائل میں مقرر ہوا تھا۔ ہم غالب کے فقر و فکارت کے سلسلے میں لکھنؤ میں ٹھہرنے کے حالات بیان کر چکے ہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ لکھنؤ کے ساتھ غالب غازی الدین حیدر کے زمانے میں غسٹہ میں تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ خواجہ جان غالب کے قیام لکھنؤ کے متعلق لکھتے ہیں:-

اس زمانے میں سید الدین حیدر فرما کر ۱۸۵۰ء وشن الدولت غالب سلطنت کے قیام لکھنؤ کے

کئی لوگوں پر رات و روز وشن لکھنؤ کے اس پھول سناسے ان کی غیب کی مٹی مرنے سے

اس پتہ کی کہ عالم میں قصیدہ تو سرکار کا ہو سکا مگر ایک درجہ تر مسرت غلبہ میں جو ہے۔ سو

میں اور وہ غالب سلطنت کے سامنے جتن کرنے کے لئے بھی تھی

خواجہ جان مرحوم کا سہرا ہم غالب کے لکھنؤ جانے کی تاریخ نہیں کر چکے ہیں۔ غازی الدین حیدر کے عہد

ربیع الاول ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۸۱۶ء کو س دنیا سے کوچ کیا۔ غالب اس سے قبل

لکھنؤ سے گزر چکے تھے۔ اکتوبر ۱۸۱۶ء میں غالب احمد بخش خاں مرحوم دہلی فیروز پور تھلہ لکھنؤ کا انتقال

ہوا۔ غالب کو یہ اطلاع ملنے کے راستے میں ہی تھی۔ اور اس وقت وہ لکھنؤ میں نہیں ملے۔ تاہم

بھی آئے گل چکے تھے۔ لہذا یہ صحیح نہیں کہ وہ نصیر الدین حیدر کے زمانے میں لکھنؤ سے

اس زمانے میں روشن الدولہ کے نائب سلطنت ہونے کا بیان تو اس درجہ حیرت انگیز

۱۵ تاریخ اور وہ صدمہ چارہ صفحہ ۱۲۵۔

ناچہ قدر بہت ۔

اس کے بغیر الدین حیدر کی طرح میں قصیدہ بھیجتے تک غالب کی طرف سے اودھ کے ساتھ
رابطہ پیدا کرنے کی غائبانہ کوئی کوشش نہیں ہوئی

نصیر الدین حیدر کا قصیدہ ۱۸۳۲ء پر عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ قصیدہ دسمبر ۱۸۳۲ء کے بعد لکھا گیا۔ اس لئے
کہ اس میں روشن الدولہ کا بھی ذکر ہے جو دسمبر ۱۸۳۲ء میں وزیر اعظم ہوئے ۔

روشن الدولہ بہادر کہ بایں اشار و عطا حاشائے گفتم و شہر سندرہ نقصاں رفتم
بر مہینہ بہ یکیاں ز حسن زر رشک چو شاخاں شناسش بر آناں رفتم
بادشاہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ۔

توسیعانی دآں آصف و من مضعیف راہ نسبت طلبی میں کہ چشایاں رفتم
بہ دیکم سپرد نبویں بر اتم بردے تا بد اتم کہ بہ آصف ز سلیمان رفتم
سبحان علی خاں قوم کے کہنؤں زمانے میں ایک نہایت فاضل اور دانشمند شخص تھے جو
محمد الدولہ آغا میر کے مشیر خاص رہ چکے تھے اور روشن الدولہ نے بھی اپنے زمانے میں انہیں
اپنا مشیر خاص بنالیا تھا۔ غالب اسی قصیدہ کے متعلق سبحان علی خاں کو لکھتے ہیں ۔

ایں عرضہ شہت بہ فروغ نگاہ قبول آصف ثانی در روشن الدولہ مشتقناں گرد و در قصیدہ
بہ ہرم مینہ شال سلیمانی د نصیر الدین حیدر را خواندہ شود تا مرا کہ کن پیوند تاش بخارم بہ جائزہ
خسروی بخ متیاز فردوش یزید و دنگاہ صلا بہاں گونا گئی کہ ہم بہ ہرم بند نامی دہم و نظر
عیش گرامی کند۔

سبحان علی خاں کے نام غالب کے مکاتیب فارسی میں دو اور خط ہیں جن میں سے ایک
میں لکھتے ہیں کہ قصیدہ ۱۸۳۲ء پر عرضہ شہت مدت سے آپ کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ یہ بھی سن چکا ہوں
کہ وزیر اعظم نے اس قصیدہ کو بہت پسند کیا، لیکن یہ معلوم نہ ہوا کہ قصیدہ بارگاہ شاہی میں پہنچا یا نہیں
لے کیات نظر فارسی صفحہ ۱۱۲ ۔

منشی محمد حسن خاں صاحب کو بھی اسی قصیدے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ اگر عمل ل جائے تو میں مقدمہ کی پیروی کے لئے دوبارہ کلکتہ جانے کا سامان کروں گا۔

پانچ ہزار روپے کا متوسط مل گیا اور اس کے ایک مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قصیدہ پر پانچ ہزار روپے ملے تھے لیکن تین ہزار روپے روشن الدولہ نے ہضم کر لئے جسے غالب ایشاد و عطا میں قائم کہنا بھی اس کے پایہ سے فروتر سمجھتے تھے اور جس کی جو دوستی کی داستان برکیوں کو سنائے انہوں نے زہر کھایا تھا۔ دو ہزار منشی محمد حسن کو دیئے اور کہا کہ ان میں سے جو کچھ مناسب سمجھیں غالب کو بھیج دو لیکن غالب کو ایک جہ بھی نہ ملا۔ وہ لکھتے ہیں :-

یہ قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت روشن الدولہ کے پاس اور روشن الدولہ کے توسط سے سیراب دین کے پاس گزر رہا جس دن شہر، اسی دن پانچ ہزار روپے بھیجنے کا حکم ہو۔ متوسط یعنی منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع دی بظہر اللہ وہ مرحوم لکھنؤ سے آئے انہوں نے یہ راز مجھ پر بھیجا اور باخفاً دو سٹے منشی محمد حسن کو سیدہ نام نہ لکھانا یا میں نے اسے اسے بخش دیج کہ لکھا نہ تو دریا نت کرے لکھو کہ میرے قصیدہ پر کیا کر رہی۔ انہوں نے جواب لکھا کہ پانچ ہزار روپے سے تین ہزار روپے روشن الدولہ نے کھائے دو ہزار منشی محمد حسن کو دیئے اور فرمایا کہ اس میں سے جو مناسب سمجھو غالب کو بھیج دو۔ کیا اس نے ہنوز تم کو کچھ نہ بھیجا؟ میں نے تلخہ بھیجا کہ مجھے پانچ روپے ہی ملیں اس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ اب تم مجھے خدا لکھو اس کا معنوں یہ ہو کہ میں سے بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ بھیجا ہے اور یہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ قصیدہ حضور نبی کریم میں جانا کہ اس کا صلہ کیا رحمت ہو! میں کہ ناخبروں اپنے نامہ کا خط بادشاہ کو لکھوا کر اس کا روشن الدولہ وغیرہ کا لکھایا ہوا روپیہ ان کے حلق سے نکال کر قرقط بھیج دوں گا۔ بھائی، یہ خط کہہ کر میں نے ڈاک میں روانہ کیا۔ آج خط روانہ ہوا، تیسرے دن شہر میں خبر آئی کہ قصیدہ میں مر گیا۔ اب کہو

۱۵ کلیات نثر فارسی صفحہ ۱۷۱ ۱۵ مظفر الدولہ رفیع الدین خاں غلط اظہار کیا کہ اسامہ الدین جید خاں بادشاہ جو عذر کے بعد اور سے پکڑے آئے تھے اور گورگاہ میں گولی سے مارے گئے تھے۔

میں کیا کروں اور ناسخ کیا کرے۔

یہ اس نامور اور خوش نصیب خری دو کے سب سے شاعر، ایرانی طرزوں کے خاتم اور نئی طرز کے موجد، مول کی حالت تھی کہ اس کا قصیدہ فارسی زبان کے بہترین شعرا کے بہترین قصائد کے مقابلے میں بلا تامل پیش کیا جاسکتا ہے اس پر شاہ اودہ پینچ غرر نعمہ دنیا سہا سہا روپیہ سہو ہنرم کر جاتے ہیں اور اس غریب کو پینچ میسے بھی نہیں ملتے۔ بدیدہ پانی کی ٹٹان بھی دوسرے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔

مجلی شاہ کا قصیدہ انصیر لدین صدر نے ۱۸۳۳ء میں وفات پائی اور محمد علی شاہ پادشاہ ہو گیا لیکن غالب نے ان کے ساتھ کوئی رابطہ پیدا نہ کیا۔ امجد علی شاہ کا زمانہ آیا تو پھر انہوں نے ایک قصیدہ لکھا جس کی بیت اسکا ہے یہ

امجد علی شاہ آنکہ بہ ذوق دعا سے او

صدر ہمارے مناسک کر دوزخ کار

اس قصیدہ کے سلسلے میں بھی عجیب واقعہ پیش آیا۔ غالب جس زمانے میں آگرہ میں تھے ایک صاحب نے سے سے تھے جوڑے زبان آور ادیب رکھتے۔ وہ میں قصیدہ اررہ چکے تھے۔ آگرہ میں طرزت کی جستجو تکمیل آتی صورت نہ بنی درواں سے چلے گئے۔ غالب دہلی میں آ رہے۔ دہلی مدت کے بعد دہلی شاہ کے زمانے میں لکھنؤ سے ان کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ وزیر سے ملاؤں بہت محنت کرتے ہیں بادشاہ کی طرزت انہیں کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے۔ صاحب دہلی دربار کا صاحب ہے۔ ان صاحبوں میں نام و راجہ ہو سکتے۔ غالب بہت محنت سے اس قصیدہ اور چند شت بھیجیں تو بادشاہ آب کو بلائیں غالب لکھتے ہیں کہ قصیدہ تیار تھا لیکن

مزار دہلی میں بدلتے ہیں نہ تو علی شاہ سے دہلی میں بھیج دیا نہ ہی دہلی

سے آکر دہلی پہنچے مگر وہ ۱۸۵۵ء میں

بعد ایک خط آیا کہ قصیدہ وزیر تک پہنچا۔ وزیر بڑھ کر بہت خوش ہوا، پتا چل گیا کہ شاہ نے
 کا وعدہ کیا میں توقع ہوں کہ میرا بہادر الدین نمرکن سے میری فخریہ خطابی کھدوا کر بھیج دیکھے۔
 چاندی کا گیندہ برقع و قلم علی فقیر سے سرخجام کر کے بھیج دیا۔ رسید آئی اور قصیدہ کی بارگاہ
 نذر سے کی نہیں پس پھر وہ منہ تک اور سے کوئی خط نہ آیا میں نے جو خط بھیجا انا پھر تیار ڈاک کا
 یہ تفریق کہ مکتوب ایہ بیان میں۔ ایک مدت کے بعد میں معلوم ہوا کہ اس رات کو وزیر گیندہ
 اور حاضر شایع، بادشاہ کی ملازمت اور خطاب ملا غلط ہو، درج کی نمرکن سے حاصل کر کے
 مرشد باد کو جلد لے آئے وقت وزیر نے دو سو روپے دے دیے۔

گویا قصیدہ بھی بے صلہ رہا۔

دعوت علی شاہ سے تعلق | داعی علی شاہ کے زمانے میں غالب نے چہرہ سہا عینیانی کی شاہ مرصوف
 کے مصاحبوں میں اس وقت ڈوموں کا بڑا زور تھا اور انہیں بڑے بڑے خطاب ملے ہوئے
 تھے مثلاً رضی الدولہ، نجیب الدولہ، قطب الدولہ، ولیج الدولہ، غالب قطب الدولہ کی دست
 سے قصیدہ داعی علی شاہ کی بارگاہ میں بھیجا۔ مولانا ضمیر نے قصیدہ بارگاہ میں پڑھا حکم ہوا کہ اس
 صلہ کا سہا دوسرے وقت میں پیش کیا جائے لیکن ابھی صلہ کی نسبت کچھ طے نہیں ہوا تھا
 کہ قطب الدولہ اور دوسرے تمام ڈوم داعی علی شاہ کی مصاحبی سے نکالے گئے۔ ان کے
 اخراج کا واقعہ جون سنہ ۱۸۵۷ء کو پیش آیا۔ لیکن یہ امر قابل ذکر ہے کہ قطب الدولہ نے اپنے
 اخراج پر قصیدہ مع عرضداشت بکبہ غالب کے پاس بھیج دیا۔ نواب محمد علی خاں عرف میرزا حید
 کے نام کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ مع عرضداشت دوبارہ ان کی دست سے بھیج دیا گیا تھا۔
 مجتہد العصر کی وساطت | یوسف میرزا کے نام کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو داعی علی
 شاہ کے دربار سے خلعت مجتہد العصر کی وساطت سے ملا تھا وہ فرماتے ہیں:-

میں جو وہ پارچے کا خلعت ایک بار، دو برس خاص در و مال دو و شاد ایک بار لگا

حضرت سلطان عالم سے یا چکا ہوں گے یہ بھی جانتے ہو وہ غفلت محمد کو دوبار اس کے ذریعہ سے
 ہے! یعنی جناب بلند و کعبہ مجتہد مصر شاہ اعلیٰ۔ اب آدیس اس کی تعضی نہیں ہے کہ
 ہے ان کے توسط کے مدح کسری کرے۔ چنانچہ قصیدہ نگار و ربیعہ گزیر دستور ہے کاغذ کو بڑا
 حضرت پروردگار کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔ جین بن ہے کہ حضرت نے وہاں صبح دیا ہو گا۔ اور میں
 تم کو بھی لکھ چکا ہوں کہ میں نے قصیدہ نگار کو بھیج دیا ہے۔

یہ خط ۵ نومبر ۱۸۵۹ء کا ہے۔ اور یوسف میرزا اس زمانے میں کلکتہ میں تھے۔ واجد علی شاہ
 ۱۸۵۶ء میں سلطنت کا تختہ کئے جا چکے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطنت اودھ کے
 ختم ہو جانے کے بعد بھی واجد علی شاہ کے ساتھ خاتب کا تعلق قائم رہا۔ یوسف میرزا کے نام
 کے ایک اور خط سے بھی جو ۲۸ نومبر ۱۸۵۹ء کا مرقوم ہے اس کی تصدیق ہوتی ہے اس میں میں
 ہر مہینے علی بیٹے سے سنت میں سے کہ جو شاہ اودھ سے آتے تھے راجہ اور نہ کروں نصف
 حسین میرزا اور تم اور سب دا نصف میں مخصوص کامد رجبات۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کلکتہ سے واجد علی شاہ نے کبھی کوئی رزم بھیجی یا نہ بھیجی۔

جہد آباد سے تعلق اور عرض کیا جائیگا ہے کہ صاحب عالم مارہروی نے غدر کے بعد لکھنا تھا کہ کیوں
 حیدر آباد سے دوبلا پیدا کرنے کی کوشش کی پائے لیکن خاتب نے اپنے طالع کی ناسازی
 اور ناکامیوں کی داستان بیان کرنے کے بعد یہ رائے دی کہ جہد آباد میں کوشش
 کی جائے گی تو یا تو متوسط رجبات نکالیا ہو جائے گا یا مقصد میں ناکامی ہوگی بلکہ فرض
 اگر کچھ مقرر ہو گا تو ریاست برباد ہو جائے گی۔

اس امر کا قصیدہ لیکن خاتب نے کوشش کی۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ مدینہ منورہ کے ایک
 صاحب جن کا نام تھہرہ رزاق تھا حیدر آباد ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ انہوں نے بیان کیا کہ نواب
 شمس اللہ مراد آبادی پانچاہ دی فضل میں خاتب کا ذکر کیا تھا بس یہی امر خاتب کے لئے تصدیق
 پیدا کرنے کا محرک بن گیا۔ چنانچہ انہوں نے یہ شعر کا بہ قصیدہ شمس اللہ مراد کی مدح میں لکھا

ایک مکتوب ساتھ جس کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی حیدر آباد بھیج دیا۔ مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ابتدا میں اردو شعر کہتا تھا، اور ایک دیوان مرتب کر لیا تھا، اب قس برس سے صرف فارسی شعر کہتا ہوں قصیدہ کے تعلق فرماتے ہیں:-

یہ قصیدہ از سینہ کتاب غم و دل آتش افزوست نیم سوختہ ہے و از خستے کرب و آس
پاں سوخت و دودندہ گیا ہے۔ فرخا بخت عارضہ کار کرد ستار چہ شدشت قبول و دوزخ چند
دل بہ شادمانی سہ و دین تمنائی داد ہر می خیزش و دہسہ

بافتحات نیزم و در آرزو چہ نزاع

نشاط خاطر نفس زکیا جلی است

اس وری قصیدہ کے صرف دو شعر مکتوب میں درج ہیں نہ یہ ناسک کلیات نظر نہ رہی ہیں
موجود ہے نہ سبچیں میں ہے۔ اور نہ کسی اور جگہ شائع ہوا ہے۔ نہ یہ بتایا جاسکتا ہے کہ یہ کیسے
ضائع ہوا و شعر یہ ہیں:-

اسے منظر گل در ازل آثار کرم مست بہ روح ز سحر و قسمر

شمس الامراکز شرف نسبت ہاشم خور قبائے ہر و زنگ نشینان عجم

لیکن ہے خاندان شمس الامرا کے پرانے کاغذات میں سے غالب کا یہ باب ہل جائے
اگر کوئی صاحب اسے تلاش کر سکیں تو یہ بہت بڑی ادبی خدمت ہوگی۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ شمس الامرا کی طرف سے قصیدہ کا کوئی عملہ طایفہ یا نہ طایفہ۔

سر سالار جنگ قصیدہ اس کے بعد غالب نے نواب فتح الملک سر سالار جنگ اولیٰ علی علیہ السلام
لکھا، فارسی مکاتیب میں ایک غرضداشت نواب صاحب حرم کے نام موجود ہے جس میں لکھتے ہیں:-

قصیدہ مدح فرستادہ بشعر و نہ دست بہ قلم۔ بطور یاد آتش از دست یہ غم و غصہ درویش

راہ لغت گشت

سوال پیدا ہوتا ہے کہ غالب نے کب یہ قصیدہ نواب فتح الملک کی خدمت میں بھیجا؟ غالب کے جس

مکتوب یا عرضداشت کا حوالہ اور دیا جا چکا ہے۔ اس پر تاریخ ثبت نہیں لیکن مکتوب کے آخر میں شعر درج ہے

تاجرخ کشد محل بر جیس بہت باد

نواب فلک محل بر جیس شیم را

یہ نواب وزیرالدولہ والی ٹونک کے قصیدہ کا دعائیہ شعر ہے۔ اور تاریخ ٹونک سے معلوم ہوتا ہے کہ قصیدہ ۱۲۷۸ھ (مطابق ۱۸۶۱ء) میں نواب وزیرالدولہ کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ لہذا سمجھنا چاہئے کہ نواب مختارالملک کا قصیدہ نواب وزیرالدولہ کے قصیدہ کے بعد لکھا گیا۔

اسی زمانے میں ایک مکتوب منشی حبیب اللہ خاں دکنائیدہ آبادی کو بھیجا گیا تھا۔ جو نواب مختارالملک بہادر کے میرنشی تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غائب نے اپنے اردو دیوان کا ایک نسخہ موم جامہ میں لپیٹ کر نواب مختارالملک بہادر کو بھیجا تھا۔ منشی حبیب اللہ خاں دکنائے اس کی رسید بھی "مد فارسی کلام طلب کیا۔ غائب کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ فارسی کلام غالباً نواب صاحب کے ایسا سے طلب کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میر کلام غدر میں ضائع ہو گیا۔ میرے ایک عزیز نے بعد غدر پنجاب جزو کے قریب جن کیا میں اب اسے چھپوانے کی فکر میں ہوں لیکن چھپانی کے مصارف نہیں کر سکتا۔ اسی خط کے آخر میں فرماتے ہیں:-

آں خواہم کہ رسیدن دیران آمد و بازو غم دینہ بر اتم کہ طلب کلیات فارسی چنانکہ

گمان ہر وہ ام بہ فرمان حضرت نواب صاحب نے القاب است بامیں از جانب جناب صحیفہ طرارت

بر دو صورت فرماں پذیرای آئین خود بردار سلام با لوف الاقوام شنب یازدہم ربیع الاول ۱۲۷۸ھ

اردو دیوان کے دو ایڈیشن غدر سے پہلے چھپ چکے تھے۔ تیسرا ایڈیشن ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء میں دہلی کے مطبع احمدی میں چھپا تھا۔ اس میں بہت سی غلطیاں رہ گئی تھیں اور غلط نام ساتھ شامل کرنا پڑا تھا۔ اسی ایڈیشن کی تصحیح کے بعد نوحہ منشی بارطبع تلخای کان پور میں چھپوایا گیا۔ اور مذکور شدہ میں چھپ کر شائع ہوئی منشی حبیب اللہ خاں دکنائے نواب مختارالملک اردو دیوان کے پاسل کی رسید بھیجے ہوئے فارسی کلام طلب کیا تھا جس کے جواب میں غائب نے "ربیع الاول ۱۲۷۸ھ کو طلوع کی کہ فارسی کلام چھپنے کی فکر میں چھپ جانے کے بعد بھیج دوں گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ نواب مختارالملک احمدی مطبع والا دیوان بھیجا گیا ہو گا۔

ماتب کی اپنی داستان | نواب مختار الملک کی مع میں جو قصیدہ لکھا گیا اس میں غالب اپنے متعلق
 لکھتے ہیں ۛ

روشن دل تشیں زباںم	اندوہ و دوہ ماں نگوئم
در نظم بسد پایہ زدم	ولائی حساں نگوئم
عشق بست نظیر تواری را	از خجسرو ارسلان نگوئم
والا گرا سپہ جا	بہب زرد ماں نگوئم
تنگ بست دل از هجوم اندو	میرم آرزو چنن نگوئم
کس نیست شمع را خریدار	با آنکہ بسا گراں نگوئم
ناں رو کہ خرد و دران گیتی	بہب چو تسد و اس نگوئم
ناچار شمع غم دارم	بے رونقی دکاں نگوئم
میرایہ ز دوست رفتہ واکا	گا ہے سخن از زبیاں نگوئم

حسن طلب ملاحظہ فرمائیے ۛ

امید کہ جس سوال نبود	حسرت کہ دیں ہیں نگوئم
تنگم نہ سوال نیست ۛ	با کنگ سحر زباں نگوئم
گردایہ بسد بین ز سوت	با غالب نستہ جاں نگوئم
کاں خود ز من بہت ناتوان	باوے سخن از تو اس نگوئم

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ نواب مختار الملک بہ درت غالب کے ساتھ کچھ سلوک کیا یا نہیں کیا۔

غیرالہ وادی ٹٹک کی مع | غالب کے دو قصیدے نوب و زبیر الہ و بہا و رواں ٹٹک کی مع میں ہیں۔

تاریخ ٹٹک سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا قصیدہ ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۳۰ء میں بھیجیا گیا تھا۔ اس وقت

غالب کی عمر پچیسھ پنیٹھ برس کی تھی۔ انہوں نے اپنے بڑھاپے کا ذکر قصیدے میں بھی کیا

فرماتے ہیں ۛ

ہر چند پرسی شد دل سرزدستی از سروی موسم چہ زیاں گرمی مرا
 دارم نفس گرم و آسودہ ولی نیز از ہمین دوسے تب نرود شیراجم را
 بر نانی اگر رفت نہ آست کہ برین حقی نبود پرورش آموز ہسرم را
 فتح دم پرسی کہ کند در نظر خوار خوابان مست طلعت و ناخندہ سم را
 پشتم پوسے سجدہ زخم را نہاید باریست گراں منت غنوار ی خرم را
 با پشت خم آسودہ توان بدست گیتی اما کچہ نسیم کج روی بخت و ظم را
 جا در دو جاں افتد زخم نیست کہ رفتی بیرون نسیم از دوازہ یاس قدم را
 اس قہرست میں ایک نزل بھی لکھی ہے جس کے چند اشعار برج ذیل میں ہے
 در ہند تک مائیہ بود مذکویاں یاسب بچہ تسلیم بر دم ذوق ستم را
 شیرینی جاں بلب من موج زد اما ایں شہد خبر دازد ہنم تمہی نسیم را
 آسودہ دلاں چوں شنود آہ و فغانم دانند کہ من مرد نیم رخ و الم را
 نائل بہم نہ نول گوساری بخت است فریاد گراں لب جہدار باب ہسم را
 غم خست درون من و خوناباں زخم بر چشمہ داداشت بروں وادون خم را
 در سر مرہ فروختہ گدایانہ خرد شیت پیش آمدہ روز کیہ حرف رقم را
 آخر میں فرماتے ہیں کہ

گفتم کہ گدا تم زکایاں نہ شماری در ہم نفساں نیز بود خسر قہم را
 ہر چند بہ در یوزہ عزت ز عزیزاں با خود بہ شفاعت نتوان بر دستم را
 گوگند خرم گم ہنر و غم غمیش فیض از دم سوگند رسد صبح دوم را
 من ۱۰۱۰ ز شہ جہیم و شد مرگت ازین رخ جانکاب کول من است انسر جم را
 ہنشا م کہ فی فتح از شہرم سو نہ اللہ گمراہ زوہ دوست ال کرم را

تاریخ نوٹنگ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قصیدے کے تالیف میں تاخیر ہو گئی۔ تو غالب نے ایک

قطعہ بھیجا جسے خواجہ حالی مرحوم نے یادگار میں جو ملیح کی مثال کے طور پر نقل فرمایا ہے۔ اور جو غائب کے مطبوعہ کلیات میں موجود نہیں لیکن سب میں موجود ہے میری رائے میں یہ قطعہ محض حسن طلب کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم نوٹ کے معلوم ہوتا ہے کہ اس قطعہ کے بعد غائب کو صاف بھیجا گیا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس قطعہ بھیجا گیا تھا۔

غائب کے کلیات میں نواب وزیرالہ ولد بہادر کی بیچ میں ایک اور قصیدہ بھی ہے۔ جو عید اٹھنے کی تقریب میں بھیجا گیا تھا۔ اس قصیدے کے دعائیہ اشعار کا انداز بہت اچھا ہے اور دلکش ہے فرماتے ہیں ۵

چند چیز است کہ در پیشا اہل تہیز	چراغ نامگی آرایش یہاں آمد
آں درخشندہ درخشے کہ پہنچاتے عرب	وزمان نماز شکر ایراں آمد
آں فروزندہ و فیروزہ دل افروز نگین	کہ روانی وہ مسلمان سلیمان آمد
دیگر آں جام ہماں میں کہ بدوشن روشی	عالم است روز تراز و درخشاں آمد
دیگر آں تخت سب سیر کہ از تیز روی	ہمدم با و چو بوسے گل دریاں آمد
ہفت گنجینہ پر دیز کہ در ہفت تسلیم	پہلو داری ہفت خستہ تارباں آمد
فہم ہر نکتہ نامضی کہ ہمیشہ فرمود	فیض ہر آیت حجت کہ ہر قرآن آمد
یار سب اینہا بہ تو بخشند و بر آں استزاید	و مہتاب کہ رسد شمشاد آمد

نہیں نہیں غرض فریخ آباد مسلمان ریاستوں میں اس زمانہ میں ریاست فریخ آباد کی خاص اہمیت رکھتی تھی یہ ریاست شاہ شجاع خانہ کی فریخ سیر کے عہد میں قائم کی گئی اور غور میں برپا ہوئی۔ اس کے ولی نواب نجل حسین خاں کے ساتھ غائب کے رواج بہت اچھا ہے۔ اور وہی ایک نزل کے آخر میں نواب صاحب مدد مع و مع میں ایک قطعہ وجود ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔ ۵

۵۔ یادگار غالب نے فریخ آباد کے حوالہ سے رواج بہت اچھا ہے۔

دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے
بناسے پیش قتل حسین خاں کے لئے

تخل حسین خاں نے ایک مرتبہ غالب کو فرخ آباد بھی بلا یا تھا۔ فارسی سکا تیب میں ایک
مکتوب میر محمد حسین خاں مستیش کے نام ہے جس میں لکھتے ہیں کہ امیر سلطان شکوہ نصیر الدوہ الملک
تخل حسین خاں بہادر شہت جنگ فرخ آباد بارہے ہیں میں نے ان کی محبت کے تقاضے
سے جانا منظور کیا ہے اور میں بھی ہمیش کو ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ لہذا پٹودی سے سی
ہمیں بھی پہنچ جائے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ غالب فرخ آباد گئے یا نہیں۔ لیکن میر خیال ہے کہ
انہیں وقتاً فوقتاً فرخ آباد سے کچھ نہ کچھ ضرور ملتا رہا ہوگا۔

اور سے ساتھ روابطہ ایاست اور کے ساتھ غالب کے روابط بہت دیرینہ تھے۔ خواجہ حالی نے ایک
ست کہ غالب والد کی ناگہانی تہاوت پر راجہ بختاورد شکوہ لے دو گاؤں سیرت مل اور کسی قدر روز
نات اور اس کے معافی سے۔ لے تفرک و تاجرت و رزق جاری رہا۔ لیکن کسی دوسرے
ذرا بہت اس معاش کی تصدیق نہیں ہوتی اور غالب ہمیں اس معاش کی ضرورت ذکر نہیں کیا
وہ کہ وہ اپنی سہیلی بی بی آمدنی کی بدولت ذکر کرتے رہے۔ نہ اس معاش کی بندش کی وجہ
خواجہ حالی نے بیان دہائی تہاوت اس میں شبہ نہیں کہ غالب کو ابتدا سے درود ملی میں وقتاً
فوقتاً اور سے کچھ نہ کچھ ملتا رہا۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

میں جب وہ زمانہ نہیں کہ دخل سے اس سے قرض رہا۔ ... میں سے بڑھ کر یہ

روانی کا فرض تہا۔ یہ وہاں بہت سی خاں نے کچھ دے دیا۔ کبھی اور سے کچھ دلوایا۔

کل ایازہ کا عہدہ اور جب امیرین نے شکوہ لے نام غالب فارسی سکا تیب میں ایک مکتوب جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ راجہ نے ایازہ سے راجہ غالب کو غفہ بھیجے تھے غالب ان کی تعریف

لے بہت تہا۔ اس سے میرا یہ غالب معقول ہے۔ اور وہ سے میرے صوفیہ ہے۔ لے ہار جہاں وہی شکوہ

شہ سے کے رشتہ شہت اور کے نہیں رہے۔

میں ایک مثنوی لکھی جو محولہ بالا کتب میں درج ہے اور ان کے کلیات نظم میں نہیں آئی فرمایاں

خوشا کاوی و بونے جاں پرورش	ز خود ہر پرواز بوشپریش
شمیم رواں پرورش داود اند	و گر صورت شہر شمس داود اند
ازاں روست کایں گل بوش شمیم	مذیباست منت پرست نسیم
تو کوئی بہاران سرخندہ خوشے	کہ ر تمام رنگ است و تمام بو
پے تازہ گلہائے اُردی بہشت	برات رواں بخشی بو خوشت
شمسے کزاں تازہ گرد و دماغ	فزون آمد اطراف گلہائے باغ
نگہ بہشت آں مایہ دفسر روز	ہر کاوی پخشید اندر قوز
تموز از دیش نو بہاراں شدہ	شرف نامہ روز نگاراں شدہ
اگر چہ راز خست شادی ہو	ز اکسوں گلہائے کاوی شود
شمال و صبا پیشکارش بہ باغ	گل از شبنم آئینہ دیش بہ باغ
بدیں ارمغانے کہ فرخ دم است	چنین تازہ بہارے دریں جا کم است
بدانساں کہ جاں رہست از تن سپاں	فرستندہ را باد از من سپاس
بود تاکہ زیب بساط سپہر	ز سرین ماہ گل سرخ ہر
ہر آن گل کہ آرد بہ گلزار باد	ہمارا چہ را وقف دستار باد

گل کیوڑہ کا تختہ بھیجنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارا چہ کے ساتھ غالب کے رد ابھیں

دوستی کا پہلو زیادہ نمایاں تھا۔

الور کے سہمان دیوان انشی میں شہ خاں دیوان الور کے جہانی مثنوی شمل شد خاں کے نام لکھتے ہیں جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے ان کی طرف کوئی عرض نہایت ہمارا چہ کی خدمت میں پیش ہوئی
حالانکہ غالب نے کوئی عرض نہایت نہیں بھیجی تھی مثنوی شمل شد خاں کو لکھتے ہیں کہ جہانی پوچھ کر لکھو یہ شمس کون لا تھا
تیسرا خط میرزا اسفند یار بیگ دیوان الور کے نام ہے جس میں میرزا صاحب دیوان

بننے پر مبارکباد دی گئی ہے۔ نیران کے حسن انتظام کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

توانگراں راجہ امینی بشارت و تہداتیں بد بخشش صلا۔ داد گری و اسرار بازار خواہ بود و

خردوری۔ اگر می شکامہ بیابان انگلستان اخواہ شدہ دمن اہمن ا۔ مرا کہ کوش نشنم چوں چشم

ازاں فرخ بجن بدو با کشور و ہل کشور چہ کار و از آبادی ملک و ازادگی خلق چمن۔۔۔۔۔ آخر از

دیریں بندگان اں دو تم و از کمن خاک نشینان اں در گاہ شگفت کہ چوں اساس کا رہنم

دہش و داد ہند ٹرشد و توشہ دیرینہ من بکن باز دہند۔

راجہ شیو دھیان سنگھ ۱۸۵۵ء میں انتقال کیا۔ ان کی جگہ ان کا بیٹا راجہ

شیو دھیان سنگھ سنہ ۱۸۵۵ء میں ہو ا۔ سنہ ۱۸۵۵ء کی وقت اس کی عمر کم تھی۔ راجہ راجہ راجہ راجہ کے عہد

میں منشی امین اللہ خاں دیوان بنے تھے اور میرزا اسفندیار بیگ نائب دیوان بنے تھے۔ ان

دونوں میں باہمی کشمکش شروع ہو گئی۔ ایک وقت میں منشی امین اللہ خاں دوران کے بھائیوں

پر عتاب نازل ہوا۔ دوسرے وقت میں میرزا اسفندیار بیگ معسوب ہو گئے۔ راجہ شیو دھیان

کی سنہ ۱۸۵۵ء کی وقت منشی امین اللہ خاں ہی مختار تھے۔ اسفندیار بیگ انتظام کے جوش میں

راجہ راجہ کے ساتھ ساز باز کیا۔ اور کہا کہ تمام کاروبار مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ راجہ

امینی کی صحبت کو پسند کرتا ہے مگر یہ صورت نہ قائم رہے گی تو راجہ مسلمان ہو جائے گا۔ راجہ

نے اس پر ہنگامہ برپا کر کے منشی امین اللہ خاں دوران کے بھائی فضل اللہ خاں کو گرفتار کر لیا

لیکن راجہ کے اصرار پر دونوں بھائیوں کو رہائی دی گئی۔ پولیس ایجنٹ کو ان واقعات کی اطلاع

ملی تو اس نے حالات کی اطلاع کے لئے راجہ کو ہوشیار ہونے تک امور ریاست سے علیحدہ کر کے

انتظام بخشی کے حوالہ کیا۔ راجہ کے صدر کھتان اسپے تھے۔ پانچ برس کے بعد راجہ کو اختیار

ملے۔ کچھ مدت تک راجہ انتظام ہوتا رہا لیکن پھر نظمیاں پیدا ہو گئیں۔ راجہ راجہ کے عہد

میں لگے جن سے راجہ کو سخت نفرت تھی۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے ساتھ گہری جھگڑا

نہیں ہوئی تھی۔ اس طرف اشارہ ہو جس کا ذکر مذہب علی نے۔ وہاں میر جلال کسی قدر وزینہ کی محل میں بادشاہ

ششہ میں میر جہ صاحبہ اخیہ رکھ دے گئے ششہ میں ان کا انتقال ہوا۔
 ششہ | ان صاحبہ کو رہ کر ششہ میں رکھ دیا، اب تیس دن گزر گئے ششہ میں رکھا تھا۔
 میں اپنے والد کی شہادت کا زور بھی سنا تھا۔

پہنچ سائی ششہ امر چکر حضور نہیں تھن درود و بریں وظیفہ خوار
 باپ ششہ و ازرائیں بارگاہ باید تنگست ششہ زپسردان آں
 کافی بود سناہدہ شاہد ضرورت ورنہ کس نہ کر چھ پرہم را بود مزہ
 توقعات دہی دہی | جہ ششہ و صان ششہ سے نالک بڑی توقعات تھیں مہدی مجروح کو ایک
 خط میں لکھتے ہیں :-

میں صاحبہ ملک کا مال نہ پٹھی کی تہ تھے۔ چونکہ مل میں بہت سے تھیں
 سب لکھتے ہیں مرنے پہلے سے کہ صاحبہ میں تھیں۔ تمام سات دن دیکھے
 میں کس کو اس کو پاؤں کا بہتہ وہاں سے نہیں سوں کرہ جاؤں گا۔
 ایک لکھنوب سے جو رام پور سے نکلی، یہاں تا ماہرتا ہے کہ وہ سے صاحب کی توقعات
 پوری نہ ہوئیں۔ مہم ششہ وہ ماہوس ششہ تعمیر غلام پٹھان صاحب کو لکھتے ہیں
 جہاں مل ششہ کی کھادی و دھوئی تھی۔ بہت ملاوٹ تھی۔ تھیں۔
 وہاں سے کہ وہ بہت غرض حال اگر طرز و صافی سرور پہرہ و دھوئی بچھے جانی ہل سنا
 رہا میں ششہ میں اس پر کہ وہ صاحبہ میں اس پر کہ وہ صاحبہ میں
 صاحبہ میں کہ وہ بہت غرض حال اگر طرز و صافی سرور پہرہ و دھوئی بچھے جانی ہل سنا
 یہاں سے کہ وہ بہت غرض حال اگر طرز و صافی سرور پہرہ و دھوئی بچھے جانی ہل سنا

ششہ میں | میرزا باقر علی خاں وہاں ششہ میں ایک خوب ہیں لکھتے ہیں :-
 میں نے کچھ صفین میں دیکھی تھیں اتنی میں نے ایک عالمی اعلیٰ اقبال نشان میرزا حسین
 خاں کی خدمت کو رکھوئی تھی سو بہت تھیں حضور پروردگار کا فضل و کرم

مجھ کو آیا حضور نے اندراہ بندہ پروردی و قدر خدائی القاب بہت بڑا مجھے لکھا خط میں فقر ہے بہت
فنایت اور انکسائے کے بھرے ہوئے ہرج کے۔

میرزا باقر علی ناں اس زمانے میں الوری تھے اور پر کے حالات کا ذکر کرنے کے بعد نہیں
لکھتے ہیں :-

تم تو دین تھے تم کو اس کی اطلاع ہو گئی تھی یا نہیں! اور اگر ہو گئی تھی تو تم نے مجھ کو کب نہیں لکھا
اب میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ کبھی صبا میں میرا بھی ذکر کرتا ہے یا نہیں! اور اگر کرتا ہے تو کس طرح
تتماس ہے۔ معلوم کن کر کیا فرماتے ہیں۔

جے پور سے :- اگر کو پال تفتہ کے نام کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو جے پور سے بھی کافی
روپیہ ملنے کی امید دلائی گئی تھی، لیکن صرف پانسو ملے۔ فرماتے ہیں :-

منا دو مانو اور انور میں عالی پانچ نہیں رکھتا۔ مگر متعلق میں اس کا پیہ بہت عالی ہے جی محتاج
میں سے دو میں سرکندہ یا نہیں کھینچتی۔ تمہاری بہت پر سو ہزار آفریں۔ جے پور سے اگر دو ہزار راہ
آتا ہے تو میرا تم سے رفع ہو جاتا ہو بھرا کر۔ چار برس کی زندگی سوتی رہتا ہی تم میں دلتا ہوا
یہ پانچ سو روپیہ تمہاری پاس کی سونہر تقات میں جا کر سو ڈیڑھ سو روپیہ رہیں گے سو میرے صرف
میں آئیں گے۔ مگر جس کا سو روپیہ تم سے وہ بھدہ پندرہ سو روپیہ سے کے باقی رہے گا۔

پانسو روپیہ :- پانسو روپیہ پہلے منڈی بھیجے گئے تھے۔ غالب کو منڈی جلد نہ پہنچنے کے متعلق
بڑا غصہ رہا تھا۔ اس کے ساتھ فراخ خوشگلی کا یہ عالم تھا کہ منڈی لانے والے کو کچیس روپیہ
انعام دینے کے لئے تیار بنے نیز آنے جانے کے مصارف ادا کرنے پر آمادہ تھے۔ وہ فرماتے ہیں :-

لکھا تھا کہ منڈی نہیں آئی۔ میں حیران ہوں وجہ حیرانی کی یہ ہے کہ اس منڈی کے بھرو
پر دھند رہیں سے وعدہ جوں کے ادائی کا تھا۔ آج جون کی پانچویں سے دسویں (۱۸۵۳ء) قمری
نہت ہیں وہیں آج تک نہ آئے۔ شرم کے مارے باوجود صاحب کو کچھ لکھ نہیں سکتا۔ جانتا ہوں
کہ وہ بینکروں پر راکھنے کی فکر میں ہوں گے۔ پھر وہ کیوں آنا غصہ کریں! میں اس روپیہ کی کون سی

بات ہر صنف ہر دیونگہ رہنڈی لانے والے کا نام اب ہے اس سے بھروسے کیا مضبوط
انیس اور پچیس (انعام کے) جون نکاں ڈایس باقی ارسال کریں۔

۲۴ جون ۱۸۵۳ء کے ایک خط میں فرماتے ہیں :-

تیسویں دن ہر دیونگہ کی مرضی ادھیکس روپے کی رسید اور بالسو کی ہنڈی سچی ہم کھے
اب صاحب نے پچیس روپے ہر دیونگہ کو دیئے اور بھگت بھوانہ لئے بہ ہر حال ہنڈی بارہ دن
کی سبب دی تھی چھ دن گزر گئے تھے۔ چھ دن باقی تھے۔ بھگت صاحب کہاں متی کات کر دیئے
لئے قرض تفرق سب اور برٹیا بنتا بیس روپے حد تک ہیں۔ وہ چار بوتلی شراب اور تین شیشے
گلاب کے خوشہ خانہ میں موجود ہیں بھگت لئے احسان۔

مزید عطا کیا کے باب میں فرماتے ہیں :-

بندہ پروردگار صاحب نے پہلی بار ترجمہ کردہ ہنڈیاں بھیجی ہیں سو سو روپے کی ایک ہزار حسین
میکش کے واسطے راجہ صاحب کی طرف سے تین سو نو روپے صاحب کے انعام میں۔ اور ایک ہی طرف سے
بھگت کو بہ طریق ہنڈی گروی بعد اس کے وہ ہنڈیاں سو سو روپے کی چار چار چپکائی جیسے کے
تین سو میرا حسین کے صایہ کے روپوں کے چار سو۔ اور اس سے علاوہ تین سو روپے اور تین سو روپے
کئے دن میں آتے۔ اس کا سب کچھ صاحب کی عمر پر جوئے ہے۔ گروہ روپوں کے میں نو
دو برس میں اگر وہ تین برس کے ہیں تین برس میں۔

گواہ کے ساتھ تعلق معلوم ہوتا ہے کہ گواہ سے بھی غالب کو عطیہ کی توقعات تھیں میرزا علی
خاں بہادر عرف حضرت جی کے نام فارسی کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ میں اپنے مقرب پرنس کے
متعلق آخری فیصلے کا منتظر ہوں فیصلے کی اطلاع ملتے ہی گواہ کی طرف چل پڑوں گا۔

پنابا غالب کے فارسی قصائد میں ایک قصیدہ ہزندہ سنگھ دالی پنابا کی طرح میں بھی ہے۔ جو غالب
علیم محمود خاں مرحوم کے بھائیوں کی وساطت سے پیش ہوا ہو گا۔ اس میں اپنے تعلق لکھتے ہیں
بے زور و دل آمادہ فناں دارم فناں اگر دست تاشکی فناں گیسرد

نہ دیدہ و نہ سبیتی مرا ہیں کہ منہم کیکہ از غمش آور بہ استخوان گیسرد
 بختی عال من از دل من کنکاشناس سرخ آتش سوزندہ از دخال گیسرد
 مرا کہ نام مرا بے ادب نہ یزد کس فلک نگر کہ بہ بازیچہ ناگہاں گیسرد
 بہر اعمی و من گوشہ گیرورہ نشیب فضاں ز نطق کہ خصم ہمیشہ گیسرد
 حریر فلک مرا ہر فور و صد زنب ست خوشم کہ دیدہ و راز من لہجہ خاں گیسرد
 بہ شتری چہ رسم ترک چرخ دوراہ ست کہ جان جاہد و جاہر نہ کجاں گیسرد
 من آن متلع کر غنائہ سبب قدم کہ کر بہ ہیچ خرد کس ہاں گیسرد
 و لم کہ چارہ نہ وارو ہے جنوں کہ ترا بحال خویش در اندیشہ مہرباں گیسرد
 وایان ممالک اہد امرا کے مشاہروں یا عطیوں کے تذکرے کے بعد غائب کے اپنے
 شاگردوں اور نیاز مندوں کے ہدایہ کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

نفقہ کاہرہ | نفقہ کے نام ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳ رفروری ۱۸۵۰ء کو ان کی طرف سے
 سو روپے کی سندی آئی تھی غائب اس کے ذکر سے بعد فرماتے ہیں :-

ایک آدمی رسیدے کرنل کے سٹے جٹاں اور سو روپہ چہرہ شاہی سے آیا آئے جٹے کی
 دیر برلی دیس۔ چو میں روپے دروغ کی معرفت آئے تھے وہ دینے گئے پچاس روپے
 مل میں بھیج دئے چو میں روپے باقی ہے وہ ہمیں رکھنے کے مطابق عیدین باقی
 رہنے چاہئیں مگر ہے ووردیے کسی کو تمام میں دئے ہوں،
 غائب سی جہ سے متعلق مستنبض فرماتے ہیں :-

نیز انھنے از میرٹھ سفتہ ذریعہ من فرستاد و چاہم و نامہ پوسٹ سے فرستد۔

از والدولہ کے ہدایا | از والدولہ نواب سعد الدین خاں بہادر شفق رئیس کہ در اکالی بھی وقتاً
 روپیہ بھیجتے رہتے تھے۔ غائب ایک خط میں انہیں لکھتے ہیں :-

سیتیں روپے کی ہنڈی بھیجی اس کا بھی حاں سابق کی ہی ہنڈی کا سات یعنی

ساہوکار کہتا ہے کہ ابھی ہم کو کاہلی کے ساہوکار کی اجازت نہیں آئی۔ جو روپیہ دیں۔ اگر
سہوکار کے کارپردازوں سے ساہوکار کو کسے راجازت لکھو بھیجیں تو مناسب ہے۔

میرزا بہیم علی خاں کاہلیہ | میرا محمد حسین بروہی نے غالباً نواب میرزا بہیم علی خاں سوتی کی طرف سے
پوچھا تھا کہ آیا کچھ روپیہ بھیجا جائے؟ جواب میں لکھتے ہیں:-

میر صاحب قبلہ کیوں تکلیف کرتے ہیں اگر یہی مرضی ہے تو تحائف وادب تحلف محض ہے بغیر
بے سوال ہوں اگر کچھ بھیج دیں گے تو رو نہ کریں گا۔ کہ ویش پز نظر کریں جتنے کا پاہیں وٹ
خط میں بھیج کر بھیج دیں۔

پھر ۲۵ ستمبر ۱۸۶۶ء کے خط میں فرماتے ہیں:-

جب نوٹ بھیجے تو اہل گالتہ کی طے آدھا آدھا دو بار کر کے بھیجے گا یہ ہے نامہ کا لغزہ
جس شہر سے چلے، اسی شہر کے ڈاک گھر میں رہ جائے تو رو نہ جانے۔ دلی کے ڈاک گھر میں
پہنچ کر کیا مکان ہے گرفت ہو۔

انہوں نے غالباً سو روپے کا نوٹ بھیجا تھا اس لئے کہ ۱۰ اکتوبر ۱۸۶۶ء کے ایک خط میں

فرماتے ہیں:-

حضرت یہ آپ کے جہانگیر کا غلام تو مر دیا۔ کثرت احکام و تر و درود، شمار بھر پائی رکھ سوئے

کے نوٹ کی رسید سوار مانگتے ہو۔

میر غلام بابا خاں کاہلیہ | نواب میر غلام بابا خاں سورتی بھی وقتاً فوقتاً غائب کی مالی ادا و فرماتے

رہتے تھے مثلاً آدوے معلے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاش برہان نو دو بار دیہو اسنے کے

سلسلے میں غائب نے ادا و طلب کی تھی۔ نواب میر غلام بابا خاں نے ایک گھڑی بھیج دی۔

غائب نے اس کے متعلق شکایتی خطیریاں داد و خاں سیاح کو لکھا جو نواب میر غلام بابا خاں کے

صاحب بن گئے تھے۔ اس کے بعد نواب صاحب نے سو روپیہ بھیج دیا جس کی رسید ۱۸۶۵ء

کے ایک مکتوب میں ان لفظوں میں لکھتے ہیں :-

سورہ پہلے ... صرف سے وصول ہو گئے چھوٹے صاحب (نواب میر غلام بابا خاں) نے

بڑی جو، غمزدی اور بڑی ہمت کی اس طرف میں میر غلام دوران کا نام ہوا۔ اشد شہاب بھی

ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں کہ ان سے ان کو دیکھا نہ انہوں نے مجھے دیکھا نہ میرا کوئی

حق ان پر نہ ان کو کوئی خدمت بجز سے سنی منظور خیر فقیر ہوں جب تک جیوں مجھ دعا کروں گا۔

یہ خط سیاح کے نام ہے۔ ایک خط میں میر غلام بابا کو براہ راست رسید بھی بھیجی گئی ہے۔

مرد علی کا یہ [مولوی ولایت حسین صاحب کے نام کے ایک فارسی خط سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد علی

خاں کی طرف سے ایک موقع پر دو سو روپے وصول ہوئے تھے۔

فتوحات و عطایا کے تفصیلی ذکر کے بعد غائب کی مالی و اقتصادی حالت کے متعلق

کچھ زیادہ عرض کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ ظاہر ہے کہ زندگی کے ابتدائی دور کو چھوڑ کر

وہ مزید مالی مشکلات میں اُبکھے رہے۔ ان کا قرض غالباً کسی دور میں بھی ختم نہ ہوا کسی جگہ سے

روپیہ آتا تھا تو وہ پختہ قرض اتار دیتے تھے لیکن پھر اس بھروسے پر قرض لینا شروع کر دیتے

تھے کہ در رد پیہ آجائے گا۔ اول نہیں بڑی مدت تک یہ اُمید لگی رہی کہ ان کی خاندانی

پس من کا سارا بٹھا ایک شٹل جاتے گا۔ جونہی ۱۸۳۵ء میں ان کے حساب کے مطابق دو لاکھ

تین ہزار تھا۔ اور اس کے بعد سات ہزار روپے سالانہ کے حساب سے اس میں اضافہ ہوتا گیا۔

اسی روپے کے لئے کوششوں کے سلسلے میں انہوں نے وکٹوریہ کی طرح میں قصیدہ بھیجا۔

دہاں سے جنوری ۱۸۵۰ء میں جواب آیا جو غالب کے لئے بہت دلخوش کن تھا۔ اس طرح وہ

۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۰ء تک مسرت افزا اوقات کے چکر میں اُبکھے رہے۔ دوسرے

میرا خیال ہے کہ فتوحات و عطایا کے سلسلے میں ان کے سامنے صرف دو حقیقتیں تھیں اول

ثانیہ اس کے شعرا کے زمانہ ماضی کے ساتھ سلاطین و امرا کا شاندار سلوک۔ دوم اپنی شاعری کا کمال

ان کے قصائد فارسی شاعری کے نہایت بلند پایہ شعرا کے قصائد سے اگر مترنہ تھے تو کمتر بھی نہ تھے۔ اور وہ قصائد مدح و صین کی خدمت میں بھیجے وقت اسی خیال میں مبتلا رہتے تھے کہ مدح و صین ان کے کمال شاعری کا صحیح اندازہ کریں گے اور ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک روا رکھیں گے جیسا دوسرے بڑے بڑے فارسی شعرا کے ساتھ امرا و ملوک نے روا رکھا تھا لیکن ان کی یہ توقع کبھی بھی پوری نہ ہوئی۔ ان کا صرف ایک قصیدہ ہے جس پر نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ نے پانچ ہزار روپے دیئے لیکن اس رقم میں سے غالب کو ایک جہ بھی نہ ملا۔

ان حالات میں ان کا چرخ مسلسل زیادہ رہا اور ان کی آمدنی کسی وقت بھی ان کے مصارف کے ساتھ سازگاری پیدا نہ کر سکی۔

مالی شکستیں افزائش سفر کلکتہ کے گراں بہا مصارف کے بعد ان کی مالی مشکلات خاص طور پر بہت بڑھ گئی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ مہیشن کا بقیہ روپیہ یک مشت مل جائے گا اور تمام قرض بے باقی ہو جائیں گے لیکن مقدمہ نے طول کھینچی جب فیصلہ غالب کے خلاف ہوا اور روپیہ ملنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو معلوم ہوتا ہے کہ دو سا ہونہاروں نے غالب کے خلاف دعوے دائر کر دیا تھا۔ اور ڈگریاں لے لیں تھیں یہ ۱۸۴۵ء کی بات ہے جب ویم فریزر قتل ہوئے تھے۔ اس زمانے میں بلند پایہ افراد کے متعلق یہ دستور تھا کہ قرضوارہ انہیں گھر سے گرفتار کر کے قید نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اگر وہ لوگ گھر سے باہر نکلتے تھے تو انہیں یکڑ کر حالت میں بھجوا یا جاسکتا تھا۔ غالب نے گرفتاری کے خوف سے اس زمانے میں دس دن وقت گھر سے باہر جانا بند کر دیا تھا اور وہ رات کی تاریکی میں سیر کے لئے نکلتے تھے۔ وہ خوشی امام ناسخ کو یہ تمام حالات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :-

نہیں شرارہ کہ دوزخ من صہر و ثبات زونداں بود کہ مدت از گردہ داسم طلباں خیال نہ
تمامہ عدالت انگریزی بہت ڈگری حق من از عدالت حاصل کروند جوں فرجام من سب
کہ یازمند رجہ ڈگری گزارہ شود باقی بہ بند و زندان دادہ یہ۔ و دریں بار دشاہ دگر بر

کا بعد بجز کرم و خد نکھتا کون علم نہیں رہا۔ کل شام کو قریب تین بجے پہنچ گئی تھی کہ کھانا
منگوا لیا گیا۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

جیسے ہوتی کباب و ہونہ کی شکرگاہی محبت میں آنا۔ من وقت بھو اتنا سب اور
سب دن تک رات رات تک مانی میں بعد میں کے نہیں کے مرض یعنی یہ ہے۔
ذکوئی جنس میں اس کے تیل۔ اگر مردہ سے کچھ یا ذریعہ نہ لے۔ یہ ہون۔

مذہب سے تین برس بعد جب غائب کی نشانی کا سبب لکھا گیا ہے کہ وہ یہ ایک شہادت کا تو
نہایت ذہن و سماعت پر پندرو سو و یہ سووی ذہن و قلب و کباب و سووی و سب سے تفریق قرین
آخری نام۔ مثنوی صیب مذہب و کات کے نام کے ایک حدیث سے معلوم ہوا کہ زندگی کے
آخری ایام میں بھی غائب کی مہربانی میں سو روپیہ مانگتی۔ اور مانی کباب ایک سو باسٹھ
روپے تھی۔ فرماتے ہیں۔

ایک سو باسٹھ روپہ کا کباب و تیس سو روپے کا کباب۔ کباب سے زیادتی نہ
کہ زندگی دشوار ہے یا نہیں۔

نہیں سو روپہ کباب نہیں مونسے سے؟ اس کی کیا بات ہے۔ کباب سے کباب کا
پانچ چھ روپہ مانگنے سے آتی نہ کہ نہیں سو روپہ کباب کی جو میں نہ مانگے اور وہ نہیں پس
ہوں گی۔ کلمہ کا چہ بھی زیادہ نہ تھا میر خیال ہے کہ اس آئینہ میں وہ اپنے قرین
اتارے رہتے تھے اور ان کی آمد کا بڑا حصہ مختلف درجوں کی سلوں میں رہا تھا۔

بہارِ حیات و موت

نواں باب

دستانِ غد

بنا گرفت پناں سے دیرِ دیر کنوں برآیند آسماں غیبِ ارا آمد
 شرارد بار غبارِ زلفِ خاکِ کجیت سیارہ سپہ کاندیں دیار آمد
 تو کوئی آغوشِ من سے نہ دلت تو نہ زہرِ شست من ابرنگِ بار آمد
 یوں تو غالب ہے ہم یہ حیاتِ مادی تخیلِ ہی ایسا نہیں جس کی سیابی سمیتوں پریشاں
 دروں سسٹکیوں پر آہِ دفناں کے دھوئیں سے تیار نہ ہوتی ہو۔ یا جس کے مین بسطور کی آتش
 کے لئے دل و جگر کے خون کو بے دین صرف نہ کیا گیا ہو لیکن اس حیلِ القدر انسان کے اندر
 اور وہ وراثتِ قوسِ عربی کا نقطہ نہایت سلطنتِ غایہ کی تیارِ زوال کا وہ ذخیرہ
 زبانِ قلمِ مخزن ہے جو عام طور پر غدر کے نام سے معروف ہے۔

غریبوں کا زوال، تیموریہ سلطنت کی بساطِ جاہ و جلال حقیقتہً عالمگیرِ عظیم کے آخری سانس کے ساتھ
 ہی پسپائی جا چکی تھی۔ مشین اگر انتہائی تیزی کے ساتھ چل رہی ہو تو انجن کے دفترک جانے کے
 بعد بھی پیسہ تھوڑی مدت تک بہ دستہ لھو متا رہتا ہے اور مشین کی حرکت جاری رہتی ہے۔
 عالمگیر کی وراثت کے بعد سلطنتِ غایہ کے وجود کی حیثیت مشین کے پیسہ کی اس عارضی گردش
 سے مختلف نہ تھی جو انجن کے رُک جانے اور فعال طاقت کے سطل ہو جانے پر بھی کچھ وقت
 تک جاری رہتی ہے۔ حقیقت، دانش سمجھتے رہتے ہیں کہ گویا مشین اپنی اصلی حالت میں چل رہی
 ہے۔ آہستہ آہستہ پیسہ کی رفتار بے سستی بیدار ہوتی گئی۔ غارِ جنگیوں کے قوا تر۔ افرادِ روسا کی
 زرخیز پرستانِ کشمشوں کے سلسلے و تمنوں کے جھوم۔ جانشینوں کی نالائقی اور عدم صلاحیت

نے سلطنت کا شیرازہ اس طرح پریشان کر دیا تھا کہ اس کے دوبارہ مرتب و مربوط ہونے
 کی ہر کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی جس طاقت و قوت کی سطوت و قدانی سے کبھی
 اب دنیا زبانی اور کھپتی تھی وہ ٹکڑے ہو ہو کر خزاں دیدہ پتوں کی طرح ہوسکے مر جھونکے کی و
 میں جنے لگی تھی۔ خرسا و عالم شانی کے عہد میں اس شہنشاہ کا پیہا بھل سا کون ہو گیا تھا ہم مستعین بنی
 جگہ پر غلبہ تھی جس سلطنت کے حدود کسی زمانے میں کابل و قندھار سے لے کر ایک طرف براب
 و دوسری طرف اس کما می ایک پھیلتے ہوئے تھے۔ وہ سلطنت کتنی مستحالی و بی کمال
 فی پوری میں محصور ہوئی تھی لیکن اس کا نام باقی تھا۔ اور اس نے بسبب ہی کے عالم میں ہی
 بہت سی تھی کہ ہندوستان کے بڑے بڑے قطع کے ملک اپنی فرمانروائی کے پردوں
 پر ہی رہا۔ پورے جہاں کی ٹہریں لکوائے کے آزد و مند رہتے تھے اس کے کہن مہوں کے
 بنی سہی کی فرمانروائی کے موثق سمجھے جانے کی کوئی شکل نہ تھی تخت طاؤس افسانہ بن چکا تھا
 لیکن اس دیوان خاص کی دیواروں نے تخت طاؤس کے جلال و جبروت کی باریں دہی
 تھیں وہ باقی تھا اور تخت طاؤس پر بیٹھنے والوں کے وہ اعلافت بھی زندہ کھتے جن کی
 بے جا لی اگرچہ انتہا کو پہنچ چکی تھی لیکن دل قلعہ کی خاموش اور ساکت دیواروں کے سناٹوں
 میں درد استانیں محفوظ تھیں نہیں سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سے وہ بے بہ و نہ تھے جس
 اجس کے ساقیوں نے حول و عرض منہ بہر خلق میں ڈھکی مٹی میں سو برس تک زم زمی کیا کیا
 ورنہ سازوں کے ذریعہ سے زلاں دیات ٹپکا یا تھا وہ پریشان ہو چکی تھی ساقی ہونے کے
 سے نقاب خاک اوڑھ کر سو چلے تھے جرم و سہو و نیکے تھے لیکن یہ نہ کہستہ جاہر ہنس
 بے تک باقی تھا ہر شخص کی پادشاہ سر تھا جس دل نو ساز کے رون پر درختموں نے
 فرمانہ کی ہیں آؤں غصوں سے اٹھ کر اس ماری تک ہر وجود کو قس و سہ کو کسی مذلت
 اور نیا ذوق بخشا تھا اس سانے پر دے پھٹ پھٹے تھے لیکن ابھی تک تمام کان ہی لی تھے
 لکے ہوئے تھے جس چراغاں زار کی نظر فروزہ بگ بگ ہٹ نے روئے زمین بند کو دریا نو بہار کھ

تھا۔ جسے کہ تارے بھی زمین پر اتر آتے تو اس دریا کے نور میں بلبے بننا اپنے لئے ہٹ
 فخر سمجھتے، اسے افسردگی کی ہوائے مخالف بچھا چکی تھی لیکن ایک ٹٹا سا دیا باقی تھا جس کی
 جھلک عہد گزشتہ کی ضوافشاںیاں، وہ نور باریاں یاد دلا رہی تھی۔ غائب کے صریح نامہ کی "نوائے
 سرودش" نوائے تھی بلکہ اسی بربادی کا "نوائے" اور اسی تباہی کا "سرش" تھی۔

یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط دامن باغبان و کف گل فروش ہے
 لطف خرام ساقی و ذوق سکہ چنگ یجست نگاہ وہ فردوس گوش ہے،
 یا صبح دم جو دیکھتے آکر تو بزم میں نے وہ سرور و سورنہ جوش و خروش کر
 اور آخر یہ بھی کسنا پڑا کر ہے

داغ فسراق صحبت شب کی جلی ہوئی
 اک شمع رہ گئی تھی تو سود بھی خاموش ہے،

بدنِ خاہرس بکھری ہوئی انجن کے دوبارہ جنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اور شام یاس کے
 بعد بیچ اسیہ و آرزو پھرتی دکھائی نہیں دیتی تھی لیکن لال قلعہ کی سطوت کے مٹے ہوئے
 نقوش بھی بہت سے دروں کی سنگین کا سامان تھے۔ آہ! کہ قدرت کو سنگین قلوب کا یہ ہے
 سامان بھی پسند نہ آیا اور غنائی باد تند نے اس چراغ کو بھی بجھا دیا جس کا سارا فقیہ قریب
 قریب جل چکا تھا۔ اور جس کے روغن کا آخری قطرہ چراغ کی جھلک بابت کو سمجھانے میں صرف
 ہو رہا تھا۔

سادتہ اور غدر! سیرت کی سیاہ جب اپنے انگریز افسروں کو قتل کر کے دلی پہنچی۔ اور بہادر شاہ
 کی مستقل پادشاہی کا اعلان کیا کیونکہ بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہو
 کہ سلطنت خلیہ دوبارہ زندہ ہو گئی ہے اور بابر و اکبر و عالمگیر کی سطوت نے پھر خواب سے
 بیدار ہو گئی ہیں لیکن خود بہادر شاہ کی زخموں کے سامنے حقیقت حال زیادہ اچھی صبح
 بے نقاب تھی۔ مرحوم خیر و بلوں بنی داستان غدر میں فرماتے ہیں کہ پادشاہ ایک روز شیخ خا

میں سنگ مرمر کے تخت پر تشریف فرما تھے۔ میں (ظہیر مہم) حمید خاں جمہدار خاص برداران
فتح علی جمہدار کماران اور حسین بخش عرشی بنگی حاضر تھے۔

حضور نے ہم سے خطاب ہو کر فرمایا کہ تم جانتے ہو آج کل جو سامان ہوتا ہے اس کا انجام
کیا ہونے والا ہے؟ حمید خاں جمہدار نے ہاتھ باندھ کر عرض کی حضور ڈیڑھ سو برس کے بعد
حضور کا قبائل یاد رہا ہے۔ گنتی ہوئی سلطنت ضرور پس آئی ہے۔ پادشاہ سدست نے
فرمایا تم لوگ جیس جانتے ہو کچھ میں جانتا ہوں۔ مجھ سے سن لو کہ میرے بگڑنے کا کوئی سامان
نہ تھا یعنی تباہ فساد و دولت اخراج نہ ملک و سلطنت وغیرہ ہوا کرتے ہیں۔ یہاں
ان میں سے ایک چیز بھی موجود نہ تھی میں تو پہلے ہی فطیر ہو بیٹھا تھا مجھ کو کسی سے یہ خبر نہ تھی
... میں ترک کوشہ ایزدی میں نعرہ کاغذ بنائے ہوئے پارھروں کو سرہانے ہوئے
ہوٹا روٹی کھاتا تھا میرے بگڑنے کا کوئی سامان نہ تھا۔ اب جو نیچا بنانا ہے فیسک میرے
گنگ ٹی۔ وردی میں اگر بھڑکی فیسک برپا ہو تو تک نہ۔ اور زمانہ انجمنوں کے گھر کی تہی مٹوا
جنگ ملک سلاطین فقائیر کا نام چلا آتا ہے۔ دربار آئندہ کو نام و نشان یک ٹکڑا ہو جائے گا
یہ ملک حرام جو بنے آقاؤں کے خوف ہو کر یہاں اگر پناہ پذیر ہوئے ہیں کوئی دن میں ہوا
جاتے ہیں یہاں یہ اپنے خاوندوں کے نہ ہونے تو میرا ساتھ کہ دوں گا۔ یہ بدعاش میرے ہاتھ
آنے سے بجا نہ آئے اس کے بعد نگارہ یوگ سر اور میری دانا دکانہ ۱۸۰۰ کے گھر پر
چڑھا دیں گے۔ ورنہ لوگوں میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑیں گے گردنی باقی رہ جائے گا
آج کا میرا قول یاد رکھئے

تیموری خاندان کا آخری نام لہو اے دست و پا نہ رہتا تھا اور بس یقیناً تھا لیکن
قدرت کی عطا کی ہوئی بصیرت سے محروم نہ تھا۔ اس کی زبان پر جو کچھ جاری ہوا آخر پر ہو کر
دستبرداری غائبانہ قدر کے حالات کے متعلق ایک مستقل رسالہ (دستبرداری) سب جوان کی فوری نشر

کی سبک جو اس کا آخری و شہوار ہے۔ یہ رسالہ حقیقتہً غالب کا پرائیویٹ روزنامہ تھا جس میں کچھ ٹیپو
 گریٹس جو کچھ سنتے تھے قلمبند کرتے جاتے تھے۔ اس رسالے کی تسوید کا کام شروع ہوا تھا تو غالب
 دو یا تیس دوسرے شخص کو یہ یقین نہ تھا کہ انگریز ضرور کامیاب ہو جائیں گے اور مخالفین کا قلع
 قمع ہو جائے گا۔ لہذا یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اس رسالے کی ترتیب انگریزوں کی خوشنودی
 حاصل کرنے کے لئے شروع ہوئی تھی۔ کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس رسالے کے حالات و واقعات
 کو اندر کے متعلق غالب کی بے لوث رائے کا موقع نہ سمجھیں جو ہر قسم کی مصلحت اندیشی یا ترسیدگی
 سے پاک تھی۔ مذہب پر کم و بیش ایسی برس گزر چکے ہیں۔ اس مدت میں ملک کی سیاسی فضا کا رنگ
 بال بال بدل گیا ہے۔ زادید نظر اور نقطہ نگاہ میں تغیر پیدا ہو گیا ہے۔ پرانے نظریات کی جہتیں دہم
 برہم ہو چکی ہیں۔ ورنہ لی جگہ نئے نظریات کے عساکر کھڑے ہو گئے ہیں بلکہ سب سے غالب
 کی رائے بے لوث نہ سمجھی جائے۔ یا اس کی تصویر میں بار بار تال ہو لیکن جن حالات میں
 یہ رسالہ نکلا اس کی سی تھی انہیں اپنی نظر رکھتے ہوئے رائے کو بے لوث سمجھتے ہیں۔ دل کی لولی وجہ
 ہمہ میں نہیں آتی۔ غالب کے اندر کے متعلق اچھی رائے غلط نہیں کی جائے اس کی ثابت ہوتی رہتی ہے
 نئی تھی۔ اس کے متعدد وجوہ ذہن میں آتے ہیں:-

۱۔ غالب طبعاً سلوک پسند و راسخ دوست تھے اور نہیں ہنگامہ زالی یا شخص پسند و وزیر
 پسند نہ تھے۔

۲۔ وہ ان کے پاروں سے شہروں میں انگریز مردوں، عورتوں اور بچوں پر جیسی کہ عام میں جو
 سرد و گرم تھے۔ ان سے غالب انسانیت دوست اور برکت دوست تھے۔

۳۔ جو انگریزوں سے ملنے آتے ان میں غالب کے دوست، محب اور سنا رہے تھے۔
 ۴۔ عہدہ مست کے عہد کے لئے جو کوشش کی گئی تھی وہ بالکل غیر ناکام تھی۔ وہ ان کا نتیجہ
 مسلمانوں کی نجات اور مملکت مغلیہ کے آخری نقش کے محاسن کو کچھ نہ نکلا۔

۵۔ مسند داہا برہم تھے۔ ان کے گھر بار تھے۔ جائیدادیں نہ تھیں، اونچے و بچے

خاندانوں کی بساطیں الٹیں۔ اور وہ نام شبیبہ کے لئے محتاج ہو گئے۔

دہلی کی تباہی کا مرثیہ | لیکن انگریزوں کی فیروزی فتح مندی کے بعد دہلی، اہل دہلی، شاہی سچین اور دوسرے لوگوں پر جو ظلم و ستم ہوئے ان کے انہار میں بھی غائبے شامل نہیں کیا۔ دستنبو میں بھی ان سختیوں اور شدتوں کا ذکر ہے لیکن ان کے اردو مکاتیب کے دامن کا توجہ گوشہ ماتم کے آنسوؤں سے نظر آتا ہے۔ ذاتی حالات اور مالی پریشانیوں کے علاوہ غائب کے درد مند دل نے جس موضوع کو الفاظ و حروف کا ماتی لباس پہنائے پڑا وہ سے زیادہ توجہ ملی۔ وہ دہلی کی تباہی تھی۔ دہلی کی تباہی کا یہ مشورہ جو اپنی المہنا کی اور دردناکیزی میں کسی ظہور و جہ سے کم نہیں۔ چونکہ منتشر و متفرق تھا اس لئے اس کی اہمیت پر ہی طعن و اصرار نہ ہو سکی۔ پیشہ کوشش کی ہے کہ یہ داستان غم مرتب ہو جائے۔ غائب کی حالت یہ تھی۔ جہاں انہیں موقع ملتا تھا اس درد میں چند نام لکھ بیٹھتے تھے۔ اور خون کے آنسوؤں سے اپنے دل کی تحریر کو زنجیں بنا لیتے تھے۔ میں نے ان تمام آنسوؤں کو لکھا کروا دیا ہے تاکہ غائب کے غائب ترین کی اس آہ وزاری کے آئینہ میں دہلی مردہ کی صحیح تصویر آنکھوں کے سامنے آجائے۔ یہ تصویر غائب کسی اور موقع میں نظر آ سکے گی۔

دستنبو کا خلاصہ | من سب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے غائب کے رسالہ دستنبو کے اہم مطالب پیش کر دیئے جائیں۔ اس لئے کہ دستنبو کا متعلق موضوع ہی غدر خاں، ابتدا میں اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ غدر کا سارا زمانہ غائب خانہ نشین رہا۔ اور وہ تمام حوادث کے شاہد و ناظر نہ تھے بلکہ جو کچھ سن لیتے تھے لکھ لیتے تھے۔ بے شک حال سنانے والے سچہروں کے یا لے میں نے چند کسویں میں مرتب کیا تھا بلکہ میرے پاس تھا، نصف غائب نے سو اور کوئی کتاب نہ ملی۔ لاہور پہنچ کر معلوم ہوا کہ خواجه حسن نقوی صاحب نے روزنامہ غائب کے نام سے حالات غدر کو خود غائب کی تحریرات سے مدون کیا ہے۔ میں نے وہ رسالہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں سارے حالات جمع نہیں ہوئے۔ ثانیاً اس کی ترتیب کا انداز اسلوب اور ہے۔

کے قلعہ میں مارے جانے کی اطلاع ملی۔ ہر طرف سواروں کے دوڑنے اور پیادوں کے پہنچنے کا شور مچ گیا۔ پھر تو

ہرچ مشقت خاکے ماند کر اند خون گل انہوں نے زرد شدہ اے تاجدار
دو تہہ زونش، اندوز کر جوئے کو نام و آہ اداں ناتوان یہی چہرہ نازک اندام باغیوں
تے چوں سیم خامہ و دروغ تو کو دکان ہماں نابود کر۔ رنگتہ و تی رول بگل سے خند پرند۔ و
درغون خرمی بہتک و تہہ و تہہ جوئے گرفتہ رمدہ پاپ بارہ شرب خون فرورفتہ۔

غدر کی غرض و غایت کے تعلق اختلاف راستے ہو سکتا ہے لیکن یہ نکتہ قتل کو کون جائز قرار دے سکتا ہے؟

ہمس غدر کا ہتھیار غالباً لگتے ہیں کہ انگریزوں کے قتل کے بعد باغیوں نے شہر میں جا بجا ڈیرے ڈال دیئے قلعہ میں باغ شاہی کو اپنے گھوڑوں کا گھل بنا لیا۔ اور شاہی زمین کو خواب گاہ کے طور پر ہتھال کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ مختلف مقامات سے خبریں آتے نکلیں کہ سپاہیوں نے اپنے سپہ سالاروں کو قتل کر ڈالا ہے۔ یہ سرحاں سپاہیوں اور کسانوں کے جھگڑے پکڑ لگے اگرچہ ان کے درمیان کوئی ساز باز اور کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا تھا لیکن سب ایک مقصد پر کمر بند تھے۔ گویا ہمیں زون تیسویں کی طرح سب ایک کمر بند میں بستہ تھے۔ بے شک ہندوستان کو آتش و سائش سے باطل پال کرنے کے لئے ایسے ہی جھگڑے کی ضرورت تھی۔
اُسے رات دروب بند ہو مہر سائش برائیس برائیس گروہ بند بانہ ازہ پرہ بھنٹا
ایچیں جا رو بگیتی آشوب سے خواہست۔

بے بسی دے ترقی [معلوم ہوتا ہے کہ غدر کے بعد دہلی میں عام بے نظمی شروع ہو گئی تھی۔ دہستان غدر میں جو چشم دید حالات پیش آئے ہیں اس بے نظمی کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں۔ غالب اس بے نظمی اور نقداب کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لشکر موجود تھے لیکن لشکر آرا نہ تھا سپاہ چتر تھی لیکن سپہ دار ناپید تھے۔ فرماؤ اؤں کی مصیبت اور ہندوستان کی ویرانی پر

کیوں رونانہ آئے۔

شہر اسے بے شہر یار پڑا زندہ اسے بے خداوند چنانچہ باغیچے سے باغیاں نہ تھیں
نابردمند رہن ان کی گردن آواز دہانہ بگن از تنہا۔ خانہ اویانہ لا۔ دیکھہ ازان بھانگنا
نہان خانہ شیس تا خوش را آراہند و شیشی خوش بہ مردم نہا بندیدہ بروہ چوں شرہ اخبرا
آفتہ دیک مردان آسودگی کریں دیکہ بہ رفتار آہندہ افادہ بہ بازار آہند ہزار جا سپر انداختہ۔

روشن گہروں پہنچیں وہ پھر فرماتے ہیں کہ چور مال و دولت لوٹ کر امیر بن گئے اور محل و شہم
ناکسوں کی شادمانیاں کے بستروں پر ہتھرت کر سٹنگے۔ روشن گہروں کے گھر میں تل بھی
نہ رہا جس سے چراغ بجاسکیں۔ رات کی تاریکی میں انہیں پیاس لگتی تھی تو اس کی روشنی
میں کوزہ و پیانہ کو دیکھ کر پانی چہتے تھے (معلوم ہوتا ہے یہ واقعہ خود غالب پر گزرا تھا) جو
لوگ مٹی فروخت کرنے کے لئے زمین کھودتے تھے وہ زہر دار بن گئے جو لوگ بزم سے
میں آتش گل سے چراغ روشن کرتے تھے وہ تاریک گہروں میں ناکامی کے دغ سے
جھنے لگے۔ قاصدوں نے خط لے جانے رک کر دینے۔ ڈاک کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا
سارے قاعدے الٹ گئے۔ دلیر اپنے سایہ سے ڈرنے لگے سپاہی شاہ و درویش پر
عکم چلائے لگے بھڑکی یہ صورت حال سزاوارا تم نہیں تھی اور اس گریہ پر خندہ رہا ہے؟
بجیب بات یہ ہے کہ ان مصیبت ناک واقعات سے بیزار ہی کا اظہار کیا جاتا تھا تو لوگ
ضعف ایمان اور خرابی مذہب کے طعنے دینے لگتے تھے۔

ہنگامہ نام | باغی شرع میں جو رہ پیہ اپنے ہمراہ لائے تھے انہوں نے شاہی خزانہ میں داخل
کر دیا۔ آہستہ آہستہ ہر طرف کے سپاہی جمع ہونے لگے۔ تا آنکہ شہر و ملی کے اندر اور باہر سوار
پیادہ کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔ بادشاہ نے اسے بڑے لشکر کو قابو میں رکھ سکتا
تھا نہ اس کا انتظام کر سکتا تھا لہذا خود لشکر کے قابو میں آ گیا ہے
شاہ را در میان گرفت سپاہ ویں گزشتن بود گزشتن ماہ

ماہ و بیگہ نہ گیسرد بسزہ چار وہ نہ گیسرد

شاہ ماہ گرفتہ را ماند مذ کہ ماہ دو ہفتہ را ماند

کو یا پادشاہ کی حیثیت اس چاند کی سی تھی جس کے گرد آلہ پڑا ہوا ہوا باغی جہاں سے گزرتے تھے جیل خانوں کے دروازے توڑ کر قیدیوں کو آزاد کر دیتے تھے۔ رانی یافتہ قیدی پادشاہ کے حضور میں آکر سرکاری کی درخواستیں کرتے تھے اور صوبیداری کے آرزو مند ہوتے تھے۔ کوئی نہیں بتاتا کہ ہر خواہشمند کو بار بار ہر پناہ طلب کو پناہ کیوں دیتے جاتے ہیں۔ غنیمت اور انگریزوں میں الگ انگریزوں کے قبضے میں صرف وہ پہاڑی، گنگنی تھی جو شہر سے جانب مغرب واقع ہے اور زیادہ دور نہیں۔ انہوں نے سی پہاڑی پر مدد سے اور مورچے بنا کر نوپل چڑھائیں۔ ادھر باغیوں کے قبضے میں جو توپیں آئیں انہوں نے شہر کی تفصیل پر بجائے نصب کر دیں لڑائی شروع ہو گئی۔ رات دن پتھروں کی طرح گولے برسے لگے۔

حکیم حسن احمد صاحب حکیم حسن احمد خاں کے ایک پروردہ نے ناجائز طریقوں سے، وپیہ جمع کر لیا تھا حکیم صاحب اس راز سے آگاہ تھے، پروردہ نے اپنی بددیانتی کو پہنچا دیا تھا، رکھنے کی غرض سے یہ افواہ اڑادی کہ حکیم صاحب انگریزوں کے ہی خواہ میں اور ان کے لئے جاسوسی کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ باغی بگڑ گئے اور حکیم صاحب کے قتل کی نیت سے ان کے مکان پر چڑھ دوڑے جس اتفاق سے حکیم صاحب اس وقت قلعہ میں پادشاہ کے پاس موجود تھے۔ باغی قلعہ میں پہنچے اور حکیم صاحب کو گھیر لیا خادم نواز پادشاہ نے اپنے آپ کو حکیم صاحب پر ڈال دیا اور اس طرح مظلوم کی جان بچائی۔ غنیمت نے حکیم صاحب کے ساتھ لوٹ لیا۔ مکان کو آگ لگا دی سارا مکان جل کر خاک ہو گیا۔ دیواریں دو دو ٹوٹ گئیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دیواریں مکان کے ماتھے میں سی پڑی ہیں۔

مختار احمد پور درویش آبادی دہلی سے باہر کے حالات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قسطنطنیہ میں رئیس فتح آباد نے پادشاہ کی خدمت میں عرضداشت بھیجی۔ خان بہادر خاں نے بریلی میں

لشکر جمع کیا۔ ایک سو ایک اشرفی اور تقریباً ساڑھو سا مان سے آراستہ گھوڑا اور ہاتھی بار شاہی میں بہ طور تہذیبیجے۔ نواب یوسف علی خاں والی رام پور دل سے انگریزوں کے دوست تھے لیکن ہمسایوں کے طعنوں اور شہر انگیزیوں سے بچنے کے لئے انہوں نے بھی مصلحتاً پادشاہ کی خدمت میں زبانی پیام ارسال کیا۔ لکھنؤ سے کچھ انگریز بھاگ کر محفوظ جگہوں پر پہنچ گئے جو قریبی بچے وہ بلی گاروں میں حصار بند ہو گئے شرف الدولہ نے ان انگریزوں کے وجود سے بے پروا ہو کر واجد علی شاہ کے ایک وہ سالہ فرزند کو تخت پر بٹھایا چونکہ ابتدا میں شاہانِ دودھ پادشاہ دہلی کے وزیر تھے اور اس وجہ سے انہیں غازی الدین حیدر کے ابتدائی زمانے تک نواب وزیرِ دودھ کا لقب حاصل تھا اس لئے شرف الدولہ نے اس لڑکے کو بھی پادشاہ ہند کا وزیر قرار دیا اور اپنے لئے وزیر کے پیشکار و دستیار کا لقب تجویز کیا پادشاہ کے لئے ایک گراہنا نذر بھیجی جس میں دو گھوڑے دو دواغی تھے ایک دریں کا یہ ہاتھی جو رنگ رنگ کے نمایاں گوبہروں سے مزین تھی۔ نیز الماس کے بازو بندوں کی جوڑی اور بعض سری چیزیں بھی کشمیری مددگاروں کا مدد | یہ حالات لکھنے کے بعد غالب دفعہ ۱۴ ستمبر کے واقعات پر پہنچ گئے۔ جبکہ انگریزی سپاہ نے کشمیری دروازہ پر حملہ کیا اور باغی شہر چھوڑ کر بھاگے۔ چار مہینے میں شہر کی جو حالت رہی اسے سرسری طور پر بیان کر چکے تھے قلعہ کے حالات سے تفصیلاً وہ آگاہ نہ ہو سکے اس لئے کہ غدر کے زمانے میں باہری نہیں بچے تھے سرسری حالات جو ان تک پہنچے ان کا محض ادب و برج ہو چکا ہے۔ انگریزی حملے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

مئی گزشتہ دہائی کل بروز داد ستمبر ستم بروز آورد داد

پس از چار ماہ و پس از چار روز فرد زندہ شد مہر گیتی فروز

تشی گشت دہلی ز دیوانگاہاں بہ مردی گرفتند فرز انگاہاں

ہر چند از یازدہم مئی تا چار و ہم ستمبر چار ماہ و چار روزہ مذکور است پس از انجا کہ اندازہ

بست و کشاد کا رہیں رنگ بست کہ شہر پر روز و شب از دست رفت و سحر و روز و شب
 و جنگ آمدے تو اس گفت کہ از دست رفتن و بست آمدن شہر جاں در یک روز بود۔

یعنی انگریزی کو پیر کے دن شہر پر باغیوں کا قبضہ ہوا اور ۱۴ اکتوبر کو پیری کے دن انگریز
 دوبارہ اس پر قابض ہوئے۔ لہذا اگرچہ چار ماہ اور چار دن کی مدت گزر چکی تھی لیکن دن کو
 پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بجا ہے کہ شہر جس دن قبضے سے نکلا اسی دن دوبارہ قبضے میں آیا۔
 انگریزی فوج کی زیادتیاں | یہاں تک باغیوں کی چیرہ دستیوں اور تمام انگریزوں کا بیان تھا اب
 انگریزوں کی زیادتیوں کی کیفیت سنئے۔ غالب لکھتے ہیں کہ فتح مند لشکر شہر میں داخل ہوا
 تو لوگ بلا امتیاز قتل ہونے لگے یہ مقررہ مساجد گھروں کے دروازے بند کر لئے۔
 ان کے نزدیک آبرو بچانے کا اور کوئی طریقہ نہ تھا۔ شہر میں جو باغی رہ گئے تھے انہوں نے
 مقابلہ کیا۔ دو تین روز کشمیری دروازہ سے لے کر چاندنی چوک تک ہر کوچہ رزگاہ ہمارا
 کشمیری دروازہ، ترکمان دروازہ اور دہلی دروازہ پر یہ قینوں دروازے باغیوں کے
 قبضے میں تھے۔ جب انگریزوں نے غصے اور غیظ کے عالم میں شہر کے اندر داخل ہو کر چند
 بے نواؤں کو مارنا اور چند گھروں کو جلانا روکھا۔ تو اس اظہار خشم و کین سے سب پر خوف
 طاری ہو گیا۔ بے شمار چھوٹے بڑے، نامدار و خاکسار نہ کورہ بالائینوں دروازوں کے
 راستے شہر سے باہر جانے لگے۔ اور باہری چھوٹی چھوٹی بستیوں یا مقبروں میں پناہ گزین
 ہو گئے۔ بعض نے وہاں بھی دم نہ لیا بلکہ مصیبتیں اٹھاتے اور سختیاں سہتے دوسرے
 مقامات کی طرف نکل گئے۔

ذاتی حالات | اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میرا مکان شہر کے اندر کشمیری
 دروازہ اور دہلی دروازہ کے درمیان واقع ہے اور دونوں دروازوں سے قریب یکساں
 فاصلہ پر ہے۔ لوگ جوق جوق شہر سے نکلنے لگے لیکن میرے دل میں نہ گھبراہٹ پیدا ہوئی
 اور نہ میں اپنی جگہ سے ہلا۔

گفتہ کہ چون گنگا ریشم بہر زرش منرا در قیسم نہ انگلیسیاں بے گناہ کش : آب دہوائے
شہرنا خوش ۔ مرا چہ افتادہ کہ در اندیشہ : آئے تباہ : فتم و انتاں و خیزاں بہرہ : فتم و رگوشہ
بے ترشہ با خامہ سیاہ جامہ ہم نہ با فتم و ہم از ترہ شورابہ با : دہم ارگ خامہ خوتا بہشتان

پرتیہ ستم و بے برگ خدا یا تاجہ

بہمنی شاد شوم کایں گزراگان بہشت

دہلی بیلگرزوں کا قبضہ | ۱۸ ستمبر کو شہر دقلہ پر انگریزوں کا پورا قبضہ ہو گیا۔ غالب لکھتے ہیں کہ اس کے بعد

غوغائے رود و کشت دگیر دار میں کو بہ نیز رسید ہمہ را از ہم دل دو نیم شد با بدینست
میں کو چہ خبر یک رہ و بیش از وہ دو از وہ خانہ نہ دارد و خرو چاہہ دریں کہے نیست ۔
بشر زن و مرد ہیں نر و مکہ زن را بچہ و را خوش است و مرد را شوارہ بر دوش بہرہ زندہ
چند کہ بجا ماندہ اندہ ہم دستالی من در از دروں بستند و بر من تن شک بہ سنگ
ہم پرستند تا کو چہ چنانکہ بکسید بود و رہتہ تیز شد ۔

ہمارا جہ پیا لہ کی سہی | اسی کوچہ میں شریف خانی خاندان مقیم تھا جکیہ محمود خاں حکیم تھے خاں اور
جکیہ غلام اللہ خاں جو حکیم شریف خاں کی اولاد میں سے تھے سرکار پیا لہ میں ملازم تھے ہمارا جہ
پیا لہ نے محاصرہ دہلی و فتح دہلی میں انگریزوں کی پوری امداد کی تھی اور عدے لیا تھا کہ فتح کے بعد
اس کوچے پر بیرہ بٹھا دیا جائے تا کہ انگریزی لشکر آپ کوچہ کو زندہ پہنچ سکے ۔ چنانچہ ۱۸ دسمبر
کو ہمارا جہ کے سپاہی اس کوچہ کی حفاظت کے لئے پہنچ گئے ۔

شہر کی حالت | غالب لکھتے ہیں کہ وہ ستمیہ سے شہ کے تمام مکان اور دکانیں بند ہوئی تھیں ۔ نہ
گندم فروش تھا جس سے وہ خریدیں نہ دھوبی تھا جس سے کپڑا دھوئیں نہ حجام تھا جس سے
اصطلاح بنوائیں ۔ نہ خا کرو ب تھا جس سے مکان صاف کرائیں جب تک وہ روزہ کوچہ کھلا
تھا ۔ چیزیں سے آتے تھے لیکن جب دروازہ بند کر کے پتھر چن دیئے گئے تو جو کچھ باس تھا
اسی پر دارتوت لایوت رو گیا ۔ یہ سامان خرو خوش ختم ہو گیا نو دراقیں اور دونوں لنگی اور

گزرشکی میں گزرا ہے۔

پانی کی تلاش | جب ہمارا جہ کے پہرہ دار آگئے تو انہوں نے بتایا کہ کوچہ میں چاندنی چوک تک تو پھر سکتے ہو اس سے آگے جانا خطرناک ہے۔ دروازہ کھولا۔ اور مختلف گھروں سے آدمی ڈول، مشک، اپا کھال وغیرہ لے کر پانی لانے کے لئے نکلے۔ غالب کے دو ملازم بھی ساتھ تھے۔ بیٹھا پانی دور تھا اور وہاں تک پہنچنا دشوار تھا ناچا نیم شور پانی لے کر واپس آئے۔ جو لوگ پانی لانے کے لئے گئے تھے انہوں نے واپس آکر بیان کیا کہ لشکریوں نے چند سکانوں کے دروازے توڑے لیکن نہ آنا ملا نہ بھی میسر آیا۔

ہرستی کہ زندانیانہ زندگی میاں زہیم نکس سے آید کہ نفت رش بکوش خورد و نہ خورد
سے رویم کہ نادیدہ دیدہ بنامگرد ہر آئینہ سے تو انم گفت کہ گوشائے کرست و چہنما
ماکور و پیر و نازاں گوئد کہ کشان ماشرین است و آب ماشر روزے ناگاہ
ابر آمد و یاراں بارید چادر کے سنجیم منجھیراں نہادیم و آب رفتم تو بند بر لب ویا
بردار و پروستہ زمین فردبار و دریں بار ابر گردناید۔۔۔ جب از چشمہ زندگی آورد و چشمہ
آہنچہ سکندر و پادشاہی جست و نیافت این تیغ کام شور باد شام در تباہی یافت۔

یہ غالب کی حالت تھی جس کے کوچے کی حفاظت کے لئے ہمارا جہنپالہ کے سپاہی متعین تھے کہ چنے کو پانی میسر نہیں آتا تھا۔ مینہ برسا تو چادر باندھ کر اس میں مینہ کا پانی جمع کیا اور مشکا بھر اس سے اندازہ کیجئے کہ ان غریبوں اور کمینوں کی کیا کیفیت ہوگی جن کا کوئی محافظہ نگراں اور پاسبان و یا ورنہ تھا حق یہ ہے کہ وہی دالوں نے جس طرح انسانی زندگی کے بہتر سے بہتر دور دیکھے اسی طرح بدتر سے بدتر دوروں میں سے بھی انہیں گزارنا پڑا۔ ان کی نگاہوں نے جہاں غلٹ و جلال کے درخشاں مناظر میں صدیوں غوغا ہی کی وہاں ان کے سروں پر سے ناوہ شاہی رکتماز اور غدر کی ہنگامہ آرائی کے خونی سیلاب بھی گزرے۔ آج کون اندازہ کر سکتا ہے کہ ان کمینوں نے کیسے کیسے دکھ سہے ہوں گے اور کسی کیسے سختیاں

اٹھائی ہوں گی۔

غائب نے ضمناً اپنے خاندانی سوانح، اپنے بھائی کی دیوانگی، ان کے گھر بار کی غلط کاری اور ان کی موت کے حالات بھی لکھے ہیں۔ انگریزی فوج کے ظلم و زیادتیاں بیان کرنے میں غائب نے تامل نہیں کیا لیکن لکھتے ہیں کہ خود انگریزوں پر جو سختیاں ہو چکی تھیں ان کے انتقام میں اگر وہ دہلی میں کتوں اور مٹیوں کو بھی زندہ نہ چھوڑتے تو بجا ہوتا تاہم انہوں نے اپنے غصے کو ضبط کیا۔ اور جو زیادتیاں کہیں ان کی نسبت یوں سمجھ لو کہ جب کسی جگہ کو جنگ کے بعد فتح کرتے ہیں تو اس جگہ کے آدمیوں پر لازماً اس فوج کی سختیاں ہوتی ہیں۔

اہل شہر کی پیشانیاں | پھر فرماتے ہیں :-

از فروماندگان شہر بیارے را بر دل راندہ اند و اند کے ہم نہیں در بندیم و رسید
فروماندہ اند، و بارہ بیابان گردن پیروز نشین بیچ زمان نیست مگر در پیروں دشمنان و
دروں غنکایں را در ماں مست، کاش در دنیاں و بیرونیوں را در ماں نیست بہت
انہی بودے تا سبے تاملی و برائندی روت نہ نموسے۔

غائب نے کرنل کے پاس گئے اور اکتوبر کو رینڈ گورنمنٹ کے دستے کے دروازے کے پاس کی دیوار کو دھکے مار دیے۔ دھماکہ پھٹنے کے ساتھ ہی ان کی دیوار ختم ہو گئی وہ دوسرے گھر کو چھوڑ کر غائب مکان میں آ گئے لیکن انہوں نے سامان کو اٹھانے لگا یا۔ بلکہ غائب باقری، خاں حسین علی خاں، چند ملازمین اور دوسرے ہمسایوں سمیت کرنل برٹن کے پاس گئے جو غائب مکان سے دوسرے مکان کے محلے پر قطب الدین سوداگر کے مکان میں مقیم تھے کرنل نے نام نہاد حالات پر چھ کر اسی روز انہیں واپس کر دیا۔

خاندان لوہار کی حیثیت | امراتے شہر کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب شہر فتح ہو تو امین الدین احمد خاں اور نبی راہہ بن احمد خاں بھی اپنے اہل و عیال سمیت تین ہفتیوں اور یا پھر محلوں کے ساتھ لوہاروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ دو تین روز آرام

کی غرض سے مہرولی میں ٹھہرے لیکن اس شامیں شکریوں نے ان کا سارا سامان لٹ
 لیا۔ اور صرف تین ہاتھی باقی رہ گئے وہ بے سرو سامانی کے عالم میں دو جانہ پیچھے جہاں
 حسن علی خاں میں دو جانہ نے ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو پادشاہ ایران نے ہمایوں کے
 ساتھ کیا تھا۔ کشترو ملی کو ان کے حالات کی اطلاع ملی تو، مین الدین اور ضیاء الدین کو اپنے
 پاس بلایا۔ اور وراثت کشتروں۔ لیکن نرم جواب سن کر کچھ نہ کہ اور یوں غامض مانی کے
 پہلو میں قلعہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ جو سامان ساتھ سے کر نکلے تھے وہ نہروں میں غارتگروں کی
 نذر ہوا۔ وہی ہیں ان کے مکان میں پتھروں اور اینٹوں کے سو کوئی چیز باقی نہ رہی۔ دروسم
 و کسترونی و یوشدنی کے غنمان کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرے دوسری رفتاری | دو تین روز بعد عبد الرحمن خاں ولی بھیج کر پٹنہ سے اور یوں عام
 میں صہریا۔ ۳۰ راسو بکواندنی میں ولی فرخ نکر کے آئے۔ ۲۰ نومبر کو جہاں در بک خاں ولی بہادر
 پکڑے آئے۔ ۲۰ نومبر کو راجہ بلب شہ گرفتار ہو کر آئے۔ ولی کے ماتحت۔ مات جاگیر پال
 تھیں۔ لوہارو۔ جیتھر۔ بہادر گڑھ۔ باب گڑھ۔ فرخ آباد۔ دوخانہ و رہا ٹودی پنج جاگیر اریکڑ
 آئے بقیہ و معروض بیم میں تھے۔

سامان میں مدعاں | مظفر الدول سیف الدین بہادر خاں درو الفقار الدین حیدر خاں حسین مرزا شہ
 کے خاندان و بہاں کے معزز و مہیوں میں سے تھے اپنے بہرے تھو و چپو کرزن و فرزند سمیت
 باہر چلے گئے تھے ان کا ٹھکانہ کیا نہایت بیش بہا ساز و سامان غارت کر لیا گئے
 بعد ازاں مکان کو آگ لگا دی گئی جو کچھ باقی بچا تھا۔ و تدرائش ہو گیا۔
 پادشاہ و شہ دے | شہزادوں اور پادشاہ کے مطلق تھے میں :-

۱۔ شہزادگان سہراں رہیں تو اس سرود کے راز دہانت مرگ۔ و ان خور تھوگ

فرور و دیندے را و جسم بعد چاقی۔ پشائش پس رواں و دن مسر و خسر و جہاں میں

رند نشین اند و شہزادگان و دواں تو ۲۔ دے زمین۔ ربا و شاد رک اما نگاہ

کہ ماتم زدہ تائب و توبان است فرمان گیر و دار بہ نغاز باز پرس روان است۔

یعنی شہزادے یا گولی سے مارے گئے یا پھانسی دیئے گئے۔ جو باقی بچے وہ یا تو قید ہو گئے یا چھپ چھپا کر بھاگ گئے اور آوارہ و سرگردان پھر رہے ہیں۔ بادشاہ ضعیف و ناتوان پر عقد حیرت ربا ہے، جھجھکتا ہے اور فرخ نگر کے رؤسا کو ایک ایک کر کے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ غالب کس دروسے لکھتے ہیں:-

گولی بد انسان گشتند کہ کس نیار و گفت غم بختند۔

مسلمانوں پر سختیاں | اب مسلمانوں کی کیفیت سنئے۔ جنوری ۱۸۵۷ء میں ہندوؤں کو شہر کے اندر آباد ہونے کی اجازت مل گئی لیکن غالب فرماتے ہیں کہ

مسلمانان از خانماں آوارہ را اند بسکہ از ستن سبزہ در دیوار خانہ آئے آناں سبز است

ہر دم اند زبان سبزہ سر دیوان میں نوابہ گوش سے خرد کہ جائے مسلماناں سبز است۔

مسلمانوں پر سختی کی کیفیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب کسی شخص نے حاکم شہر کے پاس شکایت کی کہ شریف خانی خاندان کا مکان ہمارا جد پیاہ کی حفاظت میں ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی جائے پناہ بن گیا ہے۔ مگر اس میں باغی بھی چھپے بیٹھے ہوں۔ تو ۲۴ فروری ۱۸۵۷ء کو سپاہیوں کا ایک دستہ اس مکان پر پہنچا اور حکیموں کو ساتھ آدیو سکت ساتھ لے گیا۔ ۵ فروری کو حکیم محمود خاں حکیم مرتضیٰ خاں اور ان کے عم زاد بھائی عبد حکیم خاں عرف کائے حکیم صاحب راہ ہو کر آگئے۔ چند روز کے بعد چند اور آدمی چھوٹ آئے۔ بقیہ پرل میں رہا ہوئے۔

۲۷ فروری ۱۸۵۷ء | ۲۷ فروری کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

چوں روز شب گشت و ازین شب سہرہ گزشت در دول داو خواہاں بر ماہ شب افزو

بدنساں راہ گزشت کہ نگزند گاں بے خواہست فغاں برداشتند کہ ماہ گرفت..... داو پندھاں

رنجور راہ آند و مند ان پس در از غمار داوند تا دانی کہ دریں شہر زنداں از شہر سر دیوان است خواہاں

اندروں میں ہر دو تباہ نمایاں مردم راہم دستاوردند کہ پنداری پیکر در پیکر سے خرد شادمان
کہ انہیں ہر دو بندہ ی خاندہ دوسرے کے جو گناہ پیش رہاں جان باختہ اند فرشتہ جانشان دانہ
نذر ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو ہوا۔ ۱۰ ستمبر کو انگریز دوبارہ دہلی پر قابض ہو چکے تھے لیکن غالب
۲۷ فروری ۱۸۵۸ء کے حالات میں لکھتے ہیں:-

مسلمان در شہر از ہزار کمس افزوں نہابی نامہ شمار دعائے نیز در اں ہزار کیست بست۔
گویا پانچ ماہ دس روز گزر چکے کے بعد بھی مسلمانوں پر سختی کا یہ عام تھا کہ شہر میں ان کی
نعدہ ایک ہزار سے افزوں نہ تھی۔ غالب لکھتے ہیں کہ کچھ مسلمان اس قدر دور کل گئے تھے
کہ گویا وہ دہلی کے باشندے ہی نہ تھے بہت سے شہر کے ارد گرد دو دو چار چار کوس پر
گڑسوں، چھپروں اور کیے مکانوں میں اپنے بخت کی طرح سوتے پڑے تھے۔
فتمی است۔ بست نہیں | غالب امیر آدمی نہ تھے۔ ان کا گزارہ فیشن اور خواہ پر تھا۔ آمدنی کے یہ
دونوں ذریعے نہر کے ساتھ ہی مسدود ہو گئے تھے۔ اثاثہ بیت میں سے جو قیمتی چیزیں
پاس تھیں۔ ان کی کیفیت سن لیجئے۔

کہ باؤدنگیم صاحبہ غالب (بے آنکھ بن گویا چیز مانے گراں اور انداز پر درخت ہر چہ دست
نہانی اور غاندہ کا سے صاحب پیرزادہ فرستاد تا دانا غا در نہا سخا نہ نگاہ دہشتند و در کل شہر
حوں رشکدار بان تھہرا کسودند و شکربان نمان بغیا باقتدر از موزن آں راز با من در میان
نہا کار از دست رفتہ بود و در من و در دن رگنہائی نہ ماندہ تن مردم و خود را در خیر عظم
کہ چون فتمی بود نیک ہست کہ از غاندہ سن نہ رفت۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ فیشن کا سرشتہ گم ہے۔ اوڑھنے بچھونے کی چیز بیچ
یت کرین پروری کر رہا ہوں دوسرے روٹی کھاتے ہیں، وہیں کپڑا کھاتا ہوں ڈرتا ہوں کہ
جب کپڑے ختم ہو جائیں گے تو بیکاری اور گرنگی دونوں کا شکار ہو جاؤں گا۔

بہادر جنگ خاں رئیس بہادر گڑھ کا فیصلہ، رحون کو ہوا ان کی

ریاست چھن گئی۔ ایک ہزار روپیہ مالانہ پنشن مقرر ہوئی اور انہیں لاہور روانہ کر دیا گیا۔ ^{الدین} احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں بے گناہ ثابت ہوئے اور ان کی ریاست واپس مل گئی۔ لیکن یہ واقعہ غالب کی دستنبوئیں مذکور نہیں اس لئے کہ دستنبوئیں جولائی تک کے واقعات ہیں اور امین الدین و ضیاء الدین کی جاگیر جولائی کے بعد واکزار ہوئی۔

نا قابل بیان مصیبتیں | اب اردو مکتب میں غدر کے واقعہ ہائیکہ کی سرشہ خوانی ملاحظہ فرمائیے۔ ابتدائی تحریرات اگرچہ بہت بھل ہیں لیکن بے حدود و انگیزہ ہیں مثلاً حکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں اور غدر کے متعلق اردو میں غالب کی غالباً یہ پہلی تحریر ہے۔

میاں حقیقت حال اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اب تک جیتا ہوں۔ بھاگ نہیں گیا۔

کھلا نہیں گیا۔ نہ نہیں کسی حکم میں اب تک باپا نہیں گیا۔ مرض باز پرس میں نہیں آیا۔ اپنے دیکھنے کیا ہوتا ہے۔

پھر ۲۶ دسمبر ۱۸۵۷ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں:-

انصاف کرو۔ تمہوں تو کیا لکھوں۔ کچھ نہ لکھتا ہوں یا لکھنے کے قابل ہے؟ تم نے جو کچھ لکھا تو کیا لکھا۔ اور اب میں جو لکھتا ہوں تو کیا لکھتا ہوں بس اتنا ہی ہے کہ اب تک تم ہم جیسے ہیں زیادہ اس سے نہ تم لکھو گے۔ میں لکھوں گا۔

۹ جنوری ۱۸۵۸ء کے ایک مکتوب میں دہلی کے حالات کی بے یقینی اور بے طمینیائی کی طرف یوں اشارے فرماتے ہیں:-

جو دم ہے نہیں ہے۔ اس وقت ہمیں خیال تھا کہ جیتا ہوں بعد گھڑی بھر کے کیا ہو کچھ سلاہ نہیں قسم ہاتھ میں ہے برجی بہت کچھ لکھنے کو چاہتا ہے۔ مگر کچھ لکھ نہیں سکتا۔ اگر لکھتا ہوں تو میں ہے تو کہیں گے ورنہ انا خدا وانا الیہ راجعون۔

ہونا ک انقلاب | غدر ایک زلزلہ تھا جس نے سب کچھ زیر و زبر کر ڈالا تھا۔ غالب کے دل پر اس انقلاب کا اتنا اثر ہوا تھا کہ وہ ہنود کے عیسائیوں کے مطابق

سمجھنے لگے تھے کہ جون بدل گئی ہے جنم تبدیل ہو گیا ہے۔ ہر گوپال تفتہ کو لکھتے ہیں :-

صاحب تم جانتے ہو کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اور کیا واقعہ ہوا؟ وہ ایک بہم تھا جس میں بہم نہ ہم
دوست تھے۔ اور طرح طرح کے بہم میں ہمیں معاملات ہر محبت و رشتہ آئے۔ شوکے۔ دہون
جمع کئے۔ اس زمانے میں ایک بڑگ تھے اور ہمارے تھارے ولی دوست تھے منشی نبی
ان کا نام اور حقیر ان کا تخلص۔ نہ وہ زمانہ نہ وہ شخص نہ وہ معاملات نہ وہ اختلاط نہ وہ
انہما ہر چند مدت کے پھر دوسرا جنم ہم کو ملا اگرچہ صورت اس جنم کی بعینہ مثل پہلے جنم کے
ہے یعنی ایک خطا میں نے منشی صاحب کو بھیجا اس کا جواب آیا۔ ایک خط تھاراکہ تم علی موسوم
منشی ہر گوپال تخلص تفتہ ہوا میں جس شہر میں رہتا ہوں میں کا نام ملی اور اس محلے کا نام ملی اور
کا محلہ لیکن ایک دوست اس جنم کے دوستوں سے نہیں پڑ جاتا

پھر اپنی حالت لکھتے ہیں کہ میں حکیم محمد حسن خاں کے مکان میں رہتا ہوں دیوار بہ دیوار حکیموں کے
گھر ہیں جو راجہ زندر سنگھ والی پٹیل کے ملازم ہیں۔

راجہ نے صاحبان عالی شان سے عہد بیا تھا کہ برقت غارت دہلی یہ لوگ محفوظ رہیں گے۔
جینا پچ بعد فتح راجہ صاحب کے سپاہی رہاں تہیجے اور یہ کوچہ محفوظ رہے نہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں۔
ہم گہر ویرانی شہر کی ہے آبادی اور ویرانی کی کیفیت بیان فرماتے ہیں :-

مبالغہ نہ جانتا میر فریب سب عمل گئے۔ جو رہ گئے وہ نکالے گئے۔ جاگیر و انیشن و اربو
ہل حرفہ کوئی بھی نہیں بچیل لکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ ملازمان قلعہ پر شدت ہے باز پرس ہوتا ہے
میں جلتا ہوں۔ مگر وہ ذکر جو اس مقام میں ذکر ہوئے ہیں اور ہنگامہ میں شریک رہے ہیں۔

ندہ سے بے تعلقی قلعہ کے ساتھ غائب کیا بھی ویسا ہی تعلق تھا جیسا کہ دوسرے ملازمین کا لیکن غائب
نے غدر میں قطعاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا بلکہ سرے سے قلعہ ہی نہیں گئے۔ مگر وہ کسی ملا خطہ ہو کہ اپنی
بے گناہی اور ارباب جرم و بے نی کے ساتھ بے تعلقی کے ضمن میں بے تعلقی و رابطہ دربار شاہی
کو بھی بے حقیقت ظاہر کر رہے ہیں فرماتے ہیں :-

میں غریب شاعر، دس برس سے تاریخ لکھنے اور شکر کی اصلاح دینے پر متعین ہوا ہوں تو ابھی
اس کو ذکر کی سمجھو خواہی مزدوری اس فتنہ و آشوب میں کسی مصیبت میں میں نے دخل نہیں دیا اور
نظر اپنی بے گناہی پر شہر سے غل نہیں گنا میرا شہر میں ہونا حکام کو معلوم ہے۔ مگر چونکہ میری طرف
پادشاہی دفتر میں سے یا خبروں کے اں سے کوئی بات نہیں پائی گئی۔ لہذا اعلیٰ نہیں ہوئی۔
ورنہ جہاں بنے بڑے جائیدادیں رہائے گئے (مثلاً دارودے) یا پکڑے ہوئے (مثلاً جھجر،
باب گڑھ ہمارا گڑھ فوج نگروں) آتے ہیں، میری کیا حقیقت ہے۔

مارشل لا | شکر کی ویرانی کا فوج ایک اور جگہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں :-

اپنے مکان میں بیٹھا ہوں دروازے سے باہر نہیں مل سکتا سو دروازے اور گھبراہٹ میں جانا تو بڑی
بات ہے۔۔۔ ہاں کہ کوئی میرے پاس آوے شہر میں ہے کون ہو آوے۔ گھر کے گھر بے چراغ بڑے
میں مجرم سیاست پاتے جاتے ہیں جرنیلی بندہ دست (مارشل لا) یا زہم مہی سے آج تک
یعنی شبہ پنجم دسمبر ۱۸۵۷ء تک پورے ملک پر دھڑکا حال مجھ کو نہیں معلوم بلکہ ہنوز ایسے
امور کی طرف حکام کی توجہ ہی نہیں دیکھتے انجام کیا ہوتا ہے۔

تقدم خوں میں شادری | چودھری عبدالغفور خاں سرور مارہروی کو لکھتے ہیں :-

میں مع زن و فرزند ہر وقت اسی شہر میں تقدم خون کاٹنا اور رہا ہوں دروازے سے باہر
قدم نہیں رکھا۔ نہ پکڑ گیا نہ قید ہوا۔ نہ مارا گیا کیا عرض کروں میرے دل نے مجھ پر کسی غناہ
کی اور کیا نفس مطمئنہ بنایا۔ ال و آبرو میں کوئی فرق نہیں آیا۔

نگر زعفران سے نہ لے | غالب نے غدر کے بعد خود بھی کسی انگریز افسر سے ملنے کی کوشش نہیں کی
حالانکہ دارو گیر کے زمانہ میں اکثر اشخاص اپنے بچاؤ کے لئے جھوٹے افسانے بنا بنا کر حکام
ہاں اعتبار حاصل کرنے کی کوششیں کرتے۔ لکھے تھے۔ جھوٹے خبروں کا بہت زور ہو گیا تھا۔
اور بہت سے آدمی ان خبروں ہی کی غلط بیانیوں کے باعث پھانسی پا گئے غالب لکھتے ہیں
فدائی نہیں ہوں۔۔۔ ریوش نہیں ہوں بلکہ بائیں گینا و درویش سے محفوظ ہوں کسی طرح کی باز

ہو تو بچایا جاؤں مگر ان جیسا بلا یا نہیں گیا۔ خود بھی بدستے کا نہیں آیا کسی حاکم نے بھی
 ملا۔ خط کسی کو نہیں لکھا کسی سے درخواست ملاقات نہیں کی۔ مئی سے مئی بند ہے، کہو
 یہ دس مہینے کیوں گزرے ہوں گے، انجام کچھ نظر نہیں آتا کہ کیا ہو گا۔

مسلمان بدستہ تھے | جیسا کہ دستنبو میں بیان ہو چکا ہے مسلمانوں پر سب سے بڑھ کر سختی تھی۔ غالب
 فرماتے ہیں :-

واللہ وھوندٹھے کو مسلمان اس شہر میں نہیں ملا کیا میرا غریب بھائی دھڑا کر کچھ میں
 تو باہر کے ہیں ہندو دھندہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔

یعنی شہر سے باہر بچنے میں ہندو اور مسلمان برابر تھے لیکن آبادی میں ہندوؤں کے ساتھ
 رعایت تھی گنتی اور مسلمانوں پر بدستور سختی اور شدت جاری رہی۔ غالب ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-
 ابھی دیکھا چاہئے مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں۔

بلا اجازت قیام کی ممانعت | غدر کے بعد کچھ مدت تک یہ حالت تھی کہ نہ باہر سے کوئی شخص بلا اجازت
 شہر میں آ سکتا تھا اور نہ بلا اجازت خاص قیام کر سکتا تھا۔ اسی زمانے میں چودھری عبدغفور صاحب
 سرور مارہروی نے غالب کے ملنے کے لئے دلی سے آئے کا قصد کیا۔ مین چودھری صاحب کے چچے نے
 انہیں روک دیا۔ چودھری صاحب نے غالب کو یہ کیفیت لکھی اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-

آجکے چچا صاحب نے کراہت کی جو آپ کو منع کیا۔ ڈاک کی سہاری پر آپ اس شہر میں آج
 مکان تک آجائے تو منہ نہ رہتا شہر میں بے حصول اجازت حاکم حتماً سرور تھا
 اگر غیر مذہب ہو تو نہ ہو اگر مذہب ہو جائے تو البتہ قہاحت ہے۔ نہ ہاں بھی ان کے نیچے نکاروں کی
 میرٹھ، اگر وہ یا بدو شریقہ کی شکل ہے یہ پنجاب حاکم میں سال سے نہ ان میں نہ ان میں
 کی جو رائے ہودہ دیسا ہی مل کر ہے۔

دہلی والوں پر جو سلسلے سختیاں ہو رہی تھیں ان کی کیفیت ایک تو یہ میں فرماتے ہیں۔
 یہ فتنہ و فساد اور ہلاکتیں مسلمانوں کی طرح آسان کی نہیں ہے۔ بل دہلی کے لئے

کراچی دار آباد نہ ہوں۔ بعد ازاں کراچی داروں کو بھی آبادی کی اجازت ملی غالب ۹ نومبر ۱۸۵۹ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں:-

آگے حکم تھا کہ مامان مکان میں کراچی دار نہ رہیں پرسوں سے حکم ہو گیا ہے کہ کراچی دار بھی رہیں کہیں یہ نہ سمجھا کہ تم یا رہا یا کوئی اور اپنے مکان میں کراچی دار کو آباد کرے۔ وہ لوگ جو گھر کا نشان نہیں رکھتے اور ہمیشہ کراچی کے مکان میں رہتے تھے وہ بھی آہ میں گھر کا کراچی دار شہر کے دروازوں پر پہرے انگریز ۱۸۵۹ء کو دہلی پر دوبارہ قابض ہو گئے تھے لیکن جنوری ۱۸۵۹ء تک شہر کے دروازوں پر پہرے بیٹھے ہوئے تھے۔ غالب ۱۸۵۹ء میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ سے ملنے کے لئے میرٹھ گئے تھے۔ تین چار روز کے بعد واپس آئے تو ایک خط میں مجروح کو لکھتے ہیں:-

مذراں شہر میں ایک حکم نیا ہوتا ہے

کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے

میرٹھ سے آکر دیکھا کہ یہاں بڑی شدت ہے۔ اور یہ حالت سب کدوؤں کی بربادی پر تباہی نہیں لاہوری دروازہ کا تھانہ دار موڈھا بچھا کر شہر پر نہیں ہے جو باہر کے ٹوپ کی تک بچا رہتا ہے۔ اس کو پانز کروالات میں بھیجتا ہے حاکم کے اس پانچ پانچ بید گئے ہیں یاد رہے یہ جرمادیا جاتا ہے آٹھ دن قید رہتا ہے۔

ان حالات کا اندازہ کیجئے اور سوچئے کہ اہل شہر کی کیا کیفیت ہوگی۔

ایک اور خط میں جو او۔ خرمیچ ۱۸۵۹ء کا ہے لکھتے ہیں:-

اولیٰ ماہ انگریزی میں روک روک کی شدت ہوتی تھی آنکھیں دسویں سے دو شدت کم ہو جاتی تھی۔ اس مینے میں برابر ہی صورت ہے۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:-

شہر کی آبادی ہا چر جا ہوا۔ کراچی کو مکان ملنے لگے۔ چار پانچ گھر آباد ہو گئے تھے کہ پھر وہ

قاعدہ مست گیا اب خدا جائے گیا دستور جاری ہوا ہے۔

مسلمانوں کے املاک ۱۸۵۹ء کے آخر میں مسلمانوں کی املاک و انکراشت ہوئیں غالب لکھتے ہیں۔

مسلمانوں کی املاک کی واکراشت کا حکم عام ہو گیا ہے جن کو کرایہ پہلی میں ان کو کرایہ پنا
ہو گیا ہے۔ تین ایک شنبہ حکم جنوری ہے۔ پیر دن چڑھا ہے کہ تم کو دیر مدی جروج کو ایہ خط
لکھ رہا ہوں اگر مناسب جانو تو آؤ۔ اپنی املاک پر قبضہ پا کر جا رہے ہیں۔ ہو جا رہے جاتے۔

شراب نا پید تھی غالب کے لئے غدر کے بعد ایک بڑی مصیبت یہ تھی کہ شراب نہیں ملتی تھی بہت
گراں ملتی تھی ایک خط میں لکھتے ہیں :-

نہ کہیں جائے گا ٹھکانا ہے نہ کوئی میرے پاس آئے والا وہ حق جو بہ ضرورت تھا
بنائے رکھتا تھا میرے نہیں۔

۲۱ دسمبر ۱۸۵۸ء کے خط میں بابو گو بند سہاسے کو لکھتے ہیں :-

دو قسم کی انگریزی شراب ایک تو کاس ٹین اور ایک ادلتہ نام میں ہمیشہ پیا کرتا تھا اور
یہ دونوں قسم ہیں روپے چار میں روپے دو جن آتی تھی اب یہاں پہلے تو نظری نہیں آتی
تھی اب پچاس روپے اور ساٹھ روپے دو جن آتی ہے۔ وہاں سے تم در یافت کروں گا
نہ کیا ہے اور یہ بھی معلوم کرو کہ بہ طریق ذاک پہنچ سکتی ہے یا نہیں۔۔۔۔۔ جاٹوں میں مجھ کو
بہت غلیف ہے۔ نہ لڑ پھال کی شراب میں نہیں پتا۔ یہ مجھ کو مضرت کرتی ہے اور مجھے
اس سے نفرت ہے۔

لکھنؤ معاوضہ کچھ مدت گزر جانے کے بعد ایک ٹکڑے معاوضہ قائم ہوا تھا۔ غالب اس کے متعلق
فرماتے ہیں :-

ایک ٹکڑے میں معاوضہ نقصان رعایا کے واسطے قائم ہوا ہے اور حکم یہ ہے کہ عسرت
کا مال کالوں نے نوٹا ہے بہتہ اس کا معاوضہ یہ حساب وہ ایک یعنی دس پیسے سے ایک پیسہ
سرکار سے ہو گا یعنی ہزار میں سے ایک سو روپے ہیں گے اور جو گوروں کے وقت کی غارت

ہے وہ ہر اور کھل ہے اس کا معاوضہ نہ ہو گا۔

ظاہر ہے کہ کالوں کے ہاتھوں وہی لوگ لٹے ہوں گے جو غریزوں کے وفادار تھے یا جن پر وفاداری کے شبہ کی گنجائش تھی۔ ان کو معاوضہ نہ ملا جو لوگ گوروں کے ہاتھوں لٹے وہ زیادہ تر بے گناہ تھے زیادہ تر بے قصور تھے۔ اکثر وہ تھے جنہوں نے غدر میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ ان کا گناہ محض یہ تھا کہ وہ دہلی کے باشندے تھے اور غدر ہو جانے پر بھی ان سے دہلی کی سکونت ترک نہ کی۔ مثلاً خود غالب کے بھائی کا مکان لٹا۔ غالب کی بیگم صاحبہ کا زیورہ اور دوسری قیمتی چیزیں لٹیں۔ رومرو والوں کا گھر لٹا۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی انگریزوں سے باغی نہ تھا اور نہ غدر میں کسی نے حصہ لیا۔ لیکن ان لوگوں کو کوئی معاوضہ نہ ملا۔

دوستوں مفارقت کا قلق | غالب کو ایک بڑا ہیچ اس بات کا تھا کہ ان کے اکثر دوست اعلیٰ درجے کے غدریوں مارے گئے یا تباہ ہو گئے۔ وہ فرماتے ہیں :-

کوئی نہ سمجھے کہ بنی بے رونقی اور نباہی کے غم میں مرتابوں - جو کچھ کچھ کو سب اس کا بنا
تو معلوم مگر اس بیاں کی طرقت اشارہ کرتا ہوں۔ انگریز کی قوم میں سے جو ان روسیہ والوں کے
ہاتھوں قتل ہوئے۔ ان میں سے کوئی میر نہ بگاڑا تھا۔ اور کوئی میر شفیق اور کوئی میر دوست
اور کوئی میر یار۔ اور کوئی میر شاگرد۔ مندوستانوں میں کچھ عزیز کچھ دوست کچھ شاگرد کچھ مشفق
سودہ سب کے سب خاک میں مل گئے۔ ایک عزیز کا ماتم تنہا سخت ہوتا ہے جو اتنے عزیزوں
کا ماتم دارموس کو زست کیوں کرنے دشوار ہو جائے اس لئے پارہے کہ جو سب میں مردوں کا
تو میر کوئی روسیہ والا بھی نہ ہو گا۔

پھر لکھتے ہیں :-

بنائی وہ زمانہ آباد ہے کہ سینکڑوں عزیز ہی ملک عدم ہو گئے سینکڑوں ایسے مفقود و مجبور ہوئے
کس کی مرگ و زبک کی جہ نہیں ہو دیا باقی رہے ہیں نہ جانے کہاں بستے ہیں کہ ہم ان کے
دیکھنے کو ترستے ہیں۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

ہزار دوست مر گئے۔ کس کس کو یاد کروں۔ اور کس سے فریاد کروں جیوں تو کوئی غمخوار
نہیں، وہ مردوں کو کوئی غمخوار نہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :-

سینکڑوں جگہ ہزاروں دوست اس ہاسٹل برس میں مر گئے خصوصاً اس وقت وہ شوب میں
آمد ہیں، تو شاید میرا کوئی جاننے والا نہ بچا ہو گا۔

دہلی کا نقشہ بدل چکا تھا۔ غالب بہت مغرب تھے۔ تمام حکام ان سے دوستا نہ ملتے تھے۔
لیکن غدیر میں ہر شے منقلب ہو گئی۔ غالب فرماتے ہیں :-

وہ حکام جن کو میں جانتا تھا۔ وہ ملکہ جن سے میری ملاقات تھی۔ وہ عدالت کے
قائم ہیں جن کو بچاؤ برس میں نے دیکھا ہے ایک کو نے میں بیٹھا ہوا اینرنگ روز ٹھہرا کا
تلاش دیکھ رہا ہوں یا عاقل و باخفا دور زبان ہے۔

فقیر و محتاج سلوک پر پابندی | جب خاص پابند باں اٹھ گئیں اور شہر میں آمد و رفت کی اجازت گئی
تو فقیر اور صاحب سلوک اس آزادی سے مستثنیٰ تھے۔ غالب لکھتے ہیں :-

فقیر اور محتاج جس پاس پر وہ نہ آتے۔ باقی ہندو مسلمان عورت مرد سوار پیادہ جو پاس
چلا جائے چلائے۔ مگر بغیر اجازت کے رات کو شہر میں رہنے نہ پائے۔

شہر میں کون تھا | اسی زمانے میں فشی شہزادین آرام مالک بھلیع مفید خلاق اگر وہ نے اخبار نکالا تھا
اور غالب کے خریدار مہیا کرنے کی استدعا کی تھی جو اب میں ارشاد ہوتا ہے :-

یہاں آدمی کہاں ہیں کہ خزانہ کے خریدار بھلا سماجن لوگ جو یہاں بستے ہیں وہ یہ ڈھونڈتے پھرتے
ہیں کہ گھیسوں کہاں سے ہیں بیت کنی ہو گئے تو جس پوری دیں گے۔ کانٹا اخبار روپے بیچنے کا
کیوں بول میں گئے۔

غالب کے کمالات نگارش کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ ضمنیاً بعض نہایت اہم باتیں

فرما جاتے ہیں۔ مثلاً خریداری اخبار کے ضمن میں دوا جنوں کے کیرکٹر کا پورا نقشہ چند الفاظ میں کھینچ دیا۔
ایک اور خط میں اسی قسم کی خوشی کا جواب یوں دیتے ہیں:-

مسلمان امیروں میں تین آدمی حسن علی خاں، نواب حامد علی خاں، حکیم حسن شاہ خاں،
سورن کا حال کہ روٹی ہے ترکیز میں سوندا بہاں کی اتناست میں تاجدب خد جانے سا
جانیں کہاں ہیں حکیم حسن شاہ خاں نے آفتاب مانتاب کی حریفی کر رہی ہے اب وہ
مکر حالات و بارشاہی کیوں میں گئے ہوائے ساہوکاروں کے یہاں کوئی امیر نہیں ملے گا
اس طرف کیوں توجہ کریں۔

ٹکٹ ادہلی کی فتح کے بعد اول کسی کو شہر میں آباد ہونے کی اجازت نہ تھی پہلے ہندوؤں کو
اجازت ملی بہت دیر بعد مسلمان مکان داروں کو اجازت ملی۔ پھر کرایہ داروں کو بھی اجازت
ملی کہ شہر میں رہیں لیکن کرایہ سرکار کو دیں۔ اس دوران میں ٹکٹ بھی جاری ہو گئے تھے جن کے
بغیر شہر میں جانے یا باہر نکلنے یا پھرنے کی اجازت نہ تھی۔ ٹکٹ قیمت ملتے تھے اور شخص کی
حیثیت کا اندازہ کر کے ٹکٹ کی قیمت کا تعین حاکم کی رائے پر موقوف تھا۔

۱۷۷۱ء سبابت علی خاں دلی جھجر کے جھوٹے بیٹے تھے۔ اپنے بڑے بھائی فیض علی کی ریاست دہلی میں ہل
رہے فیض علی کا انتقال ہو گیا اور ان کے بیٹے فیض علی خاں سندھین مرہٹوں میں جن علی خاں میں قتل ہو گیا۔
مقتدرہ ہوجی تک نوبت پہنچی۔ مرہٹوں کی حکومت نے صلح کر لی جس میں علی خاں کا تین ہزار روپیہ دانا، قلعہ بواہر، بڑی ہنسی
کی مرمت انیس دنا تھا اور وہ دہلی میں مقیم ہوئے۔ غدر کے دنوں میں کبھی کبھی بادشاہ کے پاس جاتے تھے جب گریز
دہلی پر تھا بعض ہوئے تو سب کچھ چھوڑ کر چلے گئے کچھ مدت دہلی سے واپس جنوری ۱۷۷۹ء کو واپس آئے۔

۱۷۷۹ء نواب حامد علی خاں اعتماد لدہ و فیصل علی خاں وزیر شاہ دودھ کے دودھتے ن کی بیوی کو باپ کے ترکہ سے لاکھ
روپیہ ملے تھا۔ حامد علی خاں دہلی چلے آئے۔ وہیں بھی خزانہ میں تین لاکھ روپیہ اس کے پاس تھے اور وہیں بادشاہ
تھا تھا۔ وہ بادشاہ کے وزیر بھی بن گئے تھے غدر کے بعد چودھینے حالات میں رہے۔ فروری ۱۷۷۹ء میں دہلی سے
۱۷۷۹ء دہلی کے مشہور امرا میں سے تھے۔

یہ بھی شہر ہے کہ پنج بزرگٹ چھاپے گئے ہیں جو مسلمان شہر میں قامت چاہے بقدر
مقدور اندازہ دے اس کا اندازہ قرار دینا حاکم کی رائے پر ہے روپیہ دے اور ٹکٹ لے۔
ایک اور خط میں لکھتے ہیں:-

اب یہاں ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ میں نے بھی دیکھے فارسی عبارت یہ ہے: "ٹکٹ آبادی
درون شہر بشرط ادخال جرمانہ" مقدور روپے کی حاکم کی رائے پر پنج بزرگٹ چھپ چکا
ہے کل ان تھیں ہے برسوں دو شنبہ سے دیکھتے یہ کاغذ کیوں کر تقسیم ہوں
منشی تفتہ کو لکھتے ہیں:-

یہاں دہر سے اندر کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا تمام زماریں کا ارادہ
تھانوں پر حکم پہنچ گیا تھا کہ دریافت کرو کون کون بے ٹکٹ مقیم ہے:-
سب تھانوں پر حکم ہے کہ دریافت کرو کون بے ٹکٹ مقیم ہے۔ اور کون ٹکٹ رکھتا
ہے۔ تھانوں میں نقشے مرتب کرنے لگے یہاں کا جمہاریہ اس بھی آیا میں نے لکھا
نہجے نقشے میں نہ رکھ میری کیفیت کی عبارت ایک لکھ عبارت کہ سہ شہرین و ہشت
سے حکیم پیار دے کے لکھا کی حریفی میں رہتا ہے نہ کاوں کے وقت میں نہیں بے گروہ
کے وقت میں عکا اور غنا یہاں کوئی برتن صاحب کے زبانی حکم پر اس کی قامت کا دار ہے۔
بنا کہ کسی حاکم نے رہے ہیں بدرب حاکم دولت کو متا ہے برسوں یہ بات جمعہ جانے
محلے کے نقشے کے ساتھ کو تو الی بھی دی ہے۔

حکیم غلام نجف خاں ن دونوں دو جان میں تھے، نموں نے لکھا کہ دو جانہ آج ہے۔
لیکن غائب جواب دیا ٹکٹ کے بغیر باہر نکلنا غیر ممکن ہے پھر میں کیوں گراؤں۔ یوسف میرزا
کے نام پر ایک خط میں فرماتے ہیں ٹکٹ موقوف ہو گیا۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط
شہر سے پہلے کا نہیں لیکن اس کی صحیح تائید کا یقین مشکل ہے۔

سکوں کا الزام باغیوں کی حمایت کے تحت غارت خانوں کوئی شہادت موجود نہ تھی لیکن کسی شخص نے کہہ دیا کہ غارت خانے نے یہ سب دیکھا ہے۔ حالانکہ یہ سب دوق نے مشاہدہ مرحوم کی تخت نشینی کے موقع پر ۱۸۳۲ء میں کئے تھے اور یہ اسی زمانے میں مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی باقر علی نے اپنے اخبار میں جس کا نام اردو اخبار تھا چھاپ دیا تھا۔ غارت خانے کو غدر کے بعد اردو اخبار کے قائل کی ضرورت پیش آئی تاکہ اس قاطع شہادت کی بنا پر اپنی بے گناہی ثابت کر سکیں۔ زمانہ آسانا زک تھا کہ حکام جس کے خلاف شرکت غدر کا الزام لیتے تھے۔ اسے جلد سے جلد سزا دینے کی کوشش کرتے تھے۔ غالب چودھری عبدالغفور ناں سرور مارہروی کو لکھتے ہیں :-

مولوی باقر علی دہلوی کے صلیب سے ایک اخبار مینے میں چار بار غارت خانے سے بہرہ منی ہوا۔ اخبار بعض اشخاص کسین، اشیاء کے، اخبار میں کر سکتے ہیں اگر چاہا، آپ کے کسی دوست کے پاس جمع ہوتے ہیں تو انہیں ۱۸۳۲ء سے دو چار مینے کے آگے کے اور ق جن میں بہادر شاہ کی تخت نشینی کا ذکر ہوا اور وہاں دوق کے دوستوں کے نام لکھے کہ نہ تر نہ رکھنے کا ذکر منبرج ہو بے خوف وہ اخبار چھاپے کا کھنہ میرے پاس بھیج دیجئے معلوم رہے کہ انہیں ہر سارا اخبار ۱۸۳۳ء میں تخت پر بیٹھے ہیں۔ اور دوق نے اسی مینے میں بار دو ایک مینے بعد یہ سکے کہ کر گزارے ہیں۔ اعتباراً چار پانچ مینے کے اخبار دیکھتے ہیں۔ سان کا بیری طرف سے ابرم ہے۔ اگر یہ نسل کسی اور شہر میں کوئی صاحب آپ کا دوست جامع ہوا اور آپ کو اس کا علم ہو تو وہاں سے منگوا بھیجئے۔

چودھری صاحب نے بہت کوشش کی لیکن اخبار نڈل سکے۔ غالب نے "جامہ جہاں نما" دلوں کو کلکتہ بھی لکھا۔ لیکن دہلی اردو اخبار کا مطلوبہ قائل وہاں سے بھی نہ ملا اور اضطراب بہ دستور باقی رہا۔ چودھری صاحب ہی کو لکھتے ہیں :-

سکہ کا دار نہ بچ پڑا چاہے کسی کوئی پھر یا اگر اب اس سے کہوں اس کو گواہ دوق۔ بہ دور

کے ایک وقت میں لکھے گئے ہیں..... ذوق نے یہ دو سکتے کہہ کر زرا نے بادشاہ نے
پسند کئے۔ مولوی محمد باقر جو ذوق کے معتقدین میں سے تھے انہوں نے ذوق اردو اخبار میں یہ
دونوں سکتے چھاپے۔ اس سے علاوہ وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے اس زمانے میں مرثیہ
اور گلکتہ میں یہ سکتے میں وزن کو یاد ہیں۔ اب یہ دونوں سرکار کے نزدیک میرے
کے جوئے اور گرامے جوئے ثابت ہوئے۔ میں نے ہر چند قلمرو ہند میں ”دل اردو اہل“
کا پرچہ ڈھونڈ کیوں نہ آیا۔ یہ وجہ مجھ پر اپنیشن بھی گیا۔ اور وہ ریاست کا نام و نشان
نفلت دور بار بھی مرثیہ خیر جو کچھ ہو، پر نہ کوئی رضا ہے تھی ہے اس کا نگہ کیا ہے۔

چوں جنبش پہرہ زمان را اور است

بیدار و بخود آنچہ بازار آسمان رسد

یوسف میرزا کو بھی اردو اخبار کی تلاش کے لئے لکھتے ہیں :-

اپنے دل کو تسلی دینے کا دریا بہ بہ حال یہ معلوم ہے کہ غائب کئے گئے نہیں کہتے لیکن بہ صورت
عدم دستیابی ثبوت و شہادت غائب اپنے دل کی تسلی کے لئے بعض عذرات تلاش کر لئے
یوسف میرزا کو لکھتے ہیں :-

میں نے سنا نہیں کہ اگر کوئی تو اپنی جان اور حرمت بچائے تو... یہ کٹہ نہیں ہے... اور

اگر گناہ بھی ہے تو کیا ایسا سہلین ہے کہ اندھ مغل کا اشتہار (عفو مامور) بھی اسے مرثیہ سکے۔

بھان اٹھ گولہ انداز کا بارود دہانا۔ اور توہیں لگانا اور بنگلہ اور میگا زمین کا لوٹن معاف

موتیا نے اور شاعر کے دوسرے معاف زمیوں میں صاحب گولہ انداز کا بہنوئی مددگار

ہے اور شاعر کا سال بھی جانب دار نہیں۔

آخری فقرے میں کیسے بیٹا نکتہ ارشاد فرمایا ہے بہنوئی کو اپنی بیوی کے بھائی کی موت
یا عیبت پر کتنا ہی رنج کیوں نہ ہو لیکن وہ اس رنج کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو سارے کوہن کے خاوند پر

مصیبت و آفت نازل ہونے کی حالت میں ہو سکتا ہے۔ غالب اپنے خطوں میں اس قسم کے طبعی جملے عموماً بلا تکلف لکھ جاتے ہیں۔

پگلی کا اتحاد فتح دہلی کے بعد پہلی مرتبہ شہر میں پگلی خانے مقرر ہوئے تھے۔ غالب فرماتے ہیں۔
شہر کا حال جانوں کیا ہے۔ ہون لونی کوئی چیز ہے۔ وہ بھی ہوئی ہے۔ سوئے نین
اور اچھے کے کوئی چیز بھی نہیں جس پر حصول نہ لگا ہو۔

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں :-

ہون ٹولی کے باب میں کوشل ہوتی رہوں، روز میر سے جاری ہوئی بسا لگ نام
خزائنہ، چھناں، ہین دس، ان تینوں شخصوں کو یہ کام پہنچا دینی بہرہ ہوا ہے۔ غلے در
اچھے کے سوا کوئی منس نہیں جس پر حصول نہ ہو۔

غلامی گزانی اس زمانے میں غلامیبت گراں ہو گیا تھا۔ غالب اس گزانی کی کیفیت ان لفظوں
میں بیان فرماتے ہیں :-

غلامیبت گراں ہے موت اوراں ہے۔ میرہ کے ہول نہ کہتا ہے۔ ماش کی وال آٹھ سیر ماچ
بارہ سیر ٹہوں تیرہ سیر چنے سورہ سیر کھی ڈیڑھ سیر ترہہ تہی مہی۔

ذرا اپنے زمانے کی حالت کو سامنے رکھ کر کہ اس گزانی کا اندازہ فرمائیے۔ غالب ان
غزوں کی بنا پر جو ہمارے نزدیک اعلیٰ درجے کی زانی کے منج میں فروتے ہیں کہ ہود کے
مول اندج بکتا ہے انہیں کیا معلوم تھا کہ ان کے بعد ایسا دور آنے والا ہے جس میں گزانی کے
یہ منج انتہائی کشائش کے زخموں کے مقابلے میں بھی اندر ہوں گے۔

چراغاں ایکم نو میرہ سیر کو دہلی میں چراغاں کا حکم ہوا غالب فرماتے ہیں :-

غیر بھی اس تیرہ سیر میں کہ قمارہ سینے سے پیش مقرر نہیں ہوا بنے مکان پر ہوتی رہے

مختلف عمارتوں کا اندازہ انگریزوں کے دہلی پر قابض ہونے کے بعد جلد چاہے تہہ تہہ مہ ہونا شروع
ہو گیا تھا۔ نئی نئی مشرکوں کی تجویزیں تھیں۔ یل کی تہہ بننے کی افواہ تھی۔ غالب بربادی کا ہوا

پہلے دیکھ چکے تھے۔ اس کے بعد اندام شہر ان کے قلب خزیں کے لئے کیوں سخت قلعہ شکن
 نہ ہوتا۔ چنانچہ ان کے مکاتیب اندام شہر پر پرج کے تذکروں سے لبریز ہیں لیکن اس پنج کا
 تفصیلی اظہار صرف انہی لوگوں کے نام کے خطوں میں ہے جو یا تو خود مہلی کے رہنے والے
 تھے یا اس کے مختلف حصوں سے پوری واقفیت رکھتے تھے بقیہ خطوں میں تفصیلی ذکر موجود نہیں
 جامع مسجد کے گرد میدان | میر ہمدی مجروح کو لکھتے ہیں۔

جامع مسجد کے گرد بچپن بچپن نہ گول میدان غمے گا۔ دکانیں دھوپیاں دھاتی جائیں گی
 وارث بقا قنا ہو جائے گی۔ رہے نام اندکا۔ خان جند کا کرچہ شاہ بولا کے بڑے ٹمک ٹمک ہے گا۔
 دونوں طرف پناؤ نہ مل رہا ہے۔

کشمیری کٹرہ گریگا | پھر فرماتے ہیں۔

کشمیری کٹرہ گریگا ہے وہ اونچے اونچے در و درہ زری می کوٹھڑیاں دور و دور نظر نہیں
 کر کیا ہوتیں۔ تہنی مشک کا آنا اور اس کی رہ گریگا صاف ہونا منزل متوی ہے۔
 دکانوں کا اندام دور کوئی کی بندش | ایک خط میں لکھتے ہیں۔

دوسرا بھاری دلی کی باتیں ہیں چوک میں بیگم کے باغ کے دروازے کے سامنے دھن
 کے پاس بوسہ قاسم۔ رنگت خاشاک ڈال کر بد رو دہلی۔ دھن کے دروازے کے پاس
 مٹی دکانیں ڈھاکر استہ چوڑا کر دیا۔
 دہلی کے بھگے | ایک جاہ فرماتے ہیں۔

بھائی کیا پوچھتے ہو کیا لکھوں۔ دلی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر ہے قلعہ چاندنی چوک بھڑوڑ
 مجمع بازار جامع مسجد کا۔ ہر مہینے سیر مناسکے پل کی ہر سال میلہ بھول والوں کا یہ پانچوں باتیں
 اب نہیں پھر کہہ دلی کہاں اس کوئی شہر ظہر ہند میں اس نام کا تھا۔
 میر ہمدی نے اپنے آنے کا ذکر کیا تھا انہیں لکھتے ہیں۔
 جامع مسجد کے پاس مغنی صدر الدین آندوہ کی قائم کی ہوئی درگاہ تھی۔

تم آتے ہو تو چلے آؤ جان شمارغاں کے چھتے کی اور خان ہند کے کمرے کی شرکٹ کھینے

جاؤ۔ بلاتی بیگم کے کمرے کا ڈبنا اور جامع مسجد کے گرد سترگ کا میدان غلٹاؤں جاؤ۔

فنا چشم کی علت | میر ہمدی کی آنکھیں دکھنی آگنی تھیں۔ غالب اس آزار کو بھی دہلی کے اندام کا نتیجہ قرار دیتے ہیں:-

تماری آنکھوں کے فنا کی وجہ یہ ہے کہ جو مکان دلی میں ڈھاسے گئے، وہ جہاں جہاں

شرکس غلٹیں متنی گرد آڑی، اس کو اپنے زراہ محبت اپنی آنکھوں میں جکڑ دی۔

دہلی کی زباں | میر ہمدی بھڑو نے ایک نزل اصلاح کے لئے بھیجی تھی جس کے مقطع کا مصرع یہ تھا

میاں یہاں دہلی کی زباں ہے

اس مصرعے غالب کے سادہ رو کا بتر بار چھیر دیا فرماتے ہیں:-

لے میر ہمدی تجھے شرم نہیں آتی۔ کیاں یہاں دہلی کی زباں ہے۔ اسے اب اہل دہلی ہند

میں یا اہل حق میں یا غامی میں یا بخالی میں یا گرسے میں۔ ان میں سے تو اس کی تعریف کرتا

لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا۔ ریاست تو جاتی ہی باقی ہرن کے کال ٹوں جو دیتے

اس خط میں آگے چل کر لکھتے ہیں:-

خاری کا کنواں ہند ہو یا لاں ڈنگی کے کوئیں حکم خاری ہو گئے۔ خیر خاری ہی پانی پیتے

گرم پانی غلٹا ہے پرسوں میں سوار موکر کوں کا حال دریا فت کرے گیا تھا مسجد جامع سے سچ

گھٹا دروازے کب سے باندھ یک صفحہ اس وقت سے۔ مینوں کے ڈھیر چڑھے ہیں اگر

اٹھ جائیں تو ہر کامکان ہو جائے یا کرومزا گوہر کے باغیچے کے س ڈنٹ کوئی ہنس نہ سچا

۱۵ غالب کا جو روزنامہ چندر خاں جن نظامی صاحب نے مرتب دیا ہے اس میں اس اقتباس کو غالب کی صاحب

کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے اور میر ہمدی بھڑو کے نام کے خط کو غالب کی منتقل تحریر ظاہر کرنے کے لئے آخری فقرہ میں ہے

کے مخاطب کو حذف کر دیا گیا ہے۔ بلاشبہ غالب کے دلی سے انتہائی محبت تھی لیکن اس ثبوت وہ نہیں جو فریبہ صاحب نے پیش کیا

ہے۔ انھیں میر ہمدی کی دیکھی نہیں کہ غالب کی شوب چشم کی شاعرانہ ترمیم کے پیدا کنندہ یقیناً غالب تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ

اب وہ باغیچے کے تختی کے برابر جو گیا یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند ہو گیا۔ فصیل کے کنگورے کھسے سہے ہیں باقی سب اٹ گیا کیشمیری دروازے کا حال تم دیکھ گئے ہو اب سنی شہرک کے واسطے کلکتہ دروازہ سے کابلی دروازے تک میدان ہو گیا پنجابی کٹرہ وصولی کٹرہ راجی مٹی، سعادت خاں کا کٹرہ، جرنیل کی بی بی کی حویلی، راجی داس گروام داسے کے بکات صاحب روم کا باغ و دریا ان میں سے کسی کا پتہ نہیں چلتا۔ قلعہ مختصر شہر کا صحر ہو گیا اب جو کنوئیں جاتے رہے اور پانی گوبہڑا یا ب، و گیا تو یہ صحر صحرائے کر بلا ہو جائے گا۔

شہر نہیں کہیں یہ تمام حالات زبان کرنے کے بعد پھر اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دہلی داسے اب بھی اس شہر کی زبان کو اچھا کئے جاتے ہیں۔

اسے بندہ خدائے دو بادار نہ رہا، اردو کہاں، دہلی کہاں، دہلی اب شہر نہیں ہے کیرے۔
جھاؤنی ہے، اند قلعہ شہر نہ باز آئے نہ۔

دہلی میں جو خردناک تغیر ہوا تھا اس کو مد نظر رکھتے ہوئے اس سے بہتر کیا کہا جاسکتا تھا کہ اب یہ شہر نہیں کہیں یہ جھاؤنی ہے عزیز الدین کو کہتے ہیں:-

صاحب کیسی سمانہز دوں کی سی باتیں کرتے ہو دلی کو دیسا ہی آباد جانتے ہو جیسی تھی۔
تو سحر بان کی تھی خیرتی کے جیہاٹ فتح اسد بگ خاں کے پھاٹک تک چرغ ہے۔
ہاں باد ہے تو یہ ہے رنڈا تمس خاں کی حویلی ہسپتال ہے اور ضیا مالدین خاں کے کمرے
میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں درجائے صاحب کے مکان میں ایک اور صاحب عالی شان
انجمن تشریف رکتے ہیں... لال کنوئیں کے محلے میں خاک اڑاتی ہے۔

اہل فوج اور اہل قلم دائرہ جہاں بعض حصوں کے اندام میں فوجیوں اور سول والوں کا اختلاف بھی تھا۔
مثلاً غالب فرماتے ہیں:-

فیل خانہ ملک پیر۔ لال ڈنگی کے میڈی کے مکانات سب گرسے گئے۔ جاتی بگیم کا کو پلٹو
سے اہل فوج (مٹری لے لے) دھایا جاتے ہیں۔ لال قلعہ (سول لے لے) بچاتے ہیں پایاں کار دیکھتے کیا ہو۔

آغا باقر کا امام باڑہ | آغا باقر کا امام باڑہ ایک مشہور قدیم عمارت تھی لیکن وہ بھی ڈھادی گئی۔ غالب لکھتے ہیں :-

آغا باقر کا امام باڑہ اس کے علاوہ کہ خداوند کا عزا خانہ ہے... ایک بنا قدیم رفیع مشہور
اس کے اندام کاظم کس کو نہ ہو گا۔ بیاں وہ شرکیں روڑتی ہیں ایک ٹھنڈی شرک و زیک
آہنی شرک گل بن کا جگ۔ لگ اس سے بڑا کریم بات ہے کہ گوروں کا بارگ بھی شہر میں
بنے گا۔ واقعہ کے آگے جاں دل ڈگی ہے ایک میدان غمناک حائے غم۔
پھر متفرق عمارتوں کے اندام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
کیوں میں دلی کے دیانہ سے خوش نژدں جب ہل شہر ہی نہ رہے شہر کوئے کے
کیا چوٹے ہیں ڈالوں۔

شرکوں کی نوبت | اندام عمارات کے وقت عجیب افواہیں تھیں کہا جاتا تھا کہ شرکیں غمیں گی
غالب فرماتے ہیں :-

شر و فل تھا کہ شرکیں غمیں گی۔ اور گوروں کی بھادونی بنے گی کچھ بھی نہ ہو، مرہٹ کر
ایک جان شمار خان کے چھتے کی شرک غل ہے۔
نواب علاء الدین خاں کو لکھتے ہیں :-
میری جان یہ وہ دلی نہیں جس میں تم پیدا ہوئے... ایک کیمپ بھمان ہل حرفہ
پاحکم کے شاگرد پیشہ باقی سلسلہ ہندو۔

شاہی خاندان کے افراد | شاہی خاندان کے افراد کی مصیبتیں قابل بیان نہیں غالب ایک موقع
پر لکھتے ہیں :-

سزول بادشاہ کے ذکور جتیبہ سیف تھے پانچ پانچ روپے مینہ پاتے ہیں اناث ہیں
جو پیرزن ہیں وہ کشنیاں اور جو نہیں کہ بیاں۔

غالب نے دستنبو آگرہ میں چھپوائی تھی۔ اس کی چند جلدیں حکام کی نذر کے لئے عمدہ بنوائی

منظور تھیں۔ تفتہ کو لکھا کہ اگر وہ میں جلدیں بھی بنواؤں تفتہ نے غالباً جواب دیا کہ جلدیں اپنے سامنے وتی میں بنو لیجئے۔ اس پر لکھتے ہیں :-

میرزا تفتہ تم بڑے بے درد ہو وتی کی تباہی پر تم کو رحم نہیں آتا۔ بلکہ تم اس کو آباد جاؤ
یہاں پنج پند تر میر نہیں صحاف اور نقاش کہاں۔

تیشہ اور کلند کی غنیانی | ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

یہاں شہر ڈھراسہ بڑے بڑے نامی بازار خاص بازار، اور بازار اور خانم کا بازار
کہ ہر ایک بجائے خود ایک قصبہ تھا۔ اب پتہ بھی نہیں کہ کہاں تھے۔ صاحبان اکمنہ دو گائینا
نہیں بتا سکتے کہ ہمارا مکان کہاں تھا اور مکان کہاں تھی برسات بھر مینہ نہیں برسا اب تیشہ اور
کلند کی غنیانی سے مکان گر گئے۔

دہلی اور کلند کا مقابلہ | ایک کتب میں لکھتو اور دلی کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

بہائی لکھتو میں وہ امن وامان ہے کہ نہ ہندوستانی عملداری یعنی ملکی حکومت میں
ایسا امن وامان ہو گا نہ اس قلعہ و قلاع سے پہلے انگریزی عملداری میں یہ امن ہو گا نہ امر
و شرف سے حکام کی ملاقاتیں۔ قدیم و نو قیریشن کی تقسیم علی العموم آبادی کا حکم عام ہو گا
کو کمال دی اور لطف سے آباد کرتے جاتے ہیں۔

گویا دلی میں نہ حکام امر اور شرف سے ملنا پسند کرتے تھے۔ نہ ان کی من سب تو قیر و تقسیم کی
طرف متوجہ تھے۔ نہ پٹن واروں کو فٹنیں ملتی تھیں۔ نہ آبادی کا حکم عام تھا اور نہ لوگوں کے ساتھ
نرمی اور لطف کا برتاؤ مرئی تھا۔

سیف الحق سیاح مسافر کے وسط میں لکھتو گئے تھے۔ انہوں نے غالباً لکھا تھا کہ لکھتو

میں بھی عمارتیں ڈھالی جا رہی ہیں جواب میں غالب لکھتے ہیں :-

لکھتو کی دہلی پر پول بننا۔ مگر تم یاد رکھو کہ وہاں بعد اس فساد کے ایک گون ہو گا۔

یعنی رہیں وسیع ہو جائیں گی۔ بازار اچھے محل آئیں گے جو دیکھے گا اور دے گا۔ اور دلی کے

فساد کے بد گون نہیں ہے۔ یہاں فساد و رقتا د چلا جائے گا۔ شہر کی صورت سونے اس بازار کے جو قلعہ کے لاہوری دروازے سے شہر کے لاہوری دروازے تک ہے ہر گز گز گئی ہے اور بگڑتی جاتی ہے۔

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ غدر کے بعد مسلمانوں پر بہت سختیاں ہونے لگی تھیں۔ غالب نے لکھنؤ کے مقابلے میں بھی اس کیفیت کو ردائیں پیرایہ میں بیان کیا ہے فرماتے ہیں:-
 وہاں لکھنؤ کے صاحب کشنربا در نے جو دیکھا کہ غلامیں ہندو بھرے ہوئے ہیں اہل اسلام نہیں ہیں۔ ہندو کو اور علاقوں پر بھیج دیا اور ان کی جگہ سب مسلمانوں کو بھرتی کیا۔
 یہ تو آفت دتی ہی پر ٹوٹ پڑی ہے۔

مولانا فضل بن خیر آبادی اندر کے الم نامہ کا ایک خوب چمکاں باب اکابر علم و جاہ کی صحبتیں ہیں۔ غالب کے مکتوبات میں اس کے متعلق بھی کافی مواد موجود ہے مولانا فضل بن صاحب خیر آبادی دواؤں میں معقول کے امام تھے۔ ان کی قدر و منزلت کا یہ عالم تھا کہ جب عدالت دہلی کی سررشتہ داری سے مستغنی ہونے تو نواب فیض محمد خاں دلی جھپٹنے پانسور وہہ مالانہ کی تنخواہ ان کے لئے مقرر کر دی جب دہلی سے ان کی روانگی کا وقت آیا۔ تو بہادر شاہ اس زمانے میں دہلی میں تھے انہوں نے مولانا کو طلب کر کے دو سالہ ملبوس خاص ان کے کندھوں پر رکھ دیا۔ انھوں میں آئینہ بھرانے اور فرمانے لگے۔

شامے گوئید کہ من حضرت سے شہر مرا جزا نیک پذیرم گزیریت اما یزد و نادا و اندک رقتا
 و دواع اول بزرگباں نے رسد لام ہزار جبر تعیل۔

غدر کے بعد مولانا بھی باغیوں کی اعانت سے محروم ہوئے اور انہیں جس دوام پر عبور دیا شور کی سنڑالی۔ غالب یوسف میرزا کو لکھتے ہیں:-

مولانا کا حال کچھ تم سے کچھ کو معلوم ہوا کچھ مجھ سے تم معلوم کرو۔ مراغہ میں حکم دوام جس جہاں
 بلکہ تاکید کی گئی کہ جلد دریا سے شور کی طرف روانہ کرو۔ چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا ان کا کیا

ولایت میں پہل کیا جا رہا ہے کیا ہوتا ہے جو ہوتا تھا سو ہو دیا۔ اناشد وانا لیلہ راجون۔

میاں داد خاں سیاح سیر کرتے ہوئے کلکتہ پہنچے تو غالب انہیں ۴ اکتوبر ۱۸۶۱ء کے خط میں لکھتے ہیں :-

اں خاں صاحب آپ جو کلکتہ پہنچے ہو اور سب عجبوں سے ملے ہو تو مولوی فضل حق کا حال بھی طرح و بہانہ کر کے مجھ کو لکھو کہ اس نے ربانی کیوں نہ پائی۔ وہاں خبر یہ میں اس کا کیا حال ہے۔ گزارا کس طرح ہوتا ہے۔

مولانا فضل حق نے انڈیا میں ہی میں وفات پائی غالبؒ نے نامہ غالبؒ میں ایک موقع پر مولانا کے ایک رسالہ سے اقتباس دیتے ہوئے لکھا ہے "فخر الفضا، ختم العلماء، امیر الدور مولوی محمد فضل حق رحمۃ اللہ علیہ" انویا نامہ غالبؒ کی ترتیب کے وقت مولانا فضل حق کا انتقال ہو چکا تھا۔

مفتی صدر الدین آزاد [مفتی صدر الدین صاحب آزاد وہ دور آخر کے نہایت فاضل بزرگ تھے۔ دینی علوم کے فیضان کا وسیع سلسلہ آپ کی ذات گرامی سے جاری ہوا آپ دہلی کے صدر الصدور تھے ایک موقع پر غالبؒ کے خلاف قرض کا مقدمہ آپ کے سامنے پیش ہوا۔ غالبؒ نے عدالت میں حاضر ہو کر جواب دعوئے میں یہ شعر پڑھا :-

قرض کی چیتے تھے مے یکین سمجھتے تھے لڑاں

رنگ لائے گی ہماری ناقہ مستی ایک دن

مفتی صاحب مرحوم مسکرائے۔ غالبؒ کے خلاف ڈگری دے دی لیکن ڈگری کا روپیہ اپنی جیب سے ادا کر دیا۔

نتیجہ صاحبؒ کے ساتھ غالبؒ کے خدشات نہایت گہرے تھے غرض میں ان پر بھی آفت نازل ہوئی یہ داستان خود غالبؒ ہی کی زبان سے سنئے :-

حضرت جناب مولوی صدر الدین صاحب بہت دن حالات میں رہے کورٹ میں

جو ایک بلند پایہ امیر ہونے کے علاوہ زہد و اتقا، علم و فضل اور ذوق شعر و سخن کے اعتبار سے
 دور آخر کے ایک نمایت گرانمایہ وجود تھے نواب صاحب جو مخیر الملوایہ سر فرزانہ ملک نواب مرتضیٰ
 خاں بہادر مظفر جنگ سے بہتر اسے تھے ۱۸۰۳ء میں لاہور کے دہلی فتح کی تو نواب مرتضیٰ خاں
 بہادر کو حسن خدمات کے صلے میں ہونڈال پول کا علاقہ بطور عباگیر عطا ہوا تھا ۱۸۱۴ء میں جاناگیر آباد
 کا علاقہ جو راہ کھودس رائے کی ملکیت تھا خرید لیا۔ نواب مرتضیٰ خاں کا انتقال ہوا تو ہونڈال پول
 کی جاناگیر واپس۔ ۱۸۱۵ء میں اس کے عوض ارکان خاندان کی بخششیں مقرر کر دی گئیں ۱۸۵۷ء
 تک جاری ہیں۔ جاناگیر آباد کا علاقہ نواب مرتضیٰ خاں نے اپنی زندگی ہی میں نواب مصطفیٰ خاں کے نام
 منتقل کر دیا تھا۔ ۱۸۵۷ء (مخبر ۱۸۵۷ء) میں نواب صاحب نے جاناگیر اختیار فرمایا جس کے تفصیلی
 حالات ان کے سفرنامہ موسوم بہ "رہ اور ذمیں مرقوم ہیں۔ غدر کے دنوں میں وہ جاناگیر آباد میں
 تھے جب نند و فساد کی ہرگزیرن کے باعث یہ مقام خطرے میں پڑا تو نواب صاحب سنبھل
 جھوڑ کر اپنے دوست عبداللطیف خاں کے پاس خان پور چلے گئے۔ ٹھا کر وہ نے قلعہ جاناگیر آباد
 پر قبضہ کر لیا۔ نواب صاحب کے عالی شان بھائیوں میں آگ لکادی، سارہمنی سامان بھلا کر خاک کر ڈالا۔
 رختے کہ ان بھائیوں بہا کتب خانہ بھی شعلوں کی نذر ہو گیا جس اتفاق سے رام پور کی فوج اس سے
 مت گزری اور اسے حالات کا علم ہوا تو اس فوج نے ٹھا کر وہ کو شکست دے کر جاناگیر آباد پر
 نواب صاحب کو دوبارہ قبضہ دلا بایں نیزگی روزگار ملاحظہ ہو کہ یہ تمام نقصان و تباہی
 کے بعد نواب صاحب پر بانیوں کی اعانت کا لازم تھا وہ گرفتار ہو گئے اور نہ محض ان کی جائیداد
 ہی ضبط ہوئی بلکہ سات سال کی قید کی سزا بھی ہو گئی۔ غار کھینچے ہیں:-

مصطفیٰ خاں کا حال سن ہو گا خدا کرے مراد میں چھوٹ جائے ورنہ بس ہفت سالہ

کی تاب میں ناز پروردہ میں کہاں۔

جنوری ۱۸۵۹ء میں ان کی تقصیر معاف ہوئی غالب فرماتے ہیں:-

۱۵ محمدا ز قہر کلمات حسرتی و شیفہ مرتبہ جناب نظامی جہا پوری۔

نواب مصطفیٰ خاں بمیاد سات برس کے قید ہو گئے تھے سوں کی نصیر خات ہوئی وہ
 ان کو رانی ملی صرف رانی کا حکم پاس ہے۔ جاگیر بدلی زمیندار کی اور رانی کی اماں اور
 منٹن کے باب میں ہنوز کچھ حکم نہیں ہوا۔ لاچار وہ۔ لاچار ہر خ میں ایک دوست کے مکان
 میں ٹھہرے ہیں۔ یہ مجرہ سنی اس خبر کے ڈاک میں منجہ کیسیر تھ گیا ان کو دکھایا۔ دن اس
 رہا پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا۔

مختلف روسا ادلی کے ماتحت روسا کی کیفیت و مشنوں کے روسے بیان ہو چکی ہے بار دوم کا تیرپہ
 میں لکھتے ہیں۔

گئے۔ کے درباروں میں سات جاگیر ورغے کران کا ٹک ٹک و بار ہوتا تھا۔ جھجھکا
 ابر بڑے، فنجنگر، دو تانہ، یا ٹودی، لاوارو، چاند دوم محض ہیں، اول سرکچا، جو بانی
 ن میں سے دو تانہ دو تانہ تحت حکومت ڈانسی صدار، یا ٹودی غاصر، ڈانسی صدار
 مشنہ پادوان دونوں کو جہاں سے تھے تو تین تیس ورنہ ایک نہیں و بار۔ ماسکے مہاں
 رنگ سب سو جو۔ اول اسلام ہیں سے صرف تین آدمی مانی میں، میر تھ میں مصطفیٰ خاں سلطان
 جی میں مولوی محمد مدین، بنی ماروں میں سائیکس، تہ تیوں مردود، مردود، مردود، مردود
 تو بیٹھے جبکہ ہم جام و کسیر پھر ہم کو لیس

آساں سے بارہ کلغامہ گو برسا کرے

سینس انارکے ایک سرزینا گرو میر خدہ چین سیکش تھے اس سے پہلے کالونی جرم اور کوئی فسوز
 تھا۔ غالب، زوری شہزاد کے ایک خدائیں سیش کے متعلق لکھتے ہیں

میکش چین میں ہے۔ باتیں بنا پھر ہے۔ سلطان جی لکھا۔ اب شہ میں آگیا ہے دو

تین بار میر سے پاس بھی آیا پنج سات دن سے نہیں آیا کہتا تھا کہ بی بی کو اور لڑکے کو

ہر دم پور میر وزیر ملی کے پاس بھیج دیا ہے مردیاں وٹ کی گت میں خریدتا پھرتا ہے۔

اسی حالت میں وہ سرب رن رہا اور پچھلے کی منرا چکی غالب ایک خط میں لکھتے ہیں۔

محمد بن سیکش بھی حال کچھ تم کو معلوم ہے یا نہیں غنوق ہوا یعنی پھانسی پا گیا اگوا اس

نام کا آدمی شہر میں تھا ہی نہیں۔

ایک خط میں غالب اپنے دوستوں کو یاد کرتے ہوئے سیکش کا تذکرہ خاص طور پر فرماتے ہیں۔

اس چرخ کج رفتار کا بڑا ہوشم نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ ملک مال جاہ و جلال کچھ نہیں رکھتے تھے

ایک گوشہ و گوشہ تھا چند نفس و بے نور ایک جا۔ فراہم ہو کر کچھ نہیں بول سیتے تھے

سو بھی نہ تو کوئی دم و کچھ سکا سے فلک

اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک گم گھینا

یاد رہے یہ شعر خواجہ میر درد کا ہے۔

اس نے سیکش بھی کو بہت یاد آتا ہے سو صاحب اب ہم امیر ہندی مجروح ہی بتاؤ کہ میں تم کو

کیا لکھوں۔ وہ سمجھتیں اور تقریریں جو یاد کرتے ہو اور تو کچھ بن نہیں آتی مجھ سے خط پر خط لکھو لے ہو۔

آنسوؤں سے پیاس نہیں کھتی یہ تحریر لانی اس تقریر کی نہیں کر سکتی۔

غلام فخر الدین علی بخش خاں رنجور کے صاحبزادے اور غالب کے بھائی میرزا یوسف خاں کے داماد

غلام فخر الدین خاں بھی گرفتار ہو گئے تھے۔ اس لئے کہ وہ بہادر شاہ کی جاگیر کوٹ قاسم کے ظلم

تھے اور بادشاہ کے حکم مطابق وقتاً فوقتاً روپیہ بھیجے رہے تھے۔ غالب لکھتے ہیں:-

غلام فخر الدین خاں کی دور و بکار یاں مرنی میں صورت ابھی ہے خدا چاہے تو مانی ہو جائے۔

حکیم غلام محبت خاں نے غلام فخر الدین خاں کی رانی پر لکھا تھا کہ دوبارہ زندگی پاتی۔

غالب لکھتے ہیں:-

اں غلام فخر الدین خاں کی رانی زندگی دوبارہ ہے۔ خدا تم کو مبارک کرے۔

بہادر شاہ بہادر شاہ غفران مکان کے متعلق غالب کے اردو مسکاتیب میں صرف دو جگہ ذکر ہے اول

میر ہندی مجروح نے پوچھا تھا کہ بستیو میں بہادر شاہ کے دہلی سے رخصت ہونے کے حالات

کیوں نہیں لکھے۔ غالب فرماتے ہیں:-

بھائی میں نے ۱۱ مئی ۱۸۵۵ء سے ۲۱ جولائی ۱۸۵۵ء تک کا حال لکھا ہے اور خاتمہ
میں اس کی اطلاع دے دی ہے۔ امین الدین خاں کی جاگیر کے ملنے کا حال دربار شاہی
روانگی کا حال کیوں کر لکھتاں کو جاگیر گشت میں لی بادشاہ کتبہ برداشتہ میں سے
کیا کرتا اگر تحریر موقوف نہ کرنا۔

دوسری جگہ بہادر شاہ کی وفات کا ذکر ہے:-

مارنمبر (۱۸۵۵ء) مطابق ۱۴ جمادی الاول سال مال جمعہ کے دن ابو ظہر سراج الدین بہاؤ

شاہ قید فرنگ دقید جہم سے آزاد ہوئے۔ نامادہ وانا الیہ راجعون

دیکھنے کو یہ چند الفاظ ہیں بسین ایک ایک لفظ کی تہ میں درد اور حزن کا دریا سو حزن نظر آتا ہے
شاہی خاندان شاہی خاندان کے افراد کے متعلق بعض تحریرات اور گزشتہ جلی میں شکار بہت شہر و
کا مارا جانا بعض کا قید ہونا جو تلوار سے نچکے تھے ان کا پانچ پانچ روپے فیشن پانا عورتوں میں
جوسن رسیدہ تھیں ان کا شکم پڑی کے لئے کٹیاں بننا اور جو ان بنیں ان کا مجبوراً عصمت فروشی
پر آمادہ ہونا۔ غالب ان حالات سے بے حد متاثر تھے۔ اور معمولی سا بہانہ مل جانے پر بھی اپنے
اس درد کے اظہار کے لئے مضطرب رہتے تھے فتنی بہر کو پال تفتہ نے اپنی کتاب "سندستان"
چھپوا کر غالب کو بھیجی۔ اس کی چھپائی بہت خراب تھی۔ غالب نے چھپائی علی نزاری ہی کو لکھیا
کی مصیبتوں اور بد حالیوں کے ذکر کا ذریعہ بنالیا فرماتے ہیں:-

اجی میرزا تفتہ تم نے اپنا روپیہ بھی کھویا اور اپنی فکر کو وزیر میرزا علی کو بھی ڈوبایا کیا بڑی
کاپی ہے... اس کاپی کی مثال جب ہم پکھیتی کو نہ ہوں برسے اور شگفتہ قلم کو چھرتے
چلتے دیکھتے۔ صورت ماہ دو ہفتہ کی سی اور کپڑے میلے۔ پانچے پیر لیر۔ حرقی ٹوٹی۔ مسند نہیں
بلکہ بے تحلف "سندستان" ایک مشرق غریب سے مگر بہ لباس ہے۔

تاج محل بیگم ایک اور خط میں لکھتے ہیں:-

تاج محل (بیگم بہادر شاہ مرحوم) مرزا فیض اور مرزا جواں بخت کے سالے ولایت علی بیگ

جے پوری کی زوجہ ان سب کی اور باؤ سے رانی ہوئی دیکھتے سمجھ میں میں باندن جائیں
مرزا انہی بخش اور دوسرے اکابر و اہل کسب اور خود اپنے حالات یوں بیان فرماتے ہیں :-

مرزا انہی بخش جو شہزادوں میں ہیں ان کو حکم کرچی بندر جانے کا ہے اور وہ بخار کر رہے ہیں دیکھتے
کیا ہو حکیم جی کو حکیم من شہزادوں ان کی حویلیاں لگتی ہیں۔ اب وہ مع قبائل ان کاٹو
میں جا رہے ہیں اتنا حکم ان کو ہے کہ شہر سے ماہر نہ جائیں۔ ۱۰ میں ع

تو بیکسی غریبی تراکے پر رہ

شہزادہ منشا، غریب، غریب، نہ مل نہ ظلم نہ لطف نہ قہر، پندرہ دن پہلے تک دن کوٹی
اور رات کو شرب متی تھی۔ اب صرف روٹی سے جاتی ہے کھانا یا نمک کا بنا ہوا بھی ہے
اس کی کچھ فکر نہیں ہے۔

ایک اور خط میں میرزا انہی بخش کے متعلق فرماتے ہیں :-

میرزا انہی بخش کو حکم کرچی بندر جانے کا ہے۔ انہوں نے زمین پڑی ہے ساحل جی کیا
رہتے ہیں مندر کر رہے ہیں دیکھتے یہ میرزا جاتے یہ خود اٹھ جائیں۔

حکیم من شہزادوں حکیم حسن شہزادوں کے متعلق حکیم غلام شریف نے لکھتے ہیں :-

میں قمر کو مبارک ہو کہ حکیم بہت وہ سپاہی حوت سے دستگیر بن گیا۔ اور ان کو
حکم ہو گیا کہ اپنی دولت کو شہر میں لے جائے گا اگر قصہ کرو تو بوجھ کر بازو و رہبر ہفتہ
میں ایک بار پھری میں نامہ ہو کرو پتہ پتہ وہ لکھے بغلے پھوڑا ہے مرزا جاگن کے مکان میں
آ رہے۔۔۔ جی ان کے دیکھتے کو یا ہا ہے مگر انہوں نے حیا نہیں جاسنا۔

بعض دوسرے اشخاص کے متعلق فرماتے ہیں :-

میرزا بہادر بیگ نے بھی رانی پتی۔ اس وقت سنا ہے کہ وہ خاں صاحب کے پاس آئے
ہیں تین سے کہ عدالتات باہر طے جائیں گے۔ یہاں نہ رہیں گے۔ قدم شریف میں وہ رہتے
ہیں۔ تین، بخار میں ہے کہ حکیم محمد حسن مع قبائل و شہزادہ گئے ہیں پتہ پتہ وقت

اپنی سکونت کے صحن کو چھوڑ کر یہاں آ رہا ہوں۔ اس طرح کہ کل ستر میں نامہ اور دیوان خانہ میں نامہ

مختلف اکابر | پھر فرماتے ہیں :-

ہے ہے کیوں رکھوں کلیم رضی اللہ عنہ، احمد خاں کو قتل عام میں ایک غامی کے گولی مار دی
اور محمد حسین خاں ان کے چھوٹے بھائی سی دن مارے گئے۔ طالع یار خاں کے دونوں بیٹے
ٹوٹنے کے رخصت سے کرتے تھے مگر کے سبب جان سکے ہیں رستے اور بد فتح وہی دونوں
بے گناہوں کو پھانسی ملی۔ طالع یار خاں نوٹک میں ہیں زندہ ہیں پھینکے ہیں کہ مردہ سے بڑے
ہوں گے۔ میر تقی عثمانی نے بھی پھانسی پائی۔ حال حاضر وہ میاں نظام الدین (ابن شیخ نصیر الدین
عرف کالے میاں) کا بیٹا ہے کہ جس سب اکابر شہر سے بھاگے تھے وہاں وہ بھی جھاگ گئے۔
تھے بڑے وہ میں رہے اور ٹک بڑے رہے، جید بڑے رہے سال تڑستہ بڑوں میں
یہاں تھے۔ مگر کالے ان کی معافی ہو گئی، لیکن عرف جان بخشی، روشن مددگار، مددگار جو
عقب کو توالی چوڑا ہے، وہ اور خواجہ تسمہ کی حویلی میں قتل ملی تھیں مرحوم رہتے تھے
وہ اور خواجہ صاحب کی حویلی یہاں ملک خاص حضرت کالے صاحب کی درگاہ کے صاحب کے بعد
میاں نظام الدین صاحب کی قرار پاکر مضبوط ہوئی، اور نظام کا رویہ یہ تھا کہ میں داخل ہوں
تسمہ جان کی حویلی جس کے کاغذ میاں نظام الدین کی والدہ کے نام کے ہیں، وہ ان کو دینا
میاں نظام الدین کی والدہ کو مل گئی، فی الحال میاں نظام الدین پاک بن گئے ہیں شہر
بہاول پور بھی بائیں گئے۔

خانہ فخر عالم | شیخ کلیم اللہ جان آبادی اپنے زمانے کے بہت بڑے، ویر شہر بہاول تھے۔

ان کا مقبرہ لال قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان میدان میں ہے پادشہی کے زمانے میں مقبرے
کے آس پاس ایک اچھا گاؤں آباد تھا جس میں شیخ مرحوم کی اولاد رہتی تھی، اسی خانہ ان میں لانا
فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ مرید تھے جن کے پوتے شیخ نصیر الدین عرف کالے میاں تھے۔ کالے میاں
بہادر شاہ کے پیر تھے، میرزا بہیم علی خاں سورتی نے شیخ کا کلمہ جملہ کتابیں اور قطب الدین

نخل گئے۔ ان کا مکان بے طرح توڑا گیا۔ اس کے بعد مکان کو آگ لگا دی گئی۔ مظفر الدولہ الکوثر
 پکڑے آئے اور گوڑا گڑھ میں کوئی مار کر شہید کر دیئے گئے۔ حسین میرزا بچا پور سے سر اسیمہ حال پھر
 رہے تھے۔ اسی اثنا میں غالب کو اطلاع ملی کہ وہ بیمار ہو گئے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

حسین میرزا صاحب کیوں بیمار ہوئے، خدا جانے اور کھان دشت غمت کو جمعیت تو
 جب پاسہ عنایت کر نہ دے تھے، حق تعالیٰ کا تندرست رکھ دے اللہ حسین میرزا کی نازگی
 سجد ہو گئی۔ یہ شدت عمر دین کی خوبیاں ہیں

حسین مرزا کی آمد دن ایک وقت تھا کہ غالب حسین مرزا کے والد کی وساطت سے قرض لیتے
 تھے لیکن جب حسین مرزا پر قنات و مصائب کا سہلاب آیا اور وہ بچا پور سے پیسے کو کھینچ
 ہو گئے تو غالب حوال قرض کے لئے حسین مرزا کے متوکل بنے ایک خط میں وہ حسین مرزا
 کو لکھتے ہیں:-

ابھی ہی دل نہ راز منخواہ آیا تھا، تمہارا حال پوچھتا تھا۔ کچھ سچ جھوٹ کہہ کر میں کورہ
 پر لایا ہوں۔ کہ سو دو سو روپیہ تم کو بھیج دیے۔ بیویوں، اطعمہ تقریر اس کو کھجائی سے کھار
 جس درخت کا پھل کھانا منظور ہو تم سے اس کچھ پانی دیتے ہیں حسین مرزا سے کہتے ہیں
 پانی دو تو نایاب میرا، مویں کی کچھ تو زمرہ اس سے تمہارے مکان کا پتہ ملے گا کہ یہ ہے
 اور نہ گیا ہے کہ میں اپنے بیٹے راجی داس سے صاحب رس کے جو بات تھکے ہی آپ سے آکر
 کہوں گا۔ گروہ پہنچا دے تو کیا مانگا ہے اور گروہ جو لکھنے اور قرض کا جو بٹھو تو یہ
 تھوڑا لکھنے کو اس قدر سے جو تم سے کہا ہے وہ سچ ہے۔ ورنہ میں تم سے کہتا ہوں

یوسف میرزا نے سب سے مالین بہار خاں سے داسے اور مسافر الدولہ سے سیف میں بہار
 خاں اور ذوالفقار الدولہ حسین مرزا (ابن کو غالب بخش) قنات ناظر جی لکھتے ہیں، کہ بھانجے
 تھے۔ یوسف مرزا نے خاندان مانگے۔ میں اس پر نہ مانگی کی خوشحالی کے زمانے کا ذکر کیا تھا

غالب انہیں لکھتے ہیں

۱۸۸۱ء کی سرے کا فوکر کیوں کہتے ہو وہ اپنی اہل سے مرے ہیں۔ برہمنوں کا مرنا
 بنی آدم کی میراث ہے۔ کیا تم یہ چاہتے تھے کہ وہ اس عہد میں ہوتے اور اپنی اُبرو دکھا
 ان عظیم الدولہ کا غم منجھاد واقعات کر جائے مصطفیٰ ہے یہ داغ ماتم جیتے جی نہ مٹے گا۔
 جو رنج و غم پھر یوسف مرزا ہی کو لکھتے ہیں :-

میرا حال سوائے میرے خدا اور خداوند کے کوئی نہیں جانتا۔ آدمی کثرت غمت سزا
 ہو جاتے ہیں عقل جاتی رہتی ہے۔ اگر اس نجوم نم میں میری قوت متفکرہ میں فرق آگیا ہے
 تو کیا عجب ہے۔ بلکہ اس کا باور نہ کرنا غصہ ہے۔ پوچھو کیا غم ہے؟ غم مرگ، غم فراق، غم زندگی
 غم عزت، غم مرگ میں، قلعہ نامبارک سے قطع نظر کے ہل شہر کو گنتا ہوں۔ عظیم الدولہ میرزا ناصر
 میرزا عاشور بیگ میرزا بھائی اس کا بیٹا احمد مرزا انیس برس کا بچہ مصطفیٰ خاں بن عظیم الدولہ
 اس کے دو بیٹے، رقصے خاں اور مرتضیٰ خاں۔ قاضی فیض اللہ کیا میں ان کو اپنے عزیزوں
 کے برابر میں جانتا تھا؟ اے بوجھول گیا حکیم رضی اللہ عنہ خاں میرزا محمد حسین سنبلش۔ اللہ اللہ
 ان کو کہاں سے لاؤں؟ غم فراق حسین مرزا، یوسف مرزا، میر محمدی، میر سرفراز حسین، میر حسن
 خدا ان کو صبار رکھے کاش یہ تو تاکہ جہاں ہوتے خوش ہوتے۔
 سجاد اور اکبر کے حال کا جب تصور کرتا ہوں بھیجا ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے کہنے کو ہر کوئی ایسا کہ
 سکتا ہے۔ مگر میں ملی کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ان اموات کے غم میں اور زندوں کے فراق میں
 عالم میری نظریں تیرہ و تار ہے یہاں اقلید و امرا کے اولاد و ازواج بھیک مانگتے
 پھر میں اور میں دیکھوں!

بچی سہادی حسین مرزا نے ایک موقع پر پریشان ہو کر لکھا تھا کہ میں کیا کروں اور کہاں جاؤں۔
 اس پر غالب یوسف مرزا کو لکھتے ہیں :-

تھا۔ سے، میں حسین مرزا کی دستخطی تحریر نے جو میرا حال کیا ہے وہ کس زبان سے

کروں۔ سب سے حسین مرزا اور یہ کہے کہ میں کہاں جاؤں اور کیا کروں اور مجھے کم بخت سے
 اس کا سہرا بچام نہ ہو سکے! بہت بڑا آسرا تھا اور سرکار کی خدمت نہ سہی۔ عمدہ نہ سہی، خدا
 نہ سہی۔ سو ڈیڑھ سو روپیہ وراثتہ مقرر ہو جانا کیا شکل تھا، اتنی کے آدمی حضور نما، مرا، شاہی ہر
 شہر میں بدنام اسے ہیں کہ لوگ ان کے سائے سے جاگتے ہیں۔ مرشد آباد بھی ایک سرکار
 تھی۔ حیدر آباد بہت بڑا گھر ہے مگر بے ذریعہ و واسطہ کیوں کر جاسے۔ وہ جیسے نوکسٹے۔
 ناچار وہیں رہو کسی طرح شاہ اودھ کا سامنا ہو جاسے۔

آخری فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ حسین مرزا کلکتہ گئے ہوئے تھے اور وہاں عبدالعلی شاہ
 کے ہاں کوشش کر رہے تھے۔ غالباً اس بنا پر کہ حسین مرزا کے والد لکھنؤ کے تھے۔
 فرخ آباد کی ریاست ضبطہ اندر کے بعد فرخ آباد کی ریاست بھی ضبطہ بن گئی تھی اور نسل حسین خاں
 فرخ آباد کی جان بخشی اس شرط پر ہوئی تھی کہ وہ ہندوستان سے باہر چل جائیں چنانچہ وہ
 ہندوستان سے ہجرت کر کے عرب چلے گئے۔ غالب ایک خط میں لکھتے ہیں:
 مجھ کو رشک آتا ہے جزیرہ سینوں کے حال پر دینی مذہبان کے قیدیوں پر امونا اور
 نہیں فرخ آباد پر حضور خدا کے جہاز سے اتار کر سہ زمیں عرب پر چھوڑ دیا، اے اے
 پر پئے گر بہار تو کوئی نہ ہو تیار دار۔

اور اگر مر جاسے تو فوج خاں کوئی نہ ہو

عام تبصرہ ایک اور مکتوب میں عام تباہ حالی کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

امرا، اسلام میں سے امراء، نسو جن علی نماں، باب کا بیٹا، سو روپے روز کا فتنہ اور

سو روپے مینے کا روز بندہ دار بن کر نا مراد مر گیا، میرزا، مرالدین باب کی طرف سے پیر وہ نا،

اور تانی کی طرف سے ایرر و مظلوم، اگیا نا، ماسطرت بخشی محمد علی خاں کو بیٹا جو خود بھی بخشی ہوگا

سے۔ بیار، چاند و اندہ خدا انجاء کا رہ گیا۔ ہمارے چچا، نواب ضیاء الدین، خدا خاں کی سرکار سے

ملے بخشیوں کا خاندان ملی کا بہت بڑا خاندان تھا۔

تجزیہ و تفسیر ہوئی۔ اجا کو پوچھو نا غرض حسین مرزا جس کا بڑا بھائی مقتولوں میں آگیا ہے اس کے پاس ایک پیسا نہیں ٹکے کی آمد نہیں۔ بھان اگرچہ رہنے کو لگ گیا ہے مگر دیکھتے چھٹا رہے یا ضبط ہو جائے۔ بڑے سے صاحب ساری املاک بیچ کر خوش جان کر کے ایک بیٹی و دو خوش بھرت چلے گئے ضیاء الدولہ کے پاس سو روپے کے املاک و اترشت ہو کر پھر قرق ہو گئے۔ تباہ و برباد نا ہو گیا وہاں پڑا ہوا ہے دیکھتے کیا ہو۔ قصہ کو نامہ قند و جہیز اور بہادر گڑھ اور طلب گڑھ اور فتح نگر کم و بیش تیس لاکھ روپے کی ریاستیں مٹ گئیں۔ شہر کی اماں خاک میں مل گئیں۔

وہاں والوں کے اموال و امکنہ کے ٹٹ جائے کا حال اور عرض کیا جا چکا ہے غارت زدہ اشیاء کی بیش بہا فی کاکون اندازہ کر سکتا ہے صرف کتب خانہ کی قیمت کا اندازہ مبینہ روپے چار جن میں غالب کی اپنی نظم و نثر کے مجموعے بھی شامل تھے۔

حامد علی خاں نواب حامد علی خاں دہلی کے ایک بہت بڑے رئیس تھے۔ بہادر شاہ کے وزیر بھی رہ چکے تھے۔ یہاں ضیاء الدولہ فیض علی وزیر نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے داماد تھے۔ اور ضیاء الدولہ کے انتقال کے بعد دہلی چلے آئے تھے۔ نذر میں ان پر بھی آفتیں نازل ہوئیں۔ ان کی ساری جائیداد ضبط ہو گئی۔ غالب ایک جاگیر حسین مرزا کو لکھتے ہیں :-

مکانات کو حامد علی خاں کا کہہ کر کیوں لکھتے ہو۔ وہ تو مدت سے ضبط ہو کر سرکار کا مال گیا۔
 ہوائی صورت بدل گئی بھل مرزا اور کوٹھی میں گورے رہتے ہیں۔ پچھلے دروازے کا تیر
 گردی نہیں۔ شک و حسرت کا نیکام کر کے روپیہ داخل خزانہ ہوا مگر وہ کچھو کہ حامد علی خاں کے
 مکان کا طبعہ بگاڑے، سرکار نے اپنا ملوکہ مقبوضہ ایک مکان ڈھا دیا ہے۔

ایک اور خط میں غالب فرماتے ہیں کہ حامد علی خاں کو ایک مکان میں مع اپنی مستوعہ
 ضیاء الدولہ و سیف الدین حیدر خاں کے نواب غلام علی الدین خاں عرف بڑے صاحب دہلی کے بہت بڑے
 رئیس تھے ایک ہزار روپیہ یا ان فیشن مٹی تین سو روپے ۱۱۱۱ ہجرت پر سے لئے تھے پاس روپے مانا نہ کرایہ تھا
 سکندر حکیم کن لدور کے بیٹے تھے دہلی کے بہت بڑے رئیس تھے نذر کے بعد پانی بہت چلے گئے تھے وہاں سے کہہ لے

کے رہتے ہیں۔

نام سختیاں | دہلی میں غدر کے بعد عام سختیوں کا دور شروع ہو گیا تھا کہ کسی کو بے انصافی کی تلافی کی توقع نہ رہی تھی۔ غالب حسین مرزا کو لکھتے ہیں :-

تم اب تک سمجھے نہیں کہ حکام کیا سمجھتے ہیں اور نہ بھی سمجھ گئے جو احکام کو دلی میں ہیں وہ

احکام قضا و قدر ہیں۔ ان کا کوئی مراغہ نہیں۔

ایک لطیفہ | غالب نے انگریز حکام کی بے خبری اور نادانیت احوال اہل ہند کے متعلق ایک عجیب لطیفہ لکھا ہے جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ غدر کے بعد جن لوگوں کو سزائیں دی گئیں یا جن کی جائداد ضبط کی گئی ان کے مفروضہ یا حقیقی جرائم کا امتحان کرنے والے اور ان پر حکم نکلنے والے لوگ کیسے تھے۔ دہلی کے آدمیوں میں ایک حافظ محمد بخش تھے جو حافظ مہموں کے نام سے مشہور تھے۔ وہ بھی غدر میں پکڑے گئے لیکن بے گناہ ثابت ہو کر رانی پائے گئے۔ بعد ازاں انہوں نے اہلک کی واکزشت کے لئے درخواست دی۔ ان کا قبضہ تصرف ثابت ہوا۔ صرف حکم کی دیر تھی لیکن جب مقدمہ پیش ہوا مثل سلسلے آئی تو

حاکم نے پوچھا حافظ محمد بخش کون؟ عرض کیا کہ میں پوچھا کہ حافظ مہموں کون؟ عرض کیا

کہ میں اصل نام میرا محمد بخش ہے۔ تمہوں تمہوں مشہور ہوں۔ دھما دھپنے افرایا۔ کچھ بات

نہیں۔ حافظ محمد بخش ہیں نہ۔ امداد فلولوں بھی تم۔ سابقہ دن بھی تم۔ جو دنیا میں سب وہ بھی

تم۔ ہر مکان کس کو دیں سب اہل دفتر ہوئی۔ میاں ہوں اپنے گھر چلے آئے۔

جامع مسجد | غدر کے بعد جامع مسجد بھی سرکاری قبضے میں چلی گئی تھی۔ شاید اس وجہ سے کہ شہر پر

انگریزوں کے حملے کے وقت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت نے جامع مسجد سے نکل کر حرا

کیا تھا اور انگریزی فوج کو مار کتر تیچھے ہٹا دیا تھا۔ یا اس وجہ سے کہ انگریزوں کے دل میں خیال نہ گھبرا

تھا کہ مسجد مسلمانوں کے لئے جماد کی خاص وعظ گاہ ہے۔ یہ ہر حال بعض انگریزوں نے تجویز

پیش کی تھی کہ مسجد کو گر جائے یا جاسے مسلمان کوششیں کر رہے تھے کہ مسجد واکزرا کر دی جائے۔

غالب ایک مکتوب میں سیاح کو لکھتے ہیں :-

مسجد جامع کے باب میں کچھ پیشیں لاہور سے آتی ہیں یقین ہے کہ وگزار ہی کا
حکم آئے اور وہ مسلمانوں کو لے جائے ہنوز بہ دستور پہرہ لگاموا ہے اور کوئی جائے
نہیں پاتا۔

اس خط پر دن اور تاریخ درج ہے یعنی صبح شنبہ ۲ ذی قعدہ دہلی سال ۱۲۸۶ھ میں
نیز اسی خط میں سیاح کو سورت پہنچنے پر مبارکباد دی گئی ہے۔ غالب کے مختلف مکاتیب سے
معلوم ہوتا ہے کہ سیاح جون ۱۸۷۳ء میں لکھنؤ میں تھے۔ دسمبر ۱۸۷۳ء میں بنارس میں اکتوبر ۱۸۷۳ء
اور نومبر ۱۸۷۳ء میں وہ لکھنؤ میں نظر آتے ہیں۔ ۱۹ اگست ۱۸۷۳ء کے ایک خط سے واضح ہوتا ہے کہ
سیاح سورت میں نواب میر غلام بابا خاں کے پاس تھے۔ میر خیال ہے کہ اوپر کا خط دہلی ۱۸۷۳ء کا
مرقوم ہے۔ گویا غدر سے پانچ برس بعد تک مسجد جامع پر سرکاری قبضہ تھا۔
دسمبر ۱۸۷۳ء کے ایک مکتوب میں میر لدی بخار کو لکھتے ہیں :-

مسجد جامع و گزشت ہر گنتی جلی بری طرف میر جیوں پر کہا بیوں نے دکھائیں بایں
انڈیا، برنی کبوتر بکھنے لگے دس آدمی منہ شہر سے مرزا ہی کٹیں، مولوی سدا یدین تفضل حسین خا
لقین یہ سات اور۔

تہری بادی | قاضی بدیل بریدی نے اسی زمانے میں غالب سے نثر و نظم کے مجموعے مانگے تھے۔
جواب میں غالب فرماتے ہیں :-

یہ شہر بہت رات روہ ہے، نہ اشخاص باقی نہ ائمہ کتاب فروشوں سے کہ دوں مجھ اگر
میری جہد شر کے رساوں میں سے کوئی رسا دل طلبے گا تو وہ مولے کر خدمت میں بھیج دیا جائے گا
اگلا پتھر اور خد غالب کی نصیحتوں کے اور بھی کسی مرقع میں لیکن وہ غالب کی فیشن کی بندش کے
بیان میں نہیں ہوں گے۔

بھیتیں | سوتھان یہ کہندے کہ بعد ہٹی بیپے ورپے بھیتیں نازل آتی ہیں شاید ایک تیرہ بیچیل گیا ایک تیرہ شک سالی

کے ہٹل ٹپا ایک تہہ سات تنی شدت سے ہوتی کہ بہت سے مکان گر گئے۔ اور میں خراب گئیں
غائب ولی کی تمام مصیبتوں کا تذکرہ مجھلا اور برسات کا تذکرہ مفصلاً ان الفاظ میں کرتے ہیں۔۔
برسات کا نام آگیا سو پہلے تو مجھلا سنو۔ ایک ندر کاٹوں، ایک ہٹکا مرگروں کا، ایک فتنہ نہا
مکانات کا، ایک آفت و باکی، ایک سیرت کال کی، تب یہ برسات جمیع حالات کی جان ہے
آج کیسوں دن ہے۔ آفتاب اس طرح نظر آتا ہے جس طرح بجلی چمک جاتی ہے۔ رات
کو اگر کبھی کبھی تارے دکھائی دیتے ہیں تو لوگ ان کو جگنو سمجھنے لگتے ہیں، اندھیری راتوں میں لوں
کی بن آئی ہے کوئی دن نہیں کہ دو چار گھر کی چڑی کا دل دھڑکا جائے۔ مبالغہ نہ کہنا، ہزار سال کا
گھگھنے بینکڑوں آدمی جا بجا دھب کر مر گئے۔ چلی گئی ندی بہ رہی ہے قصہ غرقہ ان کاں میں دن
نہر سا ان نہ پیدا ہوا یہ پن کال ہے پانی زبا بڑا کہ بوسے ہوئے دسے بہ گئے، جنہوں نے ابھی
نہیں برباد تھا وہ بوسے رہ گئے۔

پانچ لشکر ایک اور خط میں فرماتے ہیں:-

پانچ لشکر کا حلقہ درپے اس شہر پہ ہوا۔ پہلا بیٹوں کا لشکر میں اہل شہر کا عتاب و عداوت
لشکر خاکیوں کا اس میں جان و مال و ناموس و مکان و کمین و آسمان و زمین و آثار ہستی سراسر لٹ گئے
تیسرے لشکر کا اس میں ہزار آدمی بھوکے مرنے لگے۔ چوتھا لشکر منجھے کاں میں بہت سے پیشہ سحر
مے پانچوں لشکر تپ کاں میں تاب و طاقت نہ پائی۔ بت کم اس لشکر نے شہر سے کچھ نہیں کیا
بچے گھر میں دو آدمی تپے جتا میں ایک بڑا زکا باقر علی خاں، ایک دارو نہ دھو خدا ان کو بھلائے
دبا میرمدی نے غالباً بوجھیا تھا کہ سب تپنے کی کیفیت کیا ہے اس کے جواب میں فرماتے ہیں:-
وہا کو کیا پرچھتے ہو۔ خدا نواز قضا کے ترکش میں بھی آپ یہ اتنی قاتل یہاں مسموم و مسموم
کال ایسا بڑا وہا کیوں نہ ہو۔ سان لٹیکے دس برس سے فرما رہے ہیں

موجیں غائب بلائیں سب تمام ایک ٹرل نامانی دور ہے،

۱۵ خاکیوں سے مراد انگریزی فوج ہے۔ اور پشیمہ انگریزی فوج کی مدد کی کہ نہ پرہیزی ہے۔

وفات کی پیشگوئی غالب نے اپنے متعلق پیشگوئی کر رکھی تھی کہ وہ ۱۳۷۷ھ میں مر جائیں گے۔ بلکہ ایک

قطعا تاریخ بھی خود ہی مرتب کر لیا تھا۔

من کہ باشم کہ جاوداں ہشتم چوں نظیری نہ ماند و غالب مرد

وہ پر سسند در کہ میں مال مرد غالب بگو کہ غالب مرد

لیکن یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔ اور وہ بیچ رسبے اسی سال ہیسنے کی وبا پھوٹی تھی۔ غالب

کو اپنی پیشگوئی کے خلاف نہ مرنے کا ایک دلچسپ عذر ملتا تھا۔ اگلی میر ہمدی جرح لکھتے ہیں:

میاں شمس کی بات غلط نہ تھی۔ مگر مہاتے عالم میں مرنے والی نہ سمجھا دیتی اس میں میری کسر

شان تھی۔ بعد رخصت ہو کر اہمیت لکھا جائے گا۔

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ۱۳۷۷ھ میں نہ مرنے کا صرف میری نگاہ ایک واسطے تھا اسی زمانے میں

صاحب عالم مارہروی نے غالب کی حج میں چند اشعار کہہ کر بھیجے تھے۔ انہیں جواب میں لکھتے ہیں کہ وہ

عالم میں صرف اس لئے جیتا ہوا کہ آپ کی حج کی سعادت غلٹنے سے پرہیز فرما سکیں۔

غالب کا قطعہ ادبی پرانگریزوں کے دوبارہ تعلق مرنے کے بعد شری جوت لکھتے تھے ہر کلمہ نقشہ

غالب نے چند اردو اشعار میں بھی کھینچے تھے۔ یہ اشعار ان کے مطبوعہ اردو دیوان میں شامل نہ ہو سکے۔ البتہ

نسخہ حیدر میں اردو کے معانی سے لے کر شامل کر دیے گئے ہیں۔ چونکہ یہ اشعار غالب کے دوسرے کلام کے غلط

عام اشاعت نہیں پاسکے اس لئے میں انہیں یہاں درج کرتا ہوں۔

بکیناں، رید ہے آج ہر شعور انگستاں کا

گھر سے بندر میں غلتے ہوئے زہرہ سوتا ہے آبِ نال کا

جو کہ جس کو کہیں وہ نکلے گھر نو نہ بنا ہے زنداں کا

شہر دلی کا ذرہ ذرہ خاک شدہ خوں ہے ہر سماں کا

کوئی دس سے نہ آسکے ایک آدمی دس نہ جاسکے یاں کا

میں نے ناکرمل گئے بھڑکیا وہی رونا نون و دل و بال کا
 نگہ چل کر کیا گئے شکوہ سورش و غم سے پہاں کی
 نگاہ رو کر کہا کئے ہشتم برادرد و ہاسے گریوں کا
 اس طرح کے وصال سے غالب
 کا شے دل سے طغ ہجراں کا

مندر کے سہیلے میں غائب ماقم غزوری کی یہ داستان فہمیری سے میں سی تبصرہ
 کی تخلیق نہیں۔ اس داستان کا ایک حصہ بھی باقی ہے جو غالب کی بین کی بندش سے بھری
 رہتا ہے۔ اسے فارین کرام آئندہ باب میں ملاحظہ فرمائیں گے لیکن دوبارہ یہ عرض کر دینا
 ضروری ہے کہ غالب نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ ان کے تاثرات کا نہایت صحیح مرقع ہے انہوں نے
 انگریزوں کی بے جا خوشامد نہیں کی اور ان کی خاطر کسی سختی یا شدت کی پردہ پوشی نہیں کی۔
 جہاں انہوں نے کالوں کی سختیوں و رازکستیوں کی مذمت کی وہاں کوروں کی
 زیادتیوں کو بھی صفائی اور وضاحت کے ساتھ بیان کرنے میں تامل نہیں کیا۔ غدر کی
 وجہ سے دہلی پر جو آفتیں اور سختیں نازل ہوئیں وہ اوپر کے غونچوں مرقع میں تفصیل کے ساتھ
 بیان ہو چکی ہیں جہاں بے شمار انگریزوں کا مخصوص بچوں اور عورتوں کا قتل غارت کے لئے
 اذیت افزا تھا وہاں برادر دوس و حوام دہلی کی برادریوں کی شاہی خاندان کی الم ناکوں
 نے بھی نہیں بے طرح تڑپایا اور ان کے ساز تاثرات سے بے خون آلود فحشے پیدا کئے
 جن کو سن کر آج بھی کوئی ذی احساس و رذیہ اثر انسان شہبازی سے غار غم نہیں رہ سکتا
 آخر میں اتنا اور سرن کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ غالب شاعر تھے کسی خاص گروہ
 خاص جماعت اور خاص قوم کے شاعر نہ تھے بلکہ اپنے دل و دماغ اور اپنے تاثرات
 و احساسات کی ہمہ گیری کے باعث کائنات انسانیت کے شاعر تھے یونہی رسل شاعر
 تھے۔ اور ان سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی کہ وہ ایک مخصوص گروہ اور مخصوص جماعت

کے مخصوص تاثرات کی تابعدار قبول کریں۔ ان کی نظروں میں زیادتی اور تجاوز عن الحدود ہر حال میں بُرا تھا خواہ اس کے ترکیب ہندوستانی ہوئے تھے یا انگریزی۔ اور الہم نامہ غدر کے ہر ورق پر غالب کی خصوصیت آشکار نظر آرہی ہے۔



دسوال باب

پنشن کے حصول کیلئے سعی مفارش

پُر تہمتہ تم و بے برگ خدا یا تا چہند

بچن شاد شوم کار انگریز کان من است

نائب کی درونگیر اقتصادی حالت کا متقصد و پیش کیا جا چکا ہے۔ ان کے مسائل بہت محدود تھے۔ اور چنے چھا خا صا اسیرانہ تھا۔ غدر کے آغاز میں ان کی مستقل آمدنی کے دو ہی دریے تھے۔ اول قلعہ کی تنخواہ جس کی مقدار یکپاس روپے ماہانہ تھی۔ دوسرا خاندانی پنشن جو ماڑھے سات سو روپیہ سال یا ساٹھ سو روپے مہینہ تھی۔ یہ دونوں تنخواہیں غدر کے ساتھ ہی بند ہو گئی تھیں۔ پہلی اس لئے کہ نہ غدر کے بعد نائب گھر سے نکلے۔ نہ قلعہ سے کوئی سرود کار رکھا۔ نہ اس ہنگ مرادانی میں کسی کو یہ خیال آ سکتا تھا کہ ایک غائبین شاعر یا سوخ کے واجبات باقی عدہ اور ہونے چاہئیں جب غدر ختم ہو تو وہ بدلتی لٹ جلی تھی جس کے ساتھ قلعہ کی تنخواہ وابستہ تھی۔ دوسری تنخواہ اس لئے بند ہوئی کہ وہ سرکار گریز سے ملتی تھی اور انگریزوں کی حکومت دہلی سے اٹھ چکی تھی۔ غدر کے بعد نائب کو پنشن ملنی چاہئے تھی لیکن ان ریاستوں کی طرفداروں کا الزام عائد ہو گیا۔ اپریل ۱۸۵۷ء کی بغاوت کی پہلی یا دوسری تاریخ کو ملی ہوئی نائب و عموال کرپے تھے۔ اسی کو غدر ہو گیا۔ اس وقت سے لے کر اپریل ۱۸۵۷ء تک پورے تین برس نائب اس سے محروم رہے۔ مئی ۱۸۵۷ء یا تین برس کا روپیہ اکٹھا کر پنشن کے ساتھ غامت دور بھی بند ہو گئے تھے۔ ان کی بجالی میں مزید دو برس صرف ہوئے۔

غالب کی سگیم صاحبہ نے اپنا زیور اور دوسری قیمتی چیزیں غالب کے مشورہ کئے بغیر کسی صاحب کے مکان کے تہ خانہ میں رکھوا دی تھیں۔ وہ انگریزی سپاہ کی غارتگری کی نذر ہو گئیں۔ کپڑوں یا دوسری چیزوں میں سے جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ فروخت کر کے کھایا۔ جولائی ۱۸۵۹ء میں نواب یوسف علی خاں مرحوم والی رام پور نے سو روپے ماٹہ کا قتل وظیفہ مقرر کرویا تھا لیکن غالب اس سے قبل ڈیڑھ برس کی مدت میں کافی قرضے چکے تھے۔ رام پور کا وظیفہ ان کے احتیاجات کی وسعت کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ یوں تو غالب کی زندگی کا کوئی دور بھی کشائش، فراغت بال اور اطمینان کا دور نہ تھا لیکن غدر کے بعد کے تین سال بڑی ہی مصیبت کے سال تھے بیٹن سے بھی زیادہ غالب کو غفلت اور دربار کی بندش کا قلق تھا۔ جسے وہ اپنے ذاتی اعزاز اور خاندانی وجہات کا زوال سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس دور میں ان کے مکاتیب کا ساز و دوالم بہ طور خاص دانگیر نمونوں سے بہرہ ور رہا۔

حکام سے تعلق | غدر میں پہلے باغیوں کے ہاتھوں پھر انگریزی فوج کے ہاتھوں شہر پر چڑھتے ہیں نازل ہوئی تھیں۔ ان سے غالب کے دل پر سخت چوٹ لگی تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے ابتدا میں انگریزی حکام کے ساتھ کوئی رابطہ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ ہر گوپال تفتہ کو ۳۰ جنوری ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں رقم فرماتے ہیں :-

کسی حاکم سے نہیں، کسی کو خط نہیں لکھا کسی سے درخواست ملاقات نہیں کی۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

بھگہ نو دلکھو نہ آزاد ہووں نہ قید۔ نہ رنج ہووں نہ تندرست۔ نہ خوش ہووں نہ ناخوش۔ نہ مر

ہوں نہ زندہ رہنے جاتا ہوں بائیں کئے جاتا ہوں۔ روٹی نہ کھاتا ہوں۔ شراب گاہ گاہ

پئے جاتا ہوں جب موت سے کی مرہوں گا۔ نہ شاک ہے نہ شکایت ہے جو تقریر ہے

برسبیل حکایت ہے۔

نیشن کے لئے سلسلہ جذباتی جب ریج والہم میں بہت خاصائے مرور زمانہ تخفیف ہوئی اور احتیاجات نے بیک کیا تو غالباً نیشن کے حصول کے لئے سلسلہ جذباتی شروع کر دی لیکن انہیں ہرگز سے ایسی نظر آتی تھی میری مدی مخرج کو لکھتے ہیں:-

دیکھا اس نیشن قدیم کا حال میں تو اس سے اچھے دھوئے بیٹھا ہوں۔

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ غالباً نیشن سے بھی بڑھ خلعت دور بار کا قلق خاص مخرج نے غالباً لکھا تھا کہ نیشن کے لئے گورنر جنرل کے پاس مرافعہ کرنا چاہئے جواب میں لکھتے ہیں:-

بے نکتہ دیکھ من خاصہ روانی

سرور است ہوا آتش بے دود کجائی

میر میری صبح کا وقت ہے جاڑا خوب پڑا ہے انگلیسی سامنے کھن بونی ہے دور در

لکھتا ہوں اچھا تا چاہتا ہوں آگ میں گرمی نہیں۔ بے آتش سیال دشراب اکاں کرب

دو جڑے پی لئے نور آگ و پے میں دوڑ گئی۔ دل ترنا ہو گیا بدیع روشن ہو گیا نفس ناخدا

کو تو اجد ہم پہنچا ساقی کوڑ کا بندہ اور تھن سب بے غضب بے غضب۔

سیاں تم نیشن نیشن کہتے ہو۔ گورنر جنرل کہاں، مڈنیشن کہاں، صاحب ڈپٹی کمشنر صاحب کسٹر

بہادر، نواب لغٹٹ کو در بہادر جب ان تینوں سے جواب دیا ہو تو اس کا مرافعہ گورنمنٹ

میں کروں۔ مجھے تو دربار خلعت کے لئے پست ہوئے ہیں تم کو نیشن کا فکر ہے۔

ایک خط میں فرماتے ہیں:-

میرا دربار اور خلعت دربار ہو گیا۔ نیشن کی توقع دربار و خلعت کی صورت نہ سزا

نہ انصاف نہ رسم عمومی قدیم۔

دوسرے نیشن داروں کے حالات | بعض دوسرے نیشن داروں کے اور اپنے حالات بیان کرتے

ہوئے فرماتے ہیں:-

اے کوئی دن ہوئے حیدر نماں گرفتار آیا ہے۔ پاؤں میں بیڑیاں۔ اٹھوں میں مخمور

کتا بکے ذریعے سے حکام کے ساتھ تجدید روابط کی معقول صورت پیدا ہو جائے چودھری عبدالغفور خاں مسرور مارہروی کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

راہ ورسم مراسلت حکام عالی مقام سے بہ دستور جاری ہو گئی ہے۔ نواب نضت گورنر بہادر غرب و شمال (آگرہ واد) کو نسخہ دستنبو سپیل ڈاک بھیجا تھا ان کے خط فارسی شہر حسین بندہ و قبول صدق و امانت و مروت سپیل ڈاک آگیا۔ پھر قصیدہ بہار تہنیت و مدح بھیجا گیا۔ اس کی رسید گئی وہی "خاں صاحب" بسیار مہربان و دوستانہ "انقاب اور کاغذ انشائیہ" ان کا ایک قصیدہ رابرٹ فننگری صاحب نضت گورنر بہادر قلعہ پنجاب کی مدح میں متوسط کیفیت بنا و ردہی گیا۔ اس کے جواب میں بھی خوشنودی نامہ بہ توسط کشن بریل مل مجھ کو آگیا مین بھی ایک مجھ کو نہیں ملی۔ جب مے گی حضرت کو اعلان کر دی جائے گی۔

ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے کو تو ال سے غالب کے متعلق کیفیت طلب کی گئی تھی فرماتے ہیں :-

میشن کی صورت یہ ہے کہ کو تو ال سے کیفیت طلب ہونی اس نے اچھی لکھی۔
 خوش اعتقادی | غالب بڑے خوش اعتقاد تھے۔ صاحب نے بلایا۔ اچھے انداز میں گفتگو کی۔ اور غالب کو یقین ہو گیا کہ اب مین مینے والی ہے۔

ہفتے کے دن ساتویں گشت ۱۸۵۹ء کی مجھ کو اجزن صاحب بہادر نے بلایا کچھ سوال مجھ سے کئے۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تخرامے اور جلدے۔ تردد اگر ہے تو اس میں ہے کہ ہندوہ مینے پہلے بھی ملتے ہیں با صفت آئندہ کو مقرر ہوتی ہے

حالانکہ اس کے بعد بھی مین کے حصول میں کم و بیش پونے دو برس صرف ہوئے۔
 "دستنبو" کے مختلف نسخے مختلف حکام کے پاس پہنچے اور رسیدیں آتے لگیں تو پھر غالب کی گشت امید میں آبیاری کا سامان ہوا۔ اوائل مارچ ۱۸۵۹ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں :-
 صاحب کشن بہادر دہلی مین جناب سائڈرس صاحب بہادر نے مجھ کو بلایا پتہ بندہ ہندوہ

کو میں گیا مناسب شکار کو سوار ہو گئے تھے۔ میں اٹا پھرایا۔ جمعہ ۲۵ فروری کو گیا ملاقات
 ہوئی، کرسی دی، بعد پرسش مزاج کے ایک خط انگریزی چار ورق کا اٹھا کر پڑھتے رہے۔
 جب پڑھ چکے تو مجھ سے کہا کہ یہ خط ہے حاکم اکبر صدر بورڈ پنجاب کا تمہارے باب میں
 لکھتے ہیں ان کا حال دریافت کر کے لکھو۔ سو ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم کیا مقررہ خدمت
 کیا، جگتے ہو حقیقت کہی گئی ایک کاغذ آمدہ ولایت سے کیا تھا۔ وہ پڑھو ادب پھر دیکھا
 تم سے کتاب کہیں ملھی ہے۔ اس کی تصنیف بیان کی۔ کہا ایک کتاب میکلڈ صاحب نے
 دیکھنے کو مانی ہے۔ وزیر ہم کو دو میں نے عرض کیا گل حاضر کروں گا پھر پین کال
 پوچھا وہ گزارش کیا۔ پنے گھر آیا اور خوش آیا۔

جیسا کہ وزیر عرض کیا با چکا ہے۔ خوش اعتمادی کی بنا پر نا لب نے اپنی ستف رات کو
 نئی خوشگوار امیدوں کا سینے بنا لیا فرماتے ہیں :-

دیکھو میری حاکم پنجاب و خدمت ولایت کی یہ خبرنا ہوں سے کیا اطلاع پیش کی
 یسٹش سے کیا ملا۔ یہ ہفت سار بنام کو رز جنرل با در ہو ہے اور یہ صوت قد رفیع و فیضی

ان کی تحریر سے خیال ہوتا ہے کہ وہ نہا ہیں لے کر گئے لیکن سائڈرس صاحب باہر
 پے گئے اور جاتے ہوئے کہ گئے کہتا ہیں ان کے ناشی کے حوالے کر دی جائیں۔ ایک
 دن کے دن سے بعد نا سب چر ملاقات لے گئے۔ سائڈرس صاحب نے بہت التفات
 سے باتیں ہیں۔ نا لب کے وزروں کے سرٹیفیکیٹ دکھانے میکلڈ صاحب کے نام ایک خط لکھو
 لے گئے تھے۔ وہ سائڈرس صاحب کو دیا کہ دستبر کے ساتھ میکلڈ صاحب کی خدمت میں
 بھیج دیا جائے۔ پھر پین کے منہن شکر کرتے ہوئے نا لب عرض کیا کہ اس کو ریکارڈ
 خدمت نا لب کی خوش امتدادی کو ایک اور وجہ مرقع سے یعنی وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ بس
 نام مرمل طے ہو چکے ہیں تاہم تحفیں و جیتیں ختم ہو چکی ہیں، صبر ثبات کی آزمائش ہو چکی ہے

منشی سید جان خاں آیا اب بھی وہی ہیں یا ان کی جگہ کوئی اور صاحب ہیں۔ ان سب باتوں میں سے جو آپ کو معلوم ہوں وہ اور جو نہ معلوم ہوں ان کو معلوم کر کے مجھ کو لکھتے اور جملہ لکھتے اور ضرور لکھتے۔

اب خط میں خواجہ غلام غوث خاں پنچیر سے اس قسم کے متعدد دستفارسات کئے ہیں مثلاً گورنر جنرل کا چیف سیکریٹری ڈیڈمنشن کی جگہ کون ہوا؟ لٹننٹ گورنر کے سیکریٹری کا نام کس کے حوالے کیا گیا؟ گورنر جنرل کا دورہ کب شروع ہونگا؟

دستنبیو کی رسیدوں پر خوشی غالب دستنبیو کے نسخے بجا ہی بھیجتے جاتے تھے اور وہاں سے رسید آتی تھی خوش ہو جاتے تھے۔ جہاں سے کوئی اطلاع نہیں ملتی تھی پڑا مردہ ہو جاتے تھے۔ خواجہ غلام غوث خاں پنچیر نے اطلاع دی تھی کہ لٹننٹ گورنر کے نام جو پارسل بھیجا تھا وہ مل گیا۔ اس پر خوش ہو کے لکھتے ہیں :-

اس مرتبہ نے وہ کہا جو پارہ ابرشت خشک سے کرے یعنی خط و پارسل کا پہنچ جانا اب نہیں کہ اس سے خبر پا کر غصہ کی صفائی کا پاس گزار دہوں یہ تو حضرت کو لکھ چکا ہوں کہ ۱۰۔ پارسل اور خط اس خطے ساتھ بھیجائیں ورنہ توقع کا خیال ہی پارسل پر ہے۔ اس واسطے کہ اس خط میں عام غرض سے نام و منی غفوت ہے۔ جانتا ہوں کہ غلط ایک ڈر۔ اب دونوں پارسل دونوں مٹانے تک دن پہنچے ہوں گے مکمل نہیں مانتا اور یہاں سے کہ مٹاؤں گا۔ جب تک حضرت اس سرشت سے معلوم کر کے نہ لکھیں۔۔۔۔۔

ایڈمنشن صاحب گورنر بن کر آکر آئے تو غالب نے انہیں بھی دستنبیو بھیجی۔ نیز گورنری کی تنہیت میں ایک فارسی قصیدہ بھیجی۔ ان کی طرف سے جواب میں ایک فارسی خط آیا جو کتاب کی رسید و نظم کی تحسین پر مشتمل تھا بعد ازاں غالب نے پنجاب کے لٹننٹ گورنر روبرٹ منگری کو بھی ایک قصیدہ تمکیر تنہیت و حق بھیجی لیکن فرماتے ہیں کہ

چٹن کے باب میں بھی کچھ شک ہے اسباب قلع فراہم ہوتے جاتے ہیں دیراً بدست
 نایاب کھانا ہی نہیں ہوں، آدھ سید گوشت دن کو اور پانچ بھر شرب سات کوٹے جانی ہے
 حکام دہلی کی یہ غارتگری معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کے سرشتہ نشم و نسق سے نالکے حق میں اچھی
 رپورٹ نہیں مونی تھی بلکہ لکھا گیا تھا کہ وہ فشن کے سختی نہیں لیکن صدر کے بھی مرنے فشن
 کی منظوری دے دی۔ نالکے خود فرماتے ہیں :-

گو بیٹ نے برفندت یہاں کے حاکم کی رائے سے میری فشن سے اجزا حکم دے دیا
 ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

میرا دو سو سے بچنا درست اسد تھی سہا ان مپوں سے لکھا تھا عظیمہ مدنی نام
 شہ نگر دے شیپوں کر فشن پڑے تاقی ہیں حامد صدر نوجو فشن دے دے دریا دے
 گورنر جنرل ہاکم امارا پتہ شہ کے ایک جنوب میں فرماتے ہیں :-

نواب گورنر جنرل بہادر نے حاکم پنجاب کو لکھا کہ دہلی سے فساد شخص کی فشن کے چڑھے
 ہونے روپے کے ایک مشٹ پانے کی دورۂ بندہ ماہ بہ ماہ شے کی رپوت منگو کر دینی
 منظوری لکھ کر ہمارے پاس بھیج دو۔ لکھنؤ بھی دے کر ہمارے پاس بھیج دیں سو یا
 اس کی عمل بہ طرز سب نوکی لہ فشن دو جیسے میں سب روپے لے جا رہا ہوں

مروج جن جن لوگوں کے لئے فشنوں کی منظوریوں جو علی تیار یا جن کے حق میں چلی فشنوں علی
 تھیں اور توقع تھی کہ انہیں ضرور فشنیں مل جائیں گی انہیں ساری چرھی نہ ملی نہیں ست
 سے قبل ۱۸۵۹ء میں قریباً ایک ایک سال فشنیں نہ مل سکیں حساب ملتی تھیں نواب
 فروری ۱۸۵۹ء کے خط میں لکھتے ہیں :-

علی فشن نماں بچاں روپے سہ ہونے پاتے ہیں باقیں جیسے کہ ۱۵۰۰ روپے
 کیا سو ہوتے ہیں ان کو چھ سو روپے مل گئے باقی چھ سو روپے بندہ شے میں بچاں نہیں
 غلام حسن خاں سو روپے لینے کا فشن دار باقیں لینے کے باقیں سو ہوتے ہیں۔ اس کو مارا

لے۔ دورانِ کشن لال کا ڈیڑھ سو روپیہ معینہ بائیس مہینے کے تین ہزار تین سو ہوتے ہیں
اس کو اٹھارہ سو روپے لے کر مناجھار دس روپے مہینے کا سکھ لبر سال بھر کے ایک سو
میں روپے لے آیا اس طرح پندرہ سو لادھیوں کو ملے۔

مذخج کی شرح | اس کا نام مذخج تھا اور اس کے حصول کے لئے اقتصادی بے مقصدوری کے
انبارک واسطے چار گواہ پیش کرنے پڑتے تھے جب فروری ۱۸۵۹ء میں دو سریشن داروں
کو مذخج، تو غالب نے بھی اس کے لئے کوشش کی تھی۔ خطوں پر خط حکام کو لکھے بڑی دیر کے
بعد کو تو ال کے نام حکم آیا کہ۔

سدا شدہ فنانسین دور کی سفید نامہ کو وہ بے مقصد اور محتاج ہے۔ نہیں۔ کو تو ال نے
دافن ذابطہ کے مجھ سے چار گواہ مانگے ہیں سو کل چار گواہ کو تو ال جیو ترہ بائیں گے۔ اور
میری بے مقصدوری خط ہرگز میں کے تم نہیں یہ نہ سمجھنا کہ بعد ثبوت شخصی خیر ماہوا و ہر پیل
جائے گا۔ نہ صاحب یہ تو عن ہی نہیں بعد ثبوت افداس متقی ٹھہروں گا چھ مہینے یا برس لگا
روپیہ ملے حساب پائے گا۔

غالب کو اس وقت کچھ نہ ملا۔ اور پورا ایک سال گزرنے کے بعد مشن کی منظوری ہوئی
سرف۔ خدی کا ردائی کیس باقی تھی۔ مشن نے حکم دیا کہ اگر ملے حساب سو روپیہ لینا چاہو تو
تو۔ غالب نے اس وقت بھی سال بھر کے روپے کا مطالبہ کیا۔ لیکن جواب ملا جب سدا شدہ
جلد ملنے والا ہے تو انہی بڑی رقم ملے حساب لینے کی کیا ضرورت ہے۔

تین سال کا روپیہ مل گیا | غرض ہم مئی ۱۸۶۰ء کو غالب کو تین سال کا روپیہ یک مشت ملا۔ اور
آئندہ ماہ بہ ماہ روپیہ ملنے کا حکم ہوا۔ مئی ۱۸۶۰ء کے خط میں تفتہ کو لکھتے ہیں :-

زار۔ سالہ مجتہد ہزاروں کہاں سے ہوا۔ سات سو پچاس پانچا ہوں تین برس کا دو ہزار
دو سو پچاس ہوسے سو روپے مجھے مذخج ملے تھے وہ کٹ گئے۔ ڈیڑھ سو منفردات ہیں کٹے
ہے۔ دو سو روپے میری نہیں۔ کار ایک بننا ہے۔ اور میں اس کا قرضہ ارقہیم ہوں۔ اب جو

دو ہزار روپے لا یا اس نے اپنے پاس رکھ لئے اور بچے سے کہا میرا حساب کیسے سات کم
ہند رہ سو اس کے سودوں کے ہوتے۔ قرض متفرق کا اسی سے حساب کرایا یا بارہ سو کئی
روپے وہ بچے۔ ہند رہ اور گیارہ چھپیس سو ہوتے اصل میں بیسی دو ہزار میں چھ سو کا گھٹانا
وہ کہتا ہے کہ ہند رہ سو میرے دسے دو پانسو سات باقی تم سے لو۔ میں کہتا ہوں متفرق
گیارہ سو چکا دینے تو باقی نو سو ہے تا دسے تو دسے بچے دسے برسوں چو غنی۔
امہ منی مشہور کہ وہ روپے لا یا کل ایک قصہ نہیں چکا میں جلدی نہیں کرتا دو ایک ماہ
بچا میں ہیں۔ بچتے بھر میں جھگڑا فیصل ہو جائے گا۔

بال ہی تفصیل میری مجروح کے نام کے خط میں موجود ہے۔ نثار کے ساتھ فیصل کے بعد
ایک خط میں لکھتے ہیں :-

پنشن بے کم دلا ست جاری ہوا۔ نہ بھتہ نہ سال ایک مشت لایا۔ بعد اوائے حقوق
چار سو دینے باقی رہے اور تاسی روپے یا بارہ آنے بھنے پچے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو نثار نے اپنے قرض کے سود میں کمی کر دی تھی۔ یا اس کا
مقتور ابست روپیہ باقی رہ گیا تھا۔ اور غالب نے اسے ماتم حقوق میں شامل نہیں کیا تھا۔
خوشی کی دو وجہیں | پنشن کے ملنے کی ایک خوشی تو یہ تھی کہ روپیہ مل گیا تھا، اور غالب قرض خواہوں
سے کم از کم مقتوری مدت کے لئے ضرور نجات مل گئی تھی۔ دوسری خوشی یہ تھی کہ عزت گئی
حاصل مل کے لئے اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہی۔ وہ خود لکھتے ہیں :-

بات رہ گئی پت رہ گئی عاصدوں کو موت آگئی دوست سب شاد ہوئے جیسا

نہ بھوکا ہوں جب تک جیوں گا ایسا ہی رہوں گا۔

خلعت دور بار | پنشن کا قصیدہ طے ہو گیا تھا لیکن غالب کے خاندانی اعزازات کی ایک بڑی چیز جو
انہیں پنشن سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ دربار و خلعت کی عزت تھی، اس عزت کی بجالی کے لئے غالب

کو مزید دو برس جدوجہد کرنی پڑی۔

گورنر جنرل نے سن ۱۸۶۷ء کے آغاز میں میرٹھ میں دربار کیا تھا۔ غالب اس امر کے متوقّف تھے کہ انہیں بھی دربار میں بلایا جائے گا لیکن ان کی یہ توقع پوری نہ ہوئی۔ مناسب انتظار کے بعد انہوں نے خود درخواست کی کہ سابقہ قاعدے کے موافق انہیں بھی دربار میں بلایا جائے۔ خبر ملنا کہ انہیں ہو سکتا۔ دربار کے بعد گورنر جنرل دہلی آئے تو غالب معمول کے مطابق خیمہ گاہ میں پہنچے مولوی اظہار حسین صاحب میرٹھی سے بے چیف سکرٹری کو اطلاع کرائی۔ جواب ملا کہ فرصت نہیں دوسرے روز پھر گئے۔ اور اطلاع کرائی لیکن میرٹھی صاحب نے جواب دیا کہ ایام غدر میں تم باغیوں سے اخلاص رکھتے تھے۔ اب گورنمنٹ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟

غالب فرماتے ہیں :-

میں دن چلا یا دو دوسرے دن میں نے انگریزی خط ان کے نام لکھ کر ان کو بھیجا۔ مضمون یہ کہ باغیوں سے میرا غلامی مٹنے کا ہے، امیدو رہوں کہ اس کی توثیق ہو، تاکہ میری صفائی اور بے گناہی ثابت ہو۔ یہاں سے مقامات پر جواب نہ ہوا۔ اب ماہ گزشتہ یعنی فروری، سن ۱۸۶۸ء میں پچاس کے ملک سے جواب آیا کہ لارڈ بہادر فرماتے ہیں کہ ہم تحقیقات نہ کریں گے۔

ایک اور خط میں فرماتے ہیں :-

میرٹھی صاحب کے ملا۔ ان کے خیمے میں اپنے نام ٹاکٹ لکھا، صاحب سکرٹری بہادر کے پاس بھیجا۔ جواب یہ کہ تم غدر کے دنوں میں بادشاہی باغیوں کی خوشامد کر رہے تھے۔ اب گورنمنٹ کو تم سے ملنا منظور نہیں ہیں کہ اسے بہرہ منہ سے مٹنے نہ ہو جب لارڈ صاحب مارہا تھیں۔ میں نے قصیدہ سب محول صبح دیا، بیچ میں حکم کے واپس آیا کہ آپ یہ چیزیں ہٹا کر

سے یہی قصیدہ ہے جس کے تعلق برصغیر سرز کو لکھتے ہیں کہ دو مہینے دن رات خون صحرانہ اور ایک قصیدہ جو شہریت کا دیا غمناک معبود کو دے دیا وہ پہلی وکیر کو کچھ کو دے گا۔۔۔ میں اس میں اپنی تمام سرگزشت کے لکھنے کا کیا ہے۔

پاس نہ بھیجا کرو۔

جیون لال کارونماچہ | اسیر خیال ہے کہ محض غالب بلکہ بعض دوسرے اکابر پر بھی غدر میں شرکت یا باغیوں سے اخلاص کا جو التزام لگا تھا اس کی بناء و اساس منشی جیون لال کارونماچہ تھا۔ منشی صاحب کے متعلق مشہور ہے کہ وہ غدر کے زمانے میں دہلی میں انگریزوں کے خالص سوس تھے اور شہر کے حالات کے متعلق روزانہ رپورٹیں مرتب کر کے بھیج کر دیتے تھے۔ منشی رپورٹوں کا مجموعہ ان کارونماچہ ہے۔ اس میں جو حالات بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض بدانتہا غلط ہیں۔ مثلاً ایک موقع پر غالب کے متعلق لکھا گیا ہے کہ انہوں نے انگریزوں پر فتنہ پھیلانے کی خوشی میں بہادر شاہ کے روبرو قصبہ پرچا لائے۔ غالب ایک لمحہ کے لئے بھی ٹھہرے دروازے سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔ یا کم از کم وہ اپنے کوچے سے باہر نہیں گئے تھے۔

افزانات کی بجالی | یہ ہر حال فشن کھل گئی لیکن دربار و خلعت کی بجالی کے سلسلے میں تحقیقات کوئی رہی جب غالب کے گناہ ثابت ہوئے تو پانچ ستمبر ۱۸۵۷ء میں خلعت و دربار بھی بجالا ہو گئے۔ غالب لکھتے ہیں:-

دوشنبہ ۳ پانچ ستمبر ۱۸۵۷ء کو سواد شہر خیمہ گم رزی ہو۔ آخر روز میں اپنے شفیع قسیم جناب مولوی انوار حسین خان بہادر کے پاس گیا۔ اٹنا گھنٹوں فرمایا۔ تہا دربار و خلعت بہ دستور بہ حال و بقرہ منہ سچرا میں سے پوچھا کہ حضرت کیوں کراہت فرماتے رہا کہ عاکم ہاں ولایت سے اگر تارے علاقہ کے سب کا غدا انگریزی و فارسی دیکھے اور بہ اجلاس کو نسل حکم کھٹو کہ سدا شہ خاں کا دربار اور خیمہ و خلعت بہ دستور بہ حال و بقرہ رہے۔

دوسرے دن سردار برٹ فنگری صاحب لفٹنٹ گورنر پنجاب نے بایا کر خلعت وے دیا۔ او کہا کہ اگر گورنر جنرل کے دربار انبالہ میں شرکت کرو گے۔ نو وہاں بھی خلعت ملے گا۔ غالب اگر یہ لفٹنٹ گورنر صاحب کے کہے آئے تھے کہ وہ انبالہ کہاں جائیں گے۔ لیکن باوجود عدم اتطاف منہ نصار

وہ جانے کی تیاری کر رہے تھے اس سے چند ماہ قبل ان کے ہاتھ پر پھنسی لگی تھی جس سے سخت تکلیف وہ سورت اختیار کر لی اور انہیں اپنا ارادہ سفر سے گزرا پڑا۔

گویا مارڈیڈنگس دربار و خدمت بند کیا تھا اور ان کے جانشین نے ان کی جگہ پر کربا حضرت مولانا ابوالحسن احمد آبادی بیان فرماتے ہیں کہ غالب کی مہین اور دربار و خلعت کی بجالی کے لئے سرسید احمد خاں مرحوم نے غاس کو شمل فرمائی تھی۔

حاجہ خانی نے خیانت جاوید میں سرسید کے بیان کی بنا پر تحریر فرمایا ہے کہ غالب امر پور کے پتہ غریبے و اہل جوئے مراد آباد پہنچے تو اس زمانہ میں سرسید مراد آباد میں حصہ لکھتے تھے جن کی لفظ غریبے زمانے سے سرسید کے ساتھ تعلقات کشیدہ ہو چکے تھے۔ اس لئے غالب نے مراد آباد میں سرسید کو اطلاع دی تھی اور وہ آتے وقت نہیں مطلع کیا لیکن سرسید کو اطلاع مل ہی تو وہ غالب کو کہہ گئے کہ اُنہما کر مکان پر ملے۔ غالب بالہی سے ترس و ہراس کے ہاتھ میں بول غلی بت انہوں نے سرسید کے مکان میں ایسی جگہ پر کھڑے ہوئے جہاں سرسید نے بات کی جگہ پر تھی۔ سرسید نے بول اٹھا کہ اسباب کی کوٹھڑی میں آؤ دو۔ غالب کو بول اپنی جگہ پر نظر نہ پڑی تو وہ بہت کھبر سے لیکن سرسید نے اطمینان دیا کہ وہاں موجود ہے اور وہ وہی جگہ پر تھی۔ غالب نے اس کے دیکھنے پر اصرار کیا کہ وہاں سے اندر سے پار نہ دے۔ غالب نے بول اٹھا کہ تو دیکھ کر کہا کہ اس میں خیانت ہوئی۔ اس نے اس کے بیانیہ سبب حاطہ سے کہہ دیا ہے کہ

وہاں میں سب کو بھرا ہے کہ

بہار و سورت سے رونداں کا رو گیا ہے کہ

وہ سرسید کے ساتھ برشتہ کر غالب کو ملی چلے آئے۔ خواجہ خانی نے فرمایا ہے کہ اس کے بعد بھی یہی فیوضی یہاں اس زمانے میں غالب مہین کی بندش کی وجہ سے بہت مضطرب تھے۔

اس کے بعد بھی یہی فیوضی یہاں اس زمانے میں غالب مہین کی بندش کی وجہ سے بہت مضطرب تھے۔

ممکن ہے سرسید نے اس ملاقات کے بعد ہی مٹین اور ربارہ نصرت کی بجاں کے لئے گوشش شروع
 کر دی ہو مٹین غالب کو تہنیتیں لکھیں اور ربارہ نصرت میں جال سے چمک پڑا
 حکام ہلی کی رائے کے خلاف صدرت، احکام علی بن ابی طالب کوئی تھی۔ اس سے غائب کہ جس بجاں
 میں سرسید کی سعی سے بڑھ کر موثر ہوئی ہو

غالب اور غدر | مناسبت مضمون | اقتضایہ ہے کہ غالب نے لارڈ کیسٹ، اربٹ ٹھکری اور جن دوسرے
 انگریزوں قصیدوں میں اپنے تعلق اور غدر کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے ہی یہاں دہرایا ہے۔
 لارڈ کیسٹ کے قصیدے میں فرماتے ہیں ۵

بہ کو دی شدہ امیر بڑھ چن خان نزل	نماہ از شہر پیغمبر رس بہار آمد
وے انراں حمد مال و مال تو فہمی	کہ دست آچہ بہ تحول نالسا آمد
زیب و جہ فزوں فرو درخت بہ خلق	غن بہ دست من ز دست رعشہ وارد
بہ پیریم ز قاناسے طبع و نگرے	نیاس و ج شمشاہ روز کار آمد

پھر فرماتے ہیں کہ مکہ و کثوریہ و من میں قصیدہ بھی بولان سے نوش خودی کے خدا سے یکساں کہ
 رہا تھا کہ دیکھیں تو کس طرح کو فیض و حال کرتا ہے۔ اسی اثنا میں غدر رہا ہو گیا ۵

بنا گرفت چناں سر صوبہ زندہ بہر	کڑاں بہ نرسند آسمان غبار آمد
شرہ بار غبار سے ز نڈ خاک انگخت	سیاہ رو سپے کاندہیں دیار آمد
تو کوئی آچہ من ن۔ انبار سے کویم	رہ کشت من ابر مدل بار آمد
درب عکس آسوب کز صوبت ن	سیاہ کسیر ہی بہ زینما ر آمد
گواہ و عوی غالب بہ مرض بے گنہی	بہیں پس است کہ سر گونہ رنگ ر آمد
خواب غفلت و مٹین ز شادے خویم	بہم ز تخت بدیں وایہ امہتہ ر آمد
پس از سال کہ درین وچ و تاب گذشت	سر زرش اندوہ آشکار آمد

ٹھکری کے قصیدے میں لکھتے ہیں :-

ذکر میں فتنہ کہ برخواست زانہوہ سپاہ
 بوز باسنے کہ قلم راست سر اسرارو
 چوں دیں شہر تم بہر کہ عاشق دلی است
 ویدم آشوب کہ ہنگامہ شہر دارو
 بندہ سے خواست کہ بیرون و دایا بود
 تو است کہ نگوشہ قدم پر دارو
 ماند و آئین وفا دشت دیاں و نہ منزل
 نیز آں قاعدہ با خوشی مقرر دارو
 جز ثنائے و دعائے کہ ہے گفت و گفت
 و آنچه گفت و دریں وقت ہم از بہارو
 و گرایں نیز قہر است کہ تدبیر نہ کرو
 چہ کنہ آں کہ نہ گنجینہ لشکر دارو
 بود با بندہ و راں و ذرو ہم امر و زیارت
 خشت و خاک کے کز آں باشی بہتر دارو
 خود بریں توان کہ ماتم زود و مردہ دل است
 دو گواہ از لب خشک مرثیہ تر دارو
 بہ گواہان و گریہ ساز گرفت حاجت
 دم سر دوش زرد و تن لاغر دارو
 از تو جز داد و نخواہم کہ در آئین و داد
 ایں چنین کار نہ پاؤش نہ کیفر دارو
 بوس کار و گریہ بہ جز شہر و شہر
 اینت حرفے کہ لبیم بال لب ساغر دارو

اس قصیدہ کے آخر میں بھی یہی لکھتے ہیں رنگہ دلشور یہ کا قصیدہ بکھڑکھڑا ہواں سے دو

خود دی ناست آسے نیز گورخوں نے خدا بھیجیے۔

ایڈیشن صاحب کے قصیدے میں ذماتے ہیں :-

از حضرت شہنشاہ نیا طرستان سن بو
 در مروج سخی صمد گوہ کامرانی
 ناگہ ز تہ بادے ہاں خواست و ظلم
 بہم ندان بنار انیسرنگ آسانی
 در وقت فتنہ بودم غمگین و بودا ہن
 زاری و بے توانی پیری و ناتوانی
 حالت بودہ شہر باہی بہ شکار
 عاشاک کردہ با شہر ترک و فغانانی
 از تہمتے کہ بر من بستند بد شکاراں
 حکام راست با من یک ز سرگرائی
 در پیریم زیں غم جز مرگ چارہ نبود
 خود پیر تہمتے من بودے اگر جوانی
 وارم شکر فحاشے از مرگ و زینتوں
 جاں کر چہ بہت شیریں تیغ است کانی

تادسترسم جو دودم چاک گریباں
شہر مندگی از سر قوشینہ دارم

جب ڈاڑھی مونچھ میں بال سفید آگئے تیسرے دن چوٹی کے انڈے نکالوں پر نظر
آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دودانت ٹوٹ گئے ناچار سی بھی چھوڑ دی
اور ڈاڑھی بھی۔ مگر یاد رکھئے اس بھونڈے شہر میں ایک دلی ہے عام۔ ملا، حافظ ابنا
پیچہ بند دھو بی، سوا بھٹیباہ، جولاہہ، کنچڑا، سنہ پڑاڑھی، سر پہ بال، فقیر نے جس دن ڈھی
رکھی اسی دن سر منڈایا۔

یہ مکتوب ۱۸۵۹ء کے اوائل کا لکھا ہوا ہے۔ اس لئے کہ اس کے آخر میں جارج فرڈینک
ایڈمنٹن صاحب لفٹنٹ گورنر صوبیات متحدہ کو دستخط دینے کا ذکر ہے۔ دستخط کی طباعت
نومبر ۱۸۵۸ء میں ملتی تھی۔ اور ایڈمنٹن صاحب جنوری ۱۸۵۹ء میں لفٹنٹ گورنر بنے۔
اس مکتوب کے ظاہر ہوتا ہے کہ:-

(۱) غالب کا شیدہ قاتل تھے۔

(۲) ان کا رنگ سنہتی تھا۔

(۳) جوانی میں ڈاڑھی منڈاتے تھے۔

(۴) جب سر اور ڈاڑھی میں سفید بال آگئے تو سر منڈانا شروع کر دیا اور ڈاڑھی چھوڑ دی۔

(۵) جوانی میں منی استعمال کرتے تھے۔

(۶) ہاتھ تریشہ برس کی عمر تک ان کے آگے کے دودانت اکھڑ چکے تھے۔ اس کے

ساتھ ہی انہوں نے منی کا استعمال ترک کر دیا تھا۔

خدا میں مت بہت بھی تھی | غالب کی صحت شروع میں بہت اچھی تھی۔ اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ

ہے کہ ان کی بدلتی تحریرات میں بیاریوں اور پنجریوں کا ذکر قریباً ناپید ہے۔ صرف مولوی محمد علی

خان صدر امین باندہ بوندیل کھنڈ کے نام کے ایک خط میں جو کلکتہ جانے کے دوران میں لکھا گیا

تھا یہ ذکر ملتا ہے کہ انہیں باندھ کے قیام کے دوران میں بھارا گیا تھا۔ فرماتے ہیں :-

مذکورہ زحمت صدمہ اور دسرا دہی انجرا ہم نہ باندھاڑے در طبع نگرانہ صنف

گر باقی بہت تردد سے نیست۔ چہ ایں رفیقے بہت کہ زوہن کہ چہ ہری بہت بہت۔

تپ لڑنا | اور وہ خطوط میں سب سے پہلے بیماری کا ذکر نشی ہر گویاں تفتہ کے نام کے ایک خط میں آیا ہے جو ۲ مارچ ۱۸۵۴ء کا مرقوم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب ۲۶ فروری ۱۸۵۴ء کو بیمار تپ لڑ رہا ہوئے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

میں چار دن سے لڑ رہا ہوں۔ اور روزہ یہ ہے کہ جس دن سے لڑ رہا ہوں

کھا نا مطلق نہیں کھا با۔ آج پچھنہ پانچواں دن ہے کہ دن کو کھا نا میرے ساتھ نہ رات

شراب۔ حرارت مزاج میں بہت ہے۔ ناچا مارا کرتا ہوں۔ جانی میں درد ہو رہا ہے

کہ پانچواں دن ہے کھا نا کھائے ہرگز بھوک نہیں ملتی۔ طبیعت ہ کی طرف متوجہ نہیں

معلوم ہوتا ہے کہ غالب حفظ صحت کے لئے مسلسل یہی سے یہ کہنے لگتا تھا کہ ایک خط میں

لکھتے ہیں :-

میں سسل میں ہوں۔ یہ نہ بکھنا کہ بیاہوں خط صحت کے واسطے سسل لیا ہے

تولین | مئی ۱۸۵۴ء میں تولینج کا سخت حملہ ہوا۔ تفتہ کو لکھتے ہیں :-

جانی وہ خط پہلا تم کو بھیج چکا تھا کہ بیمار ہو گیا۔ بیمار کیا ہو رات نیستی نہ رہی من و

پھر کبھی شدید کہ پانچ پر مغنیم سسل کی طرح تڑپا گیا آخر صبح روزہ اور رات ہی کاٹل یہ اس

وقت تولینج گیا۔ رات نہ ہوا۔ غصہ نہ ہوا میری غذا تم کا تھا تو نہ رہی میں باہر

دس دن میں دوبارہ بھی آدمی نہ جانی کو باروں میں اب بار نہ تھا دل فرما ہی کھانا

کالیا اور لو بخارہ کا، فشرہ اس پر رہا۔ بل سے خوف رک گیا ہے اور بہت رست کی

نظر آئی ہے۔ آج صبح کو ۴ بجے ششہا بعد دو اپنے کے تم کو بھیج لکھا ہے یقیناً وہ

کہ آج پیٹ بھر کر دینی کھا سکوں۔

چاقو سے ہاتھ زخمی ہو گیا | دیکھ کر شہر میں قلم نہایت وقت چاقو سے ہاتھ زخمی ہو گیا تھا فرماتے ہیں :-

قلم نہایت میں میرا ہاتھ اٹھو گئے کاس سے زخمی ہو گیا اور درمیان چاروں روئی چلی گئی

سے کھائی گئی ہے بہر حال اب اچھا ہوں ۔

واقعہ یہ ہے کہ غالب کی صحت شریک تباہ کی ۔ ان کا جسم طبعاً قوی تھا ۔ جوانی کے عالم میں شریک کے بڑے اثرات و بے رست یمن جب زندگی کا آفتاب نصف النہار سے آگے بڑھ کر زوال کی طرف نال ہوا ۔ اور بڑھاپا آنے لگا تو غالب کی جسمانی طاقت گھٹتی گئی تھی اور بیماریاں بڑھتی گئیں مختلف زہریلے و پندرموتے گئے ۔ جسے کہ غالب کی زندگی کے آخری نو دس سال کا کوئی حصہ اس میں ہے جس میں ان کو اپنی صحت کے متعلق ایک لمحہ کے لئے بھی امید مان نہیں ہو سکی ۔ اور غالب جسمانی و مالی پریشانیوں کے اسی ہجوم کے باعث وہ آخری عمر میں موت کی بہت آرزو کر رہے تھے ۔

شہر | شہر سے ان کے خطوط میں ضعف و قوت کا تذکرہ ہوا ، غرض کہ ان کا انداز

عام پیچیدہ تھا ۔ یہاں تک کہ یہ دیکھ کر شہر کے ایک شخص نے لکھتے ہیں :-

ما توں کو یہ ہے ۔ ہر سہ پہلے ہمارا ایک صوف بستی والی کراچی کا رہا

میں یا اس ہے اب بڑھ چکا ہے ۔ سنا دو دو زہر پش ہے ۔ درہم جو نہیں غاں

آج جاتا ہوں ، سنا یہ سدا پیش دیا تو جہاں رہاں ہوئی زعفران ہے در اوہ زہر دیا

دو دن جاو رہا ہے ور میں اسے کیا سی جاو رہا ہے

اب تو گھر کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے

مر کے بھی مہینہ پایا تو کہ مر جائیں گے

شہر | شہر کے ایک شخص نے فو ب ملا الدین احمد غاں کو لکھتے ہیں :-

روئی مہینہ کو ماہر کے مہینہ میں سے محفل میں کہ وہ بہت قریب ہوا ہوں تو

جس دن تانی ہڈی میری اٹھ رہی ہے وہی دن میں غاں میں آکر مہینہ دئی

راہم پور سے مرشدزادی شادی میں بلایا نہ ہی ہوا کیا کہیں اب معدوم نہیں ہوں۔

سیاح کو نومبر ۱۸۶۱ء کے خط میں لکھتے ہیں:

ن ذوق صحت و ملاغ، و ردوان ہر میں کتا جنت ہوں کہ دانی۔ مریہ کا بہت سا کام

بھی یونہی دھرا ہوا ہے۔ دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔

۱۸۶۱ء کے اواخر میں لٹھ پر پھوڑا ہو گیا تھا جس سے نہایت تکلیف وہ صورت بقیہ کر گیا

اور اس کے علاج میں ہندوستانی جراحوں سے مایوس ہو کر غالب نے انگریزی ڈاکٹر کی طرف توجہ کی مگر سر ڈاکٹر حسین کو لکھتے ہیں:-

رجب کے مہینے میں سید سے لٹھ پر چھنی مرنی چھنی بھڑ بھڑانی پھوڑا پھوڑا کرنا پھوڑا

نہا ہو گی۔ اب بہ قدر یک کف درست وہ گوشت مریہ ہو گیا۔

۱۸۶۲ء مرنی لٹھ لے ایک خط میں منشی شیوراجن آراہ کو لکھتے ہیں:-

چھٹا مہینہ ہے کہ سید سے لٹھ میں ایک چھنی نے چھوڑے کی صورت پیدا کی بھڑا

پک کر پھوڑا اور پھوڑا کر یک زخم زخم کا ایک غار بن گیا ہندوستانی جراحوں کا علاج

گہرے مانگیا۔ دو مہینے سے کائے ڈاکٹر کا علاج ہے۔ سلتھیاں دوڑ رہی ہیں۔ اس سے گوشت

کٹ رہا ہے۔ میں دن سے افاق کی صورت نظر آنے لگی ہے۔

اس کے بعد اپنی فیشن کے کٹنے، جمع شدہ، وپریہ ملنے اور دوبارہ رومنت کے بحال ہونے

کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آخر فروری ۱۸۶۲ء میں فٹت کر زرنچیا بٹی آئے

انہوں نے چہرہ ہی بھیج کر بلا ہوا۔

مزید حال ہے کہ علاوہ اس دانی لٹھ کے زخم کے سیدھی رن میں دوائیں آتھیں

یاب ایک چھوڑا جدا ہے مرنی میں بتیا ب زنا ہوں ٹھنا جھینا دھار ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ انہیں چوڑوں نے بڑھ کر رنہ فساد خون کی شکل اختیار کر لی تھی

غالب کا سارا جسم پھوڑوں سے بھر گیا تھا باہر انھوں کے پھوڑے بہت تکلیف دہ ہوتے

تھے۔ یہ تحلیف کافی دیر تک غائب کے لئے وبال جان بنی رہی۔

۱۸۶۳ء ۱۶ اگست ۱۸۶۳ء کے ایک خط میں منشی بہر کو پال نقضہ کو لکھتے ہیں :-

ایک برس سے عوارض فساد خون میں مبتلا ہوں۔ جن پھوڑوں کی سترت سے ستر چڑھا
ہو گیا۔ طاقت کے جواب دے دیا دن رات یہاں رہتا ہوں۔ کبھی کبھارے وقت پائنت پر
سے اٹھ بیٹھتا ہوں کھانا کھا کر اٹھتا۔ دھو کر حیرت رہتا ہوں۔ ناجتنی پائنت کے پاس رہتی
اگر پیشاب کیا جاتا ہے۔ بیت خذ جاننا بیت صعبیت کے شست چرنی سہی مگر کئی قدم
جانا چہ آنا کرنا آسان ہے۔ اب تم تیرے برس کی عمر چوٹی۔ اب نجات عیادت ہوں۔
بہت جیا کہاں تک جیوں گا۔

چودھری عبد الغفور تسر درما، بہر دی کو لکھتے ہیں :-

ثور و اور ام مرض خاص و درین عام یہ ایک اجمال دو سر و حال سنو کہ میدانا ہے
صاحب فرائض ہوں۔ صبح سے شام تک پائنت پر پڑتا ہوں بھل سزا کر دینا عائد
بہت قریب ہے۔ چہرہ مکان ہے جو جاسوں صبح کو سوچے جانا نہیں جاتا، سے پائنت
کے محفل پر اٹھتا دھو کر کھانا کھایا۔ پھر ذائقہ دوسرے مٹی کی میناب پر پڑا۔ پائنت کے
پاس عاتقی مکی رہتی ہے۔ انہیں ورنہ جتنی میں بشت کیا۔ اور پڑا مدتوں سے یہ مرض
سے کہ میناب جلد نلدا ہے۔ اس صاحب فرائض ہوئے و دھیوا و در دم و در
نقا ضلے بول کو دیکھو۔

اس سے ثابت ہے۔ صاحب فرائض نہ نسل بول کا مریض ہوؤا بیس پرداں ہے۔

پھوڑے پھنسیوں و ہمدین و در مدت تک چھانہ ہونا بھی سہی کا مریض ہے۔ اسی خط میں لکھے
چل کر لکھتے ہیں :-

پائنت کر چوں۔ ست میں اب دھو کر کھانا نہیں کر سکتا۔ بہت رقتور کرو ایک پھوڑا دین
پنچے میں جس کو ساعد کرتے ہیں۔ دو پھوڑے۔ میں پیچھے میں۔ پائل میں بائیں بازو میں کھن پانچ

ایک دوست کو ذراہ تغزن یہ بات لکھی تھی کہ وہ باسے عام میں میرے لئے مرنا باعث ہرگز تھا۔
قاضی عیسیٰ کو لکھتے ہیں:-

ششہ میں میرے مرنا صرف میری نگہ جیکے واسطے تھا۔ مگر اس تین برس میں اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ بدخشاہ ششہ یا پشت میں لکھا گیا تھا، ہر روز مرگہ نو کا مڑ چکھتا رہا ہوتا
جہاں ہوں اور کوئی صورت زیست کی نہیں پھر میں نیوں جیتا ہوں۔ روح اب میرے جسم میں
س طرح گھس جاتی ہے جس طرح طر تغزن میں کوئی شغل کوئی اختلاط کوئی جمع پسند نہیں کرتا
سے نفرت جسم سے نفرت۔۔۔ وہ سے نفرت جو کچھ میں ہے ہے مبالغہ اور بیان واقع ہے۔
خیر میں۔۔۔ و زکریا بنی و زکریا بنی

.....
پانڈی ایک پلا کیا ہے کٹر ہوتا ہوں تو زندگی کی گئیں پٹنے نکلتی ہیں۔ بھانا دوا دوا نجانہ میں منگنا لکھتا
ہمیت ب کو کسوں کر۔۔۔ نا جتنی رکھی۔ بغیر و کر و مٹیجے بات نہیں بنتی۔ یا غامہ کو اگر دوسرے
میرے ان جادوں لکھتوں تو کسی سب سب خالی میں لاکر سوچ کر کیا کرتی ہوگی آغا
تقی مزید علید یا ستراد

پیری و صاحب جنس گھٹہ اند

یا۔۔۔ خیر۔۔۔ خٹے پیسے بڑھنا ہوں

اسے دگ نا کہاں تجھے کیا ہنگامہ

چھوٹا دس۔۔۔ پٹنسیوں سے شفا یاب ہوئے تو ضعف اور بھی بڑھ گیا۔ قاضی عیسیٰ کو لکھتے ہیں
اب میں مندرست ہوں بیوز جیسی کہیں ہیں۔ مگر ضعف و وہ شدت ہے کہ خدا کی پناہ
اور صاف نہوں رز ہوں اس سے صاحب فروش ہوں ستر برس کی عمر ہے۔ جتنا خون
میں تھا ہے مبالغہ تو وہ اس میں سے پیسہ ہو کر غل کیا سن لہاں جواب پھر تولید دم
صالح ہر وہ جہاں نہ ہوں اور ناتوان اور آپ کی پرستش سے دوست نہ کا ممنون رہنا

۱۸۶۵ء میں ان کی مجبوری و معذوری بہت بڑھ گئی تھی۔ ۲۴ جولائی ۱۸۶۵ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں :-

تین برس عوارض، اترق خون میں، ایسا مبتلا رہا ہوں کہ اپنے جسم و جان کی بھی خبر نہیں رہی..... میں اپنی زبان سے کیوں کہوں کہ چھابوں گمبار اور عوارض میں گزرتا نہیں ہوں۔ بوڑھا، ہرا، پانچ، بدحواس، ناتوان، نلک زدہ آدمی ہوں۔

اکتوبر ۱۸۶۵ء میں غائب نواب کلب علی خاں مرحوم کے جشن منسختی میں شرکت کی غرض سے رام پور گئے تھے۔ واپسی پر مراد آباد پہنچ کر بایہ ہو گئے اور پانچ روز وہیں صدر ہسپتال کے مہمان رہے۔ ۱۸۶۵ء کی تحفیں عمر کی زیادتی کے ساتھ بڑھتی ہیں۔ اواخر ۱۸۶۵ء میں نواب میر غلام باغ خاں سورتی نے سورت آنے کی دعوت دی تھی۔ اس کے جواب میں ۲۲ نومبر ۱۸۶۵ء کو لکھتے ہیں :-

یہ سواری ریل رو نہ ہونے کی سہولت ہے۔ پانچ سے پانچ اکاؤنٹ سے ہوا
بیماری، ضعف دماغ، ضعف دل، ضعف سہارا، سب ضعفوں پر ضعف طالع کیوں کہ قصہ سفر
کروں میں چار شبانہ روز تنہا میں کس طرح بسر کروں، سہارا کے سفر میں کچھ نہ ہو، بارش اب کی حالت
ہوتی ہو، بھنگے بھنگے بعد ناگماہ تو لہج کے دورے کی شدت ہوتی ہے۔ حالت جسم میں۔
حالت جان میں ہیں۔ میر سورت تک کسی صورت میں نہ جاؤں۔

نور میر غلام باغ خاں کی دعوت جشن میں شرکت کے لئے تھی۔ اس کے متعلق ایک خط میں سیاح کو لکھتے ہیں :-

بھی میں بہاروں کا، کیا سنوں۔ بوڑھا ہوں، ناچ کیا دکھوں۔ غنچہ ماشے کا، کانا
کیا کھاؤں۔ جی سورت میں اندری شہر میں ہوتی ہیں گرداں آہا اور شہر خیل ہوتا
تو پی لیتا۔

غشی حبیب اللہ خاں ذبحہ راہروی کو ۱۲ مئی کے ایک خط میں لکھتے ہیں :-

میں روئے ہوتے ہوں۔

آگے ناتوان تھا اب نیم جان ہوں آگے بہر تھا اب اندھا ہوں چاہتا ہوں۔ مام پو
کے سفر کا رہ آور وہ ہے رشتہ و ضعف بعہ ہاں چار سطر لکھیں انگلیاں شیرھی ہوئیں۔
حرف سو جھنسنے سے رہ گئے۔ اکثر برس جیا بہت جیا اب زندگی برسوں کی نہیں مہینوں
اور دنوں کی ہے۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

تم میری بابت پوچھتے ہو۔ مگر میں یہ لکھوں۔ اٹھ میں رشتہ انگلیاں کہنے میں نہیں بہ
آٹھ کی بنیالی زائل۔ جب کوئی دوست آجاتا ہے تو اس سے خطوط کا جواب لکھ دیتا
ہوں مشہور ہے یہ بات کہ جو کوئی کسی اپنے قابل نہ سمجھتا ہے سوئے کی روح کو اس کی
پرہیزگاری ہے۔ ایسے ہی میں سو گھمنا ہوں نہ روایت نہ زندگی تو لوں پھر بھی اب
ماٹوں پہلے زندگی کی ترقی کے مہینوں یہی ب دنوں پر ہے۔

اکتوبر ۱۸۶۶ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں :-

بہتر برس ۵ آدمی۔ بھدہ بخوروامی۔ خاکیغیر معرو۔ تھیر میں ایک ہر شب کوئی بی
میں نہ دلی نہ بولی نہ پاؤں خشتہ آنکھوں کی بنیانی میں فرق۔ باخ کی گردانی میں فرق
رشتہ مستولی، حافظہ معدوم۔

۴ دسمبر ۱۸۶۶ء کے ایک مکتوب میں رقم فرماتے ہیں :-

س مہینے یعنی جب کی آٹھویں تاریخ سے تھوڑا سا۔ میں مشرقی ہوا نہ آج کو سنا
کاشیرہ تھ کے شربت کے ساتھ دو پہر کو سیر جب گوشت کا ٹکڑا پانی قریب شام بھی کبھی
یقین سے ہوتے بیاب۔ چھ تھری۔ تھنے پانچ روپے بھر۔ اب چھاب۔ نہ بیاب
اور اسی قدر عرق شیر۔ عصاب کے ضعف کا یہ حال کہ نہ نہیں سکتا۔ گرد و زہاد تھ تک رنج
بن کر اٹھا ہوں تو ہڈیاں لڑتی ہیں۔ منہ دن بھر میں بس بارہ بار اور اسی قدر رات بھر
میں بیاب کی حاجت ہوتی ہے۔ حاجتی لینک کے پاس ہی رہتی ہے۔ اب اور بیاب ہے

اور پھر بارشیاں جات ہیں سے یہ بات ہے کہ شب کو بد خواب نہیں ہوتا۔ بعد ازاں
بولے توقف نہ جاتی ہے۔

ان خطوں کے ظاہر ہے کہ احراق خون کے مرض میں جو کم و بیش تین برس مسلسل رہا تھا
بہت کمزور ہو گئے تھے۔ ذیابیس کا عارضہ اس قدر شدت اختیار کر چکا تھا کہ رات دن میں
پچیس بار پیشاب کی حاجت ہوتی تھی۔ دنوں سے ہرے ہو چکے تھے۔ بصارت بہت
کم ہو چکی تھی۔ بالذات ایک آنکھ کی بینائی کلیتہً نازل ہو چکی تھی۔ غذائی مقدار بے حد کھٹ گئی تھی۔
قبض کی شکایت شدید تھی اور دو دنوں کے لیے کھانے کا سخت دورہ ہوتا تھا۔ اہتوں پر غشہ طاری تھا۔
اب سنہ ۱۹۶۶ء کی نسبت سنہ ۱۹۶۷ء اپریل کے ایک خط میں فشی میاں داد خاں سیال
کو لکھتے ہیں :-

میں اب ہمیں کم، موٹیا، خذا تھوٹ نہ بلانے پاس نگار سے اتنا روئے معلوم کے
آئے ہوئے ہیں میں دیر سے میں جس دن ذرا افاقہ پایا تو کچھ کھا کر سبب مذکور کیونکہ
جون سنہ ۱۹۶۶ء کے ایک خط میں فرماتے ہیں :-

بھائی میرا حال اسی سے جانو کہ میں اب کھانا آگے لیٹے کھاتا تھا اب
تھوڑے صوفیہ صحت کے سبب دو جی نہیں ہو سکتا اب حال یہ ہے کہ کھانا
میں اتنا روئے کیوں کر دوں۔ اور مجھ میں موسم میں گرمی سے سرکنا بھیجا جھکنا جاتا
ہے۔ دوسرے دیکھتے کی تاب نہیں رات کو کھن میں سوتا ہوں سچ کہ وہ آدمی اندر
کے کردار میں سے آئے ہیں اب کوٹھری ہے اندھیری میں میں ڈال دیتے ہیں
نام میں اس دھندلے بارک میں نہ رہتا ہوں شام کو پھر وہ آدمی بدستور سے عام پیشاب پر
محکم میں ڈال دیتے ہیں۔

مستی حبیب اللہ خاں دیکھا لکھتے ہیں :-

میں اب قریب مر رہا ہوں۔ نہ بھلاں مفقود و زمر میں سوتلی بھتیجی کی مرزا صد و نالیہ ابھی

پھر لکھتے ہیں:

سترا بہتر اور درجہ پرچہ فہ ہے۔ میری تہتر برس کی عمر میں گرفت ہو، حافظہ گویا
کبھی تھا ہی نہیں۔ سارا مد ہل بہت دن سے تھا۔ رفتہ رفتہ وہ بھی حافظہ کی مانند مدوم ہو گیا
اب مہینہ بھر سے یہ حال ہے کہ جو دوست آتے ہیں رسمی پرسش مزاج سے بڑھ کر جو
بات ہوتی ہے وہ کاغذ پر لکھ دیتے ہیں۔ مگر انھوں نے بیچ کو قند اور شیرہ با دو مہینہ
دو پیر کو گوشت کا پانی سر شام تلے ہوئے چا، کباب سوتے وقت با پنج روپے بھر
شراب اور اسی قدر کباب خرف ہوں۔ پیچ ہوں۔ مای ہوں فاسق ہوں۔ رویا ہوں
ہوں۔ یہ شرمز مہر تھی تا میرے سب حال ہے ۵

مشہور ہیں عام میں گارہوں بھی نہیں ہم

الغصہ۔ دوسرے ہمارے کہ نہیں ہم

۱۸۶۸ء | اپریل ۱۸۶۸ء کے ایک خط میں میر غلام بابا خاں کو لکھتے ہیں:-

امراض جسمانی کا بیان اور انداز میں مگر کی طرح کے بعد جو مہر فرماتے نامانی کا ذکر کیا کہ

جیسے ابرسیا ہ جھانباتا ہے۔ یا مٹی دل تاملے پس اندہ ہی اندہ ہے۔

اسی حالت میں ۱۸۶۸ء ختم ہوا اور ۱۸۶۹ء شروع ہو گیا۔ غائب اگرچہ ہمہ تن مجبور ہو گیا

بن چکے تھے لیکن یہ وہ نہیں ہو سکا کہ موت کا فوری سبب کون سا مرض بنا۔

مرض الموت | خواجہ عالی فرماتے ہیں کہ مرنے سے چند روز پیشتر کیفیت پیدا ہو گئی تھی کہ بے

ہو جاتے۔ پھر پر دو دوپہر کے بعد چند منٹ کے لئے آفاقہ ہوتا پھر بے ہوش ہو جاتے۔ وفات

سے ایک روز پیشتر خواجہ عالی عبادت کو گئے تو کسی پر کے بعد آفاقہ ہوا تھا اور نواب

علام الدین احمد خاں کو خط لکھوا رہے تھے۔ نواب صاحب نے حالت پر چھی تھی اس کے

جواب میں لکھوا یا۔

میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو ایک آدمی روز میں مہربانوں سے پوچھنا۔

اسی خط میں ایک شعر بھی لکھا ہوا تھا جس کا صرف ایک مصرعہ خواجہ حالی کو یاد رہا

نہ کرد ہجر دارا پہن سسرت سلامت

آخری عمر میں اپنا یہ شعر اکثر پڑھتے رہتے تھے

وہم واپس بر سر راہ ہے

غریب و اب اللہ ہی اللہ ہے

دفن تہ غرض ۱۵ فروری ۱۸۷۹ء مطابق آخری قعدہ ۱۲۸۵ھ کو ادب شعر کا یہ درخشاں قنارہ
جس کی عالم نافی و مہر ماضیہ کے لئے سرمایہ نماز اہل قسروں آئندہ کے لئے نثار ہدایت
ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

تمام اکابر شہر جنازہ میں شریک ہوئے شیعوہ حضرات اپنے طریق پر مراکم تجنیز و لفظین ادا
کرنے کے خواہاں تھے۔ لیکن نواب ضیاء الدین احمد خاں نے جو غالب کے مذہبی خیالات کو ملک
لے سب سے بڑھ کر یاد رکھتے تھے۔ اس کی اجازت نہ دی۔ اور نہ مہم اہم طریق اہل سنت کے
مطابق ادا کرنے دی۔ وہی دروازہ تک باہر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور حضرت شیخ نظام الدین خرمائے
علیہ السلام کے قریب نواب بھی بخش نماز عتقتہ نرس کے پاس دفن کئے گئے۔ برواۃ تعالیٰ
مستحبہ حالی بخروج اور دوسرے شاگردوں سے پروردگار شہید لکھے۔

مراد غالب جس احاطہ میں مدفون ہیں۔ اس میں کمر و پیش جو قبریں ہیں احاطہ کے اوگرد قریباً
پچھنٹ دہائی ابوالہ سے تمام قبروں کے متعلق ٹھیک بیانات نہیں ملے جاسکتا کہ یہ کس کس کی ہیں لیکن قنارہ
یقینی طور پر معلوم ہے۔ غالب کے علاوہ اس احاطہ میں نواب بھی بخش نماز عتقتہ میرزا علی بخش خاں
میرزا نواب زین الدین خاں عارف میرزا باقر علی خاں کمال اور دیگر صاحبہ غالب بھی دفن ہیں۔
بقیہ قبریں بھی بنیاد سے حادث کے افراد کی ہوں گی

غالب کی قبر پر پونے کا پتھر ہے۔ سرانے سنگ مرمر کی باب و نصاب ہے جس پر ہے

رنگ سولی خورشید
سدا شدن غائب و

مزار خالد



بارھواں باب

اخلاق و عادات اور تفریق حالات

نہ بخشندہ شاست کہ با ہم ہد بہ ہر بار ز پیل بارم و ہد
کہ تا پیل ز انجبار انگیزے زرش بگدایاں فروریزے

غالب کے اخلاق کا بات بہت وسیع ہے لیکن ان کی نظم و شعر کے سمندر میں سے اچھوا کر
موتیوں کو اکٹھا کرنا بے مشکل ہے اگر راستے کی دشواری سے بے پروا ہو کر اس منزل کو طے کرنے کا
قصد کیا جائے تو ظاہر ہے کہ ایک بہت بڑا ذوق تیار ہو جائے گا جس میں غالب کی نظم و شعر کے
اکثر حصے بہ ترتیب مختلف شال کرنے پڑیں گے۔ بلکہ بعض حصوں کو مختلف عنوانوں کے ماتحت کئی
کئی مرتبہ نقل کرنا پڑے گا۔ لہذا میرے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس لذیذ حکایت کے چند نمایاں
عنوانات اختصار کے ساتھ پیش کر دوں تاکہ شخص غالب کا ایک عام فائدہ انھوں کے سامنے آجائے۔

سادہ دل و رہت انتہا۔ | غالب نے ایک فارسی خط میں سرخ الدین احمد خاں کو لکھا ہے :-

فدائیکہ کہ سادہ دل و رہت گفتیم آفریدہ اندر ہرچہ در دل و اہتم بہ زبان باگو گفتیم۔

ان چند لفظوں میں ان کے اخلاق کی پوری تصویر آگئی ہے۔

ایشاد و کریم | آرو و سکا تیب میں ایک جگہ فرماتے ہیں :-

قلندری داند رگی و شاد و کریم کے دو ای میرے خالق نے مجھ میں مجھوئے بقدر۔ ایک قصور

میں نہ آئے۔ نہ وہ حالت جسمانی کہ ماضی ماضیوں میں اس میں خطر تھی، اور نہ کا ایک نوبت

کی جی سے شکوں ہو۔ یہ وہ پائل دونوں کسی شیرازہ جانتا کبھی سر میں جاٹھہ لیسھی بخت بہ پہنچا،

نہ وہ دستک دے کہ ایک مامور میراث بن جاوے۔ زندہ مامور میں نہ ہو سکے نہ سہی جس شہر میں ہو
 اس شہر میں تو بھوکا تنکا نظر آئے۔

بہ شاعری نہیں۔ سخن و زری نہیں برمانہ آرائی نہیں۔ بلکہ حقیقت و واقعیت ہے۔ ہر ما
 کی داستان حیات کا ہر ورق اس پر گواہ ہے۔

اسی طرح تمنوی بکھریا میں بے بسا یہ بات کہ امدت غائب کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ
 میرے کردار و افعال کا حساب نہ لے۔ اگر کا سبنا گزیر ہو تو پھر مجھے بھی اجازت دے تاکہ جو
 حسرتیں دل میں باقی ہیں انہیں غسل سے بیان کروں۔ تیرے ٹکڑے دل و نفاق کی طرفت جو جبر
 میرے فتنے ثابت ہو۔ اس کے مقابلے میں حسرتوں کی ایک صفت کھڑی کروں۔ اس طرح تجھ
 آشکارا ہو جائے گا کہ میرے جرموں کے مقابلے میں میری حسرتیں زیادہ ہیں۔ اس ضمن میں
 اپنے جذبات و دلی کوناست موثر طریق پر پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ہانا تو دانی کہ کا فرسیم	پرستار خورشید آندہ نیم
نہ کشتہ کسے را بہ اچینی	نہ بردم ز کس یاہ زہنی
مگرے کہ آتش جوہر آدو	بہ جہنگ نہ بود ز سوہم آدو
من نہ دیکھیں مے اندہ رہا	چہے کہ دم اس بندہ پرہا
مساجد و مشرق و مغرب	نہ جمشید و ہرام و پروہ
کہ از بادہ تا چہرہ فرو خند	دل بشمن و چشم بد خند
نہ از من کہ از تابے گاہ چو	بہ روزہ رخ نرہ بہ شم سیا
نہ بتوں سرے نہ نیچا	نہ ستارے نہ نہ بیا
نہ قصیری سیکریں بیا	نہ فوغاسے رشکوں رہا

بے نواؤں سے بھر دی | پھر فرمائے ہیں کہ زندگی میں جو کچھ مجھ پر گزری اسے کیا بیان کروں۔ بیان

کرنے کا وقت ہی نہ رہا۔ بہاریں آئیں لیکن میں گھر و سامانی کا اتنی رہا اتنی پرشادمانی، انفرادی اور اجتماعی
لیکن میرا جام سفالین شراب کے خالی رہا۔ اگر عیش کا کوئی لمحہ نصیب بھی ہوا تو اس کی حیثیت قصہ سہل
کی سی تھی۔ رشتہ درست ہوا تو گو ہر ٹوٹ گیا۔ شراب مہیا ہوئی تو پیارہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

گیتنی درم بے نوا دشتی دلم را اسیر ہوا دشتی

نہ بخشہ شام ہے کہ بارم یہ ہر بار زربیل بارم وہ

کہ چوں پل ز انجا بر انگیزے زرش برگدایاں فروریزے

گویا اگر دولت اور صلہ کی خواہش تھی تو اپنی ذات کے لئے، اپنی آسائش کے لئے اور
اپنی راحت کے لئے نہ تھی بلکہ آرزو یہ تھی کہ پادشاہ بلائے، ہر مرتبہ ہاتھی پر لاؤ کر زرو جو ہر عطا کر
غائب ہاتھی کرے کر یا ہر نکلیں اور زرو جو ہر فقیروں پر سائے جائیں۔

پاک حسن و اخلاق | خواجہ خانی اپنے شہادت کی بنا پر فرماتے ہیں :-

مرزا (غائب) کے اخلاق نہایت وسیع تھے۔ وہ ہر ایک شخص سے جو ان سے ملنے جاتا

غائبت کشا وہ ہشتابی سے ملے تھے جو شخص بک دھن سے ملتا تھا اس کو ہمیشہ ان سے

ملنے کا اشتیاق رہتا تھا۔ دوستوں کو دیکھ کر وہ باغ باغ ہو جاتے تھے اور ان کی خوشی سے

خوش اور ان کے غم سے غمگین ہوتے تھے۔ ان کے دوست ہر ملت اور مذہب کے نہ صرف

دہلی میں بلکہ تمام ہندوستان میں بے شمار تھے جو خطوط انہیں لے اپنے دوستوں کو لکھتے یا

ان کے ایک ایک حرف سے ہر محبت و غمخواری و بھلائی کی پڑتی ہے۔ ہر ایک خط

کا جواب لکھنا وہ اپنے ذمے فرض مین سمجھتے تھے۔ ان کا بہت سا وقت دوستوں کے خطوں کے

جواب لکھنے میں صرف ہوتا تھا بیماری و تکلیف کی حالت میں بھی خطوں کے جواب لکھنے سے باز نہ آتے تھے

تھے۔ وہ دوستوں کی فرمائشوں سے کبھی تنگ دل نہ ہوتے تھے۔ غزلوں کی پہلوئ کے

سواۓ طرح طرح کی فرمائشیں ان کے بعض خالص و مخلص دوست کرتے تھے۔ اور وہ ان سے

ان کی تمہیل کرتے تھے۔ مروت اور لحاظ مرزا کی طبیعت میں بہ درجہ غایت تھا۔ اگرچہ

مرزا کی آمدنی قلیل تھی مگر حوصلہ فروغ تھا۔ سال ان کے دروازے سے خالی نہ رہتا
کمر جاتا تھا۔ ان کے مکان کے آگے رنگڑے ٹوٹے اور پانچ مرد و عورت ہر وقت
پڑے رہتے تھے۔ قدر کے بعد ان کی آمدنی بچہ اور بیڑیہ سود و پیہ ماہوار ہو کر تھی
اور کھانے پینے کا خرچ بھی کچھ لمبا چڑھتا تھا مگر وہ غریبوں اور محتاجوں کی مدد اپنی
بساط سے زیادہ کرتے تھے۔ اس لئے اکثر تنگ رہتے تھے۔

فروغ ہو گئی | خواجہ عالی نے ان کی فراخ جو مٹگی کے دو واقعات لکھے ہیں۔ ایک مرتبہ غدر کے
بعد انہیں غنٹ گورنر کی طرف سے سات پارچے کا خلعت مع تین رقوم جو اہر کے ملا۔ انٹرنی
کے چیرا سی اور بعد ازاں مد کے مطابق انعام لینے کے لئے آئے۔ غالب کو پہلے ہی سے معلوم
تھا کہ انعام دینا ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے چیرا سیوں کو ایک۔ ایک مکان میں بٹھا دیا اور خلعت
مع رقوم جو اہر بغرض فروخت بازار بھیج دیا۔ جب بازار سے خلعت کی قیمت آئی تب چیرا سیوں کو
انعام دے کر رخصت کیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ غالب کے ایک امیر دوست جن کی حالت غدی میں بہت سقیم
ہو گئی تھی جھینٹ کا فرغل پہنے ہوئے ملنے آئے۔ غالب انہیں کبھی مالیدہ یا جاہدار کے
چنوں کے سوا نہیں دیکھا تھا جھینٹ کا فرغل دیکھ کر غالب کا دل بھر آیا۔ امداد کا خیال پیدا
ہوا لیکن دیست کی ولداری کا تقاضا یہ تھا کہ اس کے ساتھ ایسے طریق پر سلوک کیا جائے
کہ اسے اپنی بیچارگی اور بے بسی کا احساس نہ ہو۔ اور پیش کردہ ہدیہ کو قبول کرتے ہوئے عار نہ
غالب اس غرض کو مد نظر رکھ کر جھینٹ کے فرغل کی بے حد تعریف کی۔ پوچھا کہ جھینٹ کہاں
سے لی ہے۔ اور دروغ دوست کی کہ مجھے بھی اسی کا فرغل بنوا دیا جائے۔ دوست نے ہلکے کہا
کہ اگر آپ کو یہ بہت پسند ہے تو یہی لے لیجے۔ غالب نے کہا کہ جی تو یہی چاہتا ہے کہ آپ سے بھی
جھین لوں لیکن جاڑا شدت سے پڑ رہا ہے۔ آپ یہاں سے مہمان تک کیا پہن کر جائیں گے؟
اس کے ساتھ ہی اپنا مالیدہ کا نیا چڑا نہیں پہنا دیا۔ ایک نازک دل اور نازک احساسات والے

شاعر کی شان دوست نوازی ایسی ہی ہونی چاہیے تھی۔

حسان لینا گوارا نہ تھا | غالب کسی کا فدا سا احسان بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ ”دستبنو“ ان کے گہرے دوستوں اور شاگردوں (حقیر تہ اور تفتہ) کے زیر اہتمام ان کے دیرینہ نیاز مند (منشی شیو زائن) کے مطبع میں چھپی تھی پچاس جلدوں کی قیمت رائے امید سنگھ اندور وائے نے ادا کر دی تھی۔ ان میں سے بیشتر جلدیں غالب کو مل گئی تھیں۔ ان جلدوں کے بعد غالب نے ”دستبنو“ کی جتنی جلدیں منگائیں قیمت بچ کر منگائیں تفتہ کو لکھتے ہیں :-

میں نے ایک بار سات روپے کی ہندی بھیج کر برو جلدیں اور بستی ان سے منگوائی۔
پھر ان کو اٹھارہ آنے کے ٹکٹ بھیج کر دو جلدیں لکھنو کو ان کے ہاتھوں سے دیں بھیج دیا
اور اس کے بعد اٹھارہ آنے کے ٹکٹ بھیج کر دو جلدیں دیں سے سرو پہن بھیج دیں۔ غرض
اس تحریر سے یہ ہے کہ میں بعد اس پچاس جلد کے سوا جلدیں اور ان سے بچا ہوں۔
مگر تفتہ قرض میں سے نہیں منگواؤں۔

اسی طرح انہوں نے اپنی کلیات کے جتنے نسخے منشی نوکشور سے منگوائے ان کی قیمت کی دوستوں کی خدمت | دوستوں کی سر خدمت کے لئے وہ ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ منشی ہر گوبال تفتہ نے نواب مصطفیٰ خاں صاحب شہفہ اور نواب ضیا الدین احمد خاں شیر کی تعریف میں قصیدے لکھے تھے۔ غالب نے تفتہ کو ان کا صلہ دلوا دیا۔ وہ خود تفتہ کو لکھتے ہیں :-

تم کو معصوم رہتے کہ ایک مدون تمہارے پاس آئے میں ان کو میں سے تمہارے فکر اور تلاش
کا مدح پایہ جنوری ۱۸۶۶ء میں کچھ تمہاری خدمت میں بھیجیں گے تم کو فہم کرنا ہو گا سمجھو یہ کون؟
یعنی نواب مصطفیٰ خاں صاحب دوسرے مدوح یعنی نواب ضیا الدین احمد خاں شہفہ اور خود ممبر
۱۸۶۶ء یا اول جنوری میں حاضر ہوں گے۔

ہندوستانی شہزادہ انگریزی تھیٹر | دوستوں کی مدد میں کبھی انہوں نے سائل نہ کیا۔ ان کی آرزو ہمیشہ یہ رہی کہ جو لوگ ان سے وابستہ تھے وہ زیادہ سے زیادہ فروغ پائیں۔ دہلی کے مستقل ڈپٹی کلکٹر صاحب

رفعت لے کر ہاڑ پر گئے اور ان کی جگہ ریٹی گن صاحب عارضی طور پر ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے۔ انہیں ہندوستانی شعرا کا ایک انگریزی تذکرہ لکھنے کا خیال تھا۔ غائب بھی مدد مانگی۔ غائب نے نواب ضیاء الدین احمد خاں سے شعرا کے تذکروں کی سات کتابیں مستعار لے کر ریٹی گن صاحب کو بھیجوائیں اور زندہ شعرا کے حالات خود لکھ کر ان کے پاس بھیج دیئے۔ ان میں منشی ہر کو پال تفتہ کے حالات بھی لکھے تھے۔ ریٹی گن صاحب نے غائب خود بھی تفتہ کو خط لکھا تھا۔ تفتہ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر غائب خود ریٹی گن صاحب کے پاس جا کر سفارش کریں گے تو ان کے متعلق زیادہ اچھے الفاظ لکھے جائیں گے۔ انہوں نے ایک خط کے ذریعہ سے غائب پر اپنا یہ خیال ظاہر بھی کر دیا تھا لیکن اس اثنا میں ریٹی گن صاحب عارضی ڈپٹی کلکٹری کی مدت پوری کر چکے تھے بعد عدالت تفتہ کے جج ہو گئے تھے، در شہر سے باہر فاصلے پر رہنے لگے تھے۔ غائب تفتہ کی خاطر بھی ان کے پاس جانے کے لئے تیار تھے۔ وہ خود تفتہ کو لکھتے ہیں کہ ریٹی گن صاحب کے منشی منظر کن جٹا آئیں گے ان سے

حال معلوم کر کے اگر میرا جانا یا لکھنا تنہا ہی فلاح کا موجب ہو تو ضرور درپیشی میں صاحب کے

پاس، جاؤں گا۔

سفارشوں کے لئے مستعد | سفارشوں کے باب کے میں وہ بڑے مستعد تھے۔ نواب میر علی نقی خاں بڑے

عالی خاندان آدمی تھے۔ نواب ذوالفقار خاں اور نواب اسد خاں عائلیہ کی اولاد میں سے

تھے۔ وہ نوکری کی جستجو میں نکلے تو غائب نے سید عبداللہ بن احمد کو سفارشی خط لکھا فرماتے ہیں:

آپ ان کی (علی نقی خاں کی) تنظیم و ترقی میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کریں۔ ورنہ سب

سب ان پر ظاہر کریں۔ اور انہیں مالی سرکار سے ملا دیں۔ اور بابو صاحب کے جو ن کو لوئیے

تو میرا یہ خط جو آپ کے نام سے ہے جناب بابو صاحب کو پڑھو دیجئے۔ کیا خوب ہو کہ یہ سرکار میں نوکر

ہو جائیں۔ اور اگر نوکری کی صورت نہ بنے تو راج سے ان کی رخصت ہو آئیں شازدہ میں سے

نواب اسد خاں عائلیہ کے وزیر تھے۔ اور فرخ سیران کا بیٹا یا ہوا تھا۔ جب فرخ سیران نے ذوالفقار

گو مار ڈالا تو از روئے کتب تو ایخ ظاہر ہے یہ سلطنت کیسی برہم ہو گئی۔ اور خود فرخ
پرک گزری۔ قصہ کو نادر کی تقریب میں جو دریاچہ آپ صرف کریں گے اور جس قدر آپ کی
بہبود کی کوشش کریں گے، احسان بجز پر ہو گا۔

تواضع اور انجلیح مقاصد خلق | صاحب عالم مارہروی نے غالباً لالہ گو بند پر شاہ صاحب کو سفارشی خط
دے کر بھیجا تھا۔ اور غالب کو براہ راست بھی لکھا تھا۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-
لالہ گو بند پر شاہ صاحب ہنوز میرے پاس نہیں آئے ہیں۔ دنیا دار نہیں فقیر خاک ہوں
تواضع میری خواہ ہے انجلیح مقاصد خلق میں حتی الوسع کسی کروں تو ایسا ہی نصیب نہ ہو۔
انشاء اللہ العزیز وہ فقیر ہے۔ ہنسی و خوشنود رہیں گے۔

خط کشیدہ الفاظ سے غالب کی کمال حسن اخلاق اور بندہ بندہ دست خلق کی حیثیت نہایت
اچھی طرح آشکارا ہو سکتی ہے۔

قیدیوں کی سفارش | ذاب انور الدولہ نے غالباً دو قیدیوں کے لئے سفارشی خط طلب کیا تھا جنہیں
لکھتے ہیں کہ عظیم شیب خاطر بجا لاتا ہوں مرید فرما دیجئے کہ کیا لکھوں اور خط کس کو بھیجوں نیز سفارش کا
مقصود کیا یہ سب کہ قیدی مندرستان میں رہیں اور انڈیا میں یا یہ سب کہ کاٹار یا ہو جائیں
آخر میں فرماتے ہیں :-

ہر حال اس خط کے ساتھ ایک اور لفظ ہے نام کاروانہ کرتا ہوں۔ اس میں صرف ایک
دور سوڑا لکھا ہے۔ جب ان کے پاس سفارش بھیجانی منظور تھی، سب کچھ احوال میں دیکھ کر
یہاں امیر الہی کے پاس بھیج دیجئے گا۔ کوئی اور دینی بندہ کر کے "ریتہ نظور نہ مروت میری
فرستے منی صاف کے نام" نہ لکھ کر دے یا اس بھیجے اور لکھ جیتے۔ اس کو وہ نہ صاف
رکے گا۔

دوست فرائی | فوہ حسین مرزا بہ جز بد میں تباد ہوئی تھی ان کے بھائی مظفر الدولہ ارے
بابت تھے۔ نہیں ایک خط میں لکھتے ہیں۔

ان لوگوں کی میری جان میں تھا کہ وہ تیرے قریب نہ ہوں۔ یہ مٹا کر نہیں لے لوں گی

میں نے مٹا کر ہے کون جان دے گا؟ میری ہمدردی ہے۔ وہ میری دوسری سہیلی ہے

میرا اور میرا دوست سہیلی علی رحمہ اللہ دور جاتا ہے۔ وہ میری دوسری سہیلی ہے

یہ آج بھی میری سہیلی ہے۔ کنویر پر کھڑے ہیں۔ ان کے پاس احمد علی، علی احمد علی

اس کے بعد یہ ذکر ہے کہ وہ سب میں مراد کے ساتھ رکھ کر مختلف طریقوں سے سمجھا رہی ہیں

بات پر رہی کہ اس نے وہ نواب صاحب کو کچھ اور دیکھ بیٹھ دے۔

منشی شیخ زائن کو لکھتے ہیں:-

میں نے کلمہ بہت ہی کم ہے۔ وہ نہ صرف میری سہیلی ہے بلکہ میری سہیلی ہے

میں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا ہے کہ وہ میری سہیلی ہے۔ یہ میری سہیلی ہے

میں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا ہے کہ وہ میری سہیلی ہے۔ یہ میری سہیلی ہے

میں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا ہے کہ وہ میری سہیلی ہے۔ یہ میری سہیلی ہے

میں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا ہے کہ وہ میری سہیلی ہے۔ یہ میری سہیلی ہے

میں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا ہے کہ وہ میری سہیلی ہے۔ یہ میری سہیلی ہے

میں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا ہے کہ وہ میری سہیلی ہے۔ یہ میری سہیلی ہے

میں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا ہے کہ وہ میری سہیلی ہے۔ یہ میری سہیلی ہے

میں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا ہے کہ وہ میری سہیلی ہے۔ یہ میری سہیلی ہے

میں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا ہے کہ وہ میری سہیلی ہے۔ یہ میری سہیلی ہے

میں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا ہے کہ وہ میری سہیلی ہے۔ یہ میری سہیلی ہے

میں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا ہے کہ وہ میری سہیلی ہے۔ یہ میری سہیلی ہے

میں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا ہے کہ وہ میری سہیلی ہے۔ یہ میری سہیلی ہے

میں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا ہے کہ وہ میری سہیلی ہے۔ یہ میری سہیلی ہے

میں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا ہے کہ وہ میری سہیلی ہے۔ یہ میری سہیلی ہے

میں نے اس کے پاس کھڑے ہو کر دیکھا ہے کہ وہ میری سہیلی ہے۔ یہ میری سہیلی ہے

یا چارہ و قدام پوران کے پاس بھیج دو اور سرنامہ پر لکھو کہ دھام پورہ و دولت حضور رسیدہ گشت
مولوی امیر احمد بندہ اور محمد کو اس کی اطلاع دو۔

شعرا معاصرانہ رقابتوں کے لئے خاص طور پر سواریں۔ بالخصوص جب ان کا دائرہ تشیع مالی
ایک ہو تو ایک دوسرے کی شہرت و ناموری کے لئے کوششوں کی توقع ہی نہیں رکھنی چاہئے
لیکن غالب کی ذات ایسی رقابتوں سے باہل بالاعتی۔ اگرچہ امیر مرحوم بھی غالب کی طرح
سرکار رام پور کے متوکل تھے لیکن غالب کو ان کی تعریف و تحسین میں قطعاً تامل نہیں ہوا۔
یہ صرف چند مثالیں ہیں۔ غالب کے رقعات میں دوستوں اور متوسلوں کی امداد کی
مثالیں بہت ملتی ہیں۔ یوسف علی خاں غزنیان کے ایک مخلص شاگرد تھے متعدد خطوط میں
ان کے محاسن بیان کئے ہیں خود بھی باوجود قلت مدخل ان کی امداد میں دریغ نہیں فرماتے
دوستوں کی فرمائش | دوستوں کی فرمائش پوری کرنے میں وہ بڑے سرگرم تھے ان کے پاس ہر نئے
ادنیٰ گین کندہ کرانے کی فرمائش بہت آتی تھیں خطوط میں ان فرمائشوں کی تکمیل کا ذکر
کئی جگہ آیا ہے۔ دہلی سے جوتے اور ٹوپیاں بھی دوستوں کو بھیجتے رہتے تھے۔

انکسار | غالب اپنی مدد و ستائش سے بہت گھبراتے تھے ان کے دوست اور شاگردوں کی
مدد میں قصیدے لکھتے تھے۔ تو جواب میں حد درجہ کا انکسار فرماتے تھے صاحب عالم ماروہری
کی ایک مدحیہ نظم کے جواب میں لکھتے ہیں:-

مذاکی بندہ فزایاں ہے کہ بھنگ: فریش کو اپنے خامان مانگے بھلا کھو آئے ہے: ظاہر سیر
مقدیر میں یہ مساوت تھی (یعنی صاحب عالم کا مدحیہ قصیدہ کہ اس دیوانے عام میں جیتا بچا اللہ
امد اس شستی و سوسنی کو یوں بچایا اور پھر اس دستے کو پہنچا یا کبھی عرض کر اپنا شہین فرود دینا ہوں اور
بہسی بہشت کو اپنا یا میں باغ تسر رزما ہوں واسطے خدا کے اور شاعرانہ فرمایا ہے عا وند بندہ قطعی
کا دعوت کرنے میں عا یا نہ کرے گا۔

قاضی عیندیل بریلوی نے تعریف میں قصیدہ لکھ کر بھیجا ان کو لکھتے ہیں:-

اگر مجھے قوتِ ناطقہ پر تصرف باقی رہا ہو تو قصیدہ کی تعریف میں ایک نطفہ و حضرت کی مدح میں ایک قصیدہ لکھتا۔

ایک اور خط میں قاضی صاحب جی کو لکھتے ہیں :-

وہ رہا ہی جو اپنے اس ٹکٹ آفرینش کی حق میں نہیں سچا جواب بند ہے اور کونسی درجہ تیسرے خط میں لکھتے ہیں۔

مجھے کیوں شرمندہ کیا میں اس شہاد و دعا کے قابل نہیں۔ مگر یہاں کا شیوہ ہے بدوں کو اچھا کہنا اس وجہ گسٹری کے عرض میں ادب بجاتا ہوں :-

تفتہ نے یگانہ روزگار استاد کی حق میں ایک قصیدہ لکھی تھا۔ اس کے جواب میں فرمایا تہ تبریک حضرت اس قصیدہ کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔ یہاں شوخ گالے ہیں لیکن افسوس کہ بے محل اور بے جا ہیں اس میں اور اس مدح کا بیحد وہ ماں ہے رباب مذہب پر حیرت کا یا سی کا ورت آگیا خدا نہیں سلامت رکھے۔ دکان بے مدق کے خریدار ہو۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

میرزا تفتہ کیا کہنا ہے؟ تمیر کا پتہ ہے نہ قاتل کا مدح تفتہ، نہ اتار نہ سوار ورنہ اور میں

قاتل اسزاو، مدد نہیں۔

مرحمت کا یہ عالم تھا کہ اگرچہ آخری عرض بہت کمزور ہو گئے تھے اور آلامِ جہانی کا جو دم تھا۔ لیکن جو لوگ بلا و نفیست و شناسائی بھی ان کے پاس تھا، مدح دینے لگے، اس کو بغیر دیکھیں اور اصلاح کئے واپس نہیں فرماتے تھے بغلیف کی حالت میں جیونوں بڑوں سب کے ساتھ بیٹاں کرتے تھے بشا جن وزنِ ضعف و مانع اور دورانِ سر میں مبتلا تھے۔ ان دنوں جہاں عام شہر گروہ کا کلام نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہاں نواب رام پور کے کلام کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا تھا حالانکہ وہ سرکار رام پور سے مستقل وظیفہ پاس تھے ۱۸۶۷ء میں انہوں نے اپنی بیچا بلی کی کیفیت مکمل الاخبار اور اثرات الاخبار میں چھپوا دی تھی۔ اور خطوں کے جواب یا اصلاح اشعار سے معذرت

چاہی تھی لیکن لوگ بہ دستور انہیں خط بھیجتے تھے نیز اشعار اصلاح کے لئے آتے تھے اور وہ شکر مند
ہوتے تھے۔

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ منشی شیروزان سے دستنبو کے جتنے نسخے امید سنگھ اندور
وائے کے پاس نسخوں سے زائد منگائے قیمت دے کر منگائے لیکن جب میانہ افواہ
سیاح نے کتابوں کے لئے روپے بھیجے تو بہت ناراض ہوئے فرماتے ہیں :-
صاحب نے یہ پانچ روپے کئے کٹ بیرون بھجویں ہیں کتاب دراز نہ دلال یہ حرکت
بھلے لہذا فی نہ نے سب برابر کیا

مذکورہ | شہزادہ بشیر الدین مسوری نے نائب کی تعاضف طلب کی تھیں نیز ان کی قیمت
چوچھی تھی اس وقت نائب کے پاس فارسی دیوان اور دستنبو کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ دونوں میں
بج دیں اور شہزادہ کو لکھا :-

حرف بہش نہ قیمت چارہاں تعارف بنجارہ شہزادہ ان بے لوانہ این است سرایم
نہ دہایہ بجنوہ۔ سو اور مرید برسم۔ کتاب فارسی بریدہ۔ حاتم نہ گیرہ بہا۔ ہرچہ آزادگان
شہزادان زسہ۔ نہ رست و نہ نہ وہاں بہ اوکان بکشد بکرکایع و شرافت چون دہا
نست بہ نہ زساوہ امراضان است و ہرینہ بکم فرستادہ ان خواہ بود۔

ک ہیں نہ دیتے تھے | نائب نے مل لہ کے لئے بھی کتاب نہیں خریدی ہمیشہ کتابیں مندار لے کر چڑھ
ایمانے تھے اور روپے کرویا کرتے تھے وہ خود لکھتے ہیں :-

دو بیرون بھی نہیں میثاوری کا ملا صاحب شخص بچا مراد میں تو نائب روایت ہیں نہیں

نائب | میر محمدی نجران کے نام کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے خطی اشعار استعار
سفاقی تھی۔ نائب صاحب دین احمد نے ان میں لوہارو سے فرمک لکات و سا پر شگافی غنی حافظ
ملا کا تھا۔ ہر کتاب باب مرتبہ لکھتے تھے اس کے نام جہم و مرغوری جسے ذہن میں محفوظ رہتے

لہٰذا روپے سٹے منفرہ۔

تھے۔ اساتذہ کا کلام بڑی بے تکلفی کے ساتھ سند پیش کیا کرتے تھے۔ قاطع برہان انہوں نے
محض حافظہ کی بنا پر مرتب کر دی تھی۔ اس زمانے میں برہان قاطع اور ساتیر کے سوا
ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔

کتاب بھی کتاب فہمی اور مطالب رسی کے متعلق خواجہ حالی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ نواب ^{مصطفیٰ}
خاں شریف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ایک رسالہ دیکھ رہے تھے جو حقائق و معارف کے ترقی مسائل
پر مشتمل تھا۔ ایک مقام سمجھ میں نہ آیا۔ اسی اثنا میں غالب آگئے۔ نواب صاحب نے وہ مقام غالب
دکھایا۔ انہوں نے کسی قدر غور کے بعد اس کی ایسی عمدہ تشریح کر دی کہ شاہ ولی اللہ بھی شاید
اس سے بہتر بیان نہ فرما سکتے۔

شعور و ادب طاق | غالب کا عام طریقہ یہ تھا کہ جب تک واقعی اچھا شعر ہوتا وہ تعریف نہ کرتے
بلکہ خاموش بیٹھے رہتے۔ خواجہ حالی فرماتے ہیں کہ اس بناء پر ان کے بعض معاصرین ان سے آزرہ
رہتے تھے۔ اور ضد میں ان کی شاعری پر طنز طعنے کی نکتہ چیزیاں کرتے تھے۔ غالب اگرچہ طبعاً
صلح جو تھے۔ بہر شخص کی دلکاری کا انتہائی خیال رکھتے تھے۔ مگر شعر کی داد دینے میں راہ حق
بال برابر بھی انحراف گوارا نہیں کرتے تھے۔

سواست میں | وہ نہایت سلیم الطبع تھے۔ خواجہ حالی نے بال صحیح لکھا ہے کہ ان کی سلامتی طبع ہی کا
اقتضا تھا کہ ابتداً شوق سخن میں جو ناہمواراؤں ڈھیر جا ہی نہیں بلکہ غلط راستہ اختیار کیا تھا اسے بغیر کسی مہر
اور بغیر کسی استاد کے خود بخود ترک کر کے صحیح راستے پر آگئے۔ سلامتی طبع کا اندازہ منشاء نظیر
خاتم النبیین سے بھی ہو سکتا ہے۔ یہ سند مولانا شاہ ہمایل شہید اور مولانا فضل حق خیر آبادی میں
بڑے روادار کا موضوع بن گیا تھا۔ شاہ صاحب اس بات کے قائل تھے کہ خاتم النبیین کا نظیر
ممتنع بالغیر ہے بالذات نہیں مولانا فضل حق انیسویں ممتنع بالذات مرنے کے قائل تھے۔ مولانا
غالب کے نہایت گہرے دوست تھے انہوں نے غالب کو بھی اس بحث میں لپیٹ لیا اور ان کے
جیراً ایک مثنوی لکھوائی جو غالب کے فارسی کلیات میں موجود ہے۔ غالب کی عمر اس وقت زیادہ

سے زیادہ چھپیں ستائیس برس کی ہوگی۔ اس لئے کہ وہ ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے اور شاہ اسماعیل
 شہید اور سید احمد بریلوی ۱۸۲۳ء میں جہاد کے لئے دہلی سے روانہ ہو چکے تھے۔ مولانا فضل حق
 نے اپنا نقطہ نگاہ مع دلائل باہمی طرح غالب کے ذہن نشین کر دیا تھا۔ لیکن غالب اس مضمون کو
 نظم کرنے لگے تو قدرت باری تعالیٰ پر کوئی پابندی مانگ کرنے کی صورت ان کے ذہن میں
 نہ آ سکی۔ لہذا انہوں نے یہ پہلو اختیار کیا کہ اس عالم میں تو خاتم النبیین کا نظیر پیدا نہیں ہو سکتا
 ہاں اللہ تعالیٰ دوسرے جہان پیدا کر سکتا ہے۔ اور ان جانوں میں نئے خاتم بنا سکتا ہے۔

یکجاں تہست خاتم نبین قدرت حق را نہ یک عالم است

خدا ہزار ہر ذرہ آرد عالمی ہم بود ہر عدلے را خاتمے

ہر کجا ہنگامہ عالم بود رحمۃ اللعالمین نے ہم بود

کثرت ابعاد عالم خربت یا بیک عالم دو خاتم خربت

مولانا کو یہ استدلال پسند نہ آیا۔ اور کہا کہ اس حصے کو مثنوی سے نکال دو اور لکھو کہ کتنے ہی عالم

پیدا ہو جائیں۔ خاتم ایک ہی رہے گا۔ غالب نے امثال امر کے طور پر لکھ دیا ہے

غالب این اندیشہ پذیرم خردہ ہم بر خوشی کے کیم

مشاہد اجداد عالم کیست گرد و صد عالم بود خاتم کیست

یہ غالب کی سلامتی طبع کا کرشمہ تھا کہ اصل مضمون میں استدلال کی جو خامیاں تھیں ان پر وہ

ٹھہرنہ سکے۔ اگرچہ مثنوی ایک عزیز دوست کی فرمائش پر ایک خاص مقصد کے لئے لکھی گئی تھی۔

نعلی، قرظ | غالب سے اگر کوئی ملحقی سرزد ہو جاتی تھی تو اس کے اعتراف میں ہرگز تامل نہیں کرتے

تھے۔ مثلاً قاطع بران میں انہوں نے انفس کو عربی الہل ماخوذ از اسف قرار دیا تھا۔ لیکن جب

ان پر غلطی واضح ہو گئی تو فوراً اس سے رجوع کر لیا۔ نواب ملا رالدین احمد خاں کو لکھتے ہیں :-

انفس کو میں نے عربی کہا، عربی نہیں ہے۔ سب مانا کہ یہ ایک سہو طبیعت تھا۔

نامہ غالب میں میزبان حسیم بیگ کو لکھتے ہیں :-

آویزہ و افندیس کے بیان میں مجھ سے وہ سوچ رہا ہے کہ مجھے اس کا قرار دے میرا دوست یہاں
دو دغاں ایسا اثر مانتا ہے۔

غالب کی مثنوی درود دغا میں ایک شعر تھا ہے
خوک شد و پنچ زون ساز کرد
باسرور و مسریدہ آغاز کرد
گل محمد خاں تاملی کارنی کے پاس کلیات کا نسخہ پہنچا اور انہوں نے تینوی دیکھی تو لکھا کہ خوک کے سم ہوتا ہے
پنچہ نہیں ہوتا اگر سم و پنچہ کا اطلاق ایک محل پر شعرا کے نزدیک جائز ہے تو ظاہر فرمایا جائے۔ غالب
اس کے جواب میں لکھتے ہیں:-

راست سے گویم دین داس بلبل بند و جز راست حرف ناراست سرودن روش اہرست
بہتری دم مذلت عقد وہ فرقی گوہر حیدر کر سو گند کہ بیت پائے خوک و زلف بزدہ است اگر چہ پی
آفرینش را در حیران و غراب ایسا رویہ ام۔ اما حذف گئی بہ کار بزدہ اسم گمان کن این بود کہ خوک ہم
سگ و گربہ پائے دارد۔ اکنوں از دم سے نوشتہ شاد و مطبوعہ کرد کہ خوک سم دارد و پنچہ درد کا نشان ہے
شاہین ازں کہ کلیات نقش اطلال پذیر و پس رہے۔

کون اس سے بے تکلفی کے ساتھ اپنی غلطی یا کسی خاص معاملے کے متعلق اپنی سبب خبری کا
اعتراف کرتا ہے۔ اور لطیف کی بات یہ ہے کہ فارسی مکاتیب غالب نے خود جمع کر کے چھپوا
تھے وہ چاہتے تو آسانی کے ساتھ اس خط کو حذف کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اسے یکسر
چھپوایا بلیا کے دوسرے ایڈیشن میں یہ شعر بدل کر یوں بنا دیا گیا ہے

خوک شد و بد نفسی ساز کرد

باسرور و مسریدہ آغاز کرد

اصح قبول کی | خواجہ حالی نے لکھا ہے کہ ایک قصیدہ کا پہلا مصرعہ یہ تھا:-

عید اسٹھنے پر سر آغا ز زمستان آمد
نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے کہنے پر عید اسٹھنے کی جگہ عید قربان بنا دیا۔
ایک اور قصیدہ کا ایک شعر یہ تھا

ہم چاں و ترق غیب تروے وارند
بہ وجودے کہ ندادندہ خارج عیاں

مولانا فضل حق خیر آبادی کے کہنے پر منو دے کی جگہ تروے بنا دیا۔

مترادات کے دیکھنے کا | غالب، مترادات کا خوف بھی بہت تھا۔ اور اعتراضات کے دیکھنے کا سو
شرق استادن | بھی سب حد تھا۔ دستنبو میں انہوں نے خاص فارسی لکھنے کا التزام کیا تھا
اور عربی کا ایک لفظ بھی نہیں آئے دیا تھا لیکن ایک جگہ "نیب" کا لفظ لکھ گئے۔ مسودہ چھپنے
کے لئے آکرہ بھیج دیا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ "نیب" عربی ہے تو اس کی جگہ "نوا" بنانے کے لئے
انہوں نے تفتہ اور فشی شیورن و غیرہ کو متعہ و اضطراب آمیز خط لکھے ایک خط میں لکھتے ہیں:-
نیب لفظ عربی ہے۔ اگر وہ جات کا تھا۔ تو یہ اعتراض بریں ہے یہ بات توئی ایک سے بڑھتی
لفظ تبدیل ہائے اور اسی جگہ لکھ دیا جاتا۔

اور وہ اجہ راہیں انہوں نے دیکھا تھا کہ ایک مناسب غلام، ہام شہید کے غلام پر تشریف
کیا ہے۔ اور شہید کے شاگردین نے اس کا جواب یا ہوشی صیب افندہ خاں و کاجہ آبادی کو
لکھتے ہیں۔

انہوں نے دو دوں تہل و ہرب و مترغ و مترغ سے کام لیا تھا۔

اس سے یہ جی نہ ہر ہوتا ہے کہ غالب اجہ راہ راہین صیب بڑھا کرتے تھے۔

ماہیت مفہور | ان میں و فارسی دانی میں غالب کو کھلم کھانا ان کے خلاف رقعات میں
جانبی سخت شفا دیتے ہیں بشک قتل۔ عبد الواسع، نسوی، ملا علی شاہ، عیدین راہ پوری صاحب
غیاث اللغات۔ ملا نور عین واقف شاہی۔ ان کے خلاف درشت کوئی کی وجہ سے مرہون ہے

کراول جن لوگوں نے کلاکتہ میں غالب کے کلام پر غلط اعتراضات کر کے ہنگامہ بپا کیا تھا وہ سب اپنی اشخاص کے معتقد تھے اور اپنی کی سندیں پیش کرتے تھے۔ حالانکہ غالب ان لوگوں کو شائبہ اعتقاد نہیں سمجھتے تھے۔ دوسرے قاطع برائے کے سلسلے میں جو ہنگامہ بپا ہوا تھا اس میں بھی غالب کے مخالفین کا مرجع زیادہ تر یہی اشخاص تھے لیکن عام طور پر مخالفین کے باب میں غالب کا مسلک مفرد و رگز تھا۔ سیف کی سیاحت کے نام کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی بڑودہ نے غالب کے خلاف برسے الفاظ استعمال کئے تھے۔ سیاحت نے غالب کو اطلاع دی۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-

قاضی صاحب بڑودہ کو معاف رکھو۔ اگر کوئی وجہ اپنے پران کے غائب کی پاتا تو ان سے
عذر کرنا اور اپنا گناہ معاف کروانا۔ بس سبب حال کا غلط نہیں تو میں کسا کروں۔ تم بڑا نہ مانو۔
کس واسطے کہ اگر میں بیاہوں تو اس نے حق کہا۔ اور اگر میں اچھا ہوں اور حق نے بڑا کہا
تو اس کو خدا کے حسب کر دے

غالب مہاندان جو دشمن بڑا کے

ایسا بھی ہے کوئی کہ سب اچھا کہیں جسے

جو لوگ ان سے ملنے کے لئے آتے تھے ان کی بازو بد کا بڑا خیال رکھتے تھے اور
اس بات کو گوارا نہیں فرماتے تھے کہ کسی کا آنا ان کے ذمے رہ جائے۔

نواب مسطیٰ خاں نے غالب کی قید کے زمانے میں بڑی مدد کی تھی جس کا اعتراف انہوں
نے خود اپنے حبسہ میں کیا ہے۔ غدر میں نواب صاحب پر اُنہیں آئیں اور وہ قید ہو گئے۔
غالب کو جب ان کی رہائی کی اطلاع ملی تو ذاک میں ہنچ کر سر ٹھہرنے لگا اور نواب صاحب سے مل کر
مطلق ہوئے۔

تاریخ کے ماہوں سے نفرت | غالب نظم و نشر کے بادشاہ تھے اصناف نظم و شعر میں سے کوئی چیز ایسی
نہیں ہے جس میں ان کے نثر و خیال کی بہتر سے بہتر نگاریاں موجود نہیں۔ غزل، مثنوی، قصیدہ،

رباعی، قطعہ، نوحہ، نثر میں مکاتیب، علمی مباحث، قدرتی مناظر، تاریخ، تقریظ و تنقید سب کچھ موجود ہے لیکن تاریخ کے مادے تلاش کرنے سے وہ ہمیشہ بچتے تھے۔ ان کے نہایت عزیز دوست منشی بنی بخش خفیر کا انتقال ہو گیا، تفتہ نے تاریخ وفات کے لئے اصرار کیا جواب میں لکھتے ہیں:-

میں تاریخ کو دوں مرتبہ شاعری جانتا ہوں اور تمہاری طرح میرا یہ بھی عقیدہ نہیں ہے کہ تاریخ

وفات لکھنے سے ادائے حق محبت ہوتا ہے۔ بہر حال میں نے منشی بنی بخش رحمہ کی تاریخ

رحلت میں یہ قلم لکھ کر بھیجا منشی ذوالدینؒ اسے پسنے کیا۔ قطعہ یہ ہے:-

منشی بنی بخش کو با حسن خلق دہشت مذاق کن و فہم تیز

سال و فائش نہ بچے یادگار بادل زار و مژدہ دجلہ زنج

خوشتر ادنا کتب آشفتم سر گفت مدہ طول و بکرم ستیز

سیاح کو لکھتے ہیں:-

بھائی تمہاری جان کی قسم اور اپنے ایمان کی قسم میں فن تاریخ کوئی اور سما سے بچا نہیں

ہوں، زور و زلف میں وہی تاریخ میری نہ منشی برگی منار سی دیون میں دو ہات تاریکین

ہیں ان کا حال یہ ہے کہ مادہ اور کتب ہے، شاعر برے ہیں تم بچے کہیں کیا کہتا ہوں حساب

سے میرا ہی گھبرانا ہے اور بچہ کو ڈھنگا نہیں آتا جب کوئی مادہ بناؤں گا حساب درست نہ پاؤں

ایک دوست میرے تھے کہ اگر محنت ہوتی تو مادہ تاریخ وہ ڈھونڈ دیتے تھے مرنے والے ہیں کہنا

اس کے بعد اپنی چند تاریکین پیش کی ہیں اور بتایا ہے کہ ان کے عقیدہ اور تجربہ کس درجہ

خندہ آویں

نواب علامہ ذوالدین خاں کے عاجز زادہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ انہوں نے تاریخ وفات

کے لئے لکھا اس کے جواب میں بھی غائب نے یہی نذر پیش کیا کہ میرے مادہ اسے تاریخ بیشتر لکھنا

کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے کلیات میں تاریخ کے متعدد قطعات موجود ہیں اور

بعض ایسے قطعات بھی ہیں جو کلیات میں شامل نہیں ہوئے۔

درد میں مرثیہ کی فرمائش خواجہ عالی نے لکھا ہے کہ ایک غائب اردو زبان میں میز نہیں وغیرہ کے انداز پر مرثیہ لکھنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ غائب نے تین بند لکھے اس کے بعد معذرت کر دی کہ مجھے اس میدان میں مثنوی کا مرتبہ حاصل کرنے کے لئے ایک عمر چاہیے۔

فرمانشی اخبار | غائب دوستوں کی فرمائش پر بھی شعر کہہ دیا کرتے تھے اور ہر قسم کے فراموشی شاعر فرمائش کنندہ کے حوالے کر دیا کرتے تھے اپنے نام سے منسوب نہیں کرتے تھے تفتہ کو لکھتے

ایک ہر دوست اور ہمارا ہمدرد ہے اس نے اپنے حقیقی بھتیجے کو بتا کر دیا تھا۔ اخبار
میں برس کی لڑائی کا کھتری خوبصورت و خضدار جوان ۱۲۷۷ھ میں بیمار کر گیا۔ اب اس کا
باب مجھے تازہ دکھاتا ہے کہ ایک تاج س کے مرثیہ کی لکھوں جی کہ وہ فقط تاریخ نہ ہو بلکہ
مرثیہ جو نہ کہ وہ اس کو بڑھ پڑھ کر دیا کہے سو بھائی اس نال کی خاطر مجھ کو عزیز اور نیکار شعر سنو
مذاہبہ واقعہ ہمارے سب مال ہے آفتہ کا جیسا مرثیہ تھا جس کی وفات پر عالی تین سو شعر
کا مرثیہ لکھا تھا وہ ان کے علاوہ فارسی دیوان میں موجود ہے اور نکال شاعر غلامی کے
کمال غلبے کے یہ طریق مثنوی میں نہیں شعر کہہ دو۔ ہمدرد آخر میں مادہ تاریخ ڈال دو نام ہر گز
نہا اور اس کو بابو بابو کہتے تھے چنانچہ میں سحر سنسون میں ایک شعر رقم لکھا ہوں ۵

ہر دم چوں نام بابو برج موہن

چکہ خون دل ریش از لب من

سلاو ہر غائب کہ آفتہ نے اس کے حکم کی تعمیل میں کچھ اور مثنوی شعر مرثیہ لکھ بھیجا تھا لیکن
غائب نے خود ہی ان میں شعر کہ کر فرمائش پوری کر دی اور آفتہ کو لکھ دیا کہ سب اشعار کسی اور کو دے
آفتہ نے لکھا کہ میرے اشعار میں سے کیوں ایک شعر بھی نہ لیا۔ اب وہ شعر تقسیم کھتے ہوں اس کے
جواب میں فرماتے ہیں :-

وہ شعر سب دست و گریبان تھے اب کو ایک خط بابو ہمدرد اس میں سے کیوں کر

مے جلتے اشعار سب میرے ہند۔ بے قسم۔ بے عیب۔

منشی شیوزائن اکبر آبادی کی فرمائش کے مطابق امین براؤن کے اہل فرائض پیدا ہونے کی تقریب پر کہیں شکر کا اورو قصیدہ لکھا تھا۔ غالب خود منشی شیوزائن کو لکھتے ہیں:-

کل آپ کا خط آباد است بھر میں سے فکر شعر میں خون جگر کھایا۔ کہیں شکر کا قصیدہ لکھ کر تھا
علم کیا لایا۔ میرے دوست حضور شامیر، تفتہ جانتے ہیں کہ میں من نابج کو نہیں جانتا۔ اس
قصیدہ میں ایک ردش خاص سے اظہار شدہ کر دیا ہے۔ مذاکرے تمام پہنچے۔

اس کے بعد قصیدہ راج کیا ہے جس کے آخری دو شعر یہ ہیں:-

امید دار عنایات شہینارہی کتا پچا ہے تک خور آمد دولت خاں
یہ چاہتا ہے کہ بنامیں و ذباہ کے نہیں اور اس کی سلاست رکھے اللہ

اس کو "ذمولود کی طرف اشارہ ہے۔

شجروں سے نفرت | ارباب تصرف و سلوک کے اہل شجرہ ایک خاص چیز ہے یعنی روحانی فیوض کے واسطوں کو مرشد سے لے کر حضور خواجہ دو جان علیہ السلام تک ترتیب یاد کرنا اور یاد رکھنا مدت سے یہ چیز صوفیہ کے رسم اوراد و وظائف کا جو بنی ہوئی ہے۔ یہ سہولت کی غرض سے شجرہ کو منظم کرانے کا سلسلہ بھی مدت سے جاری ہے۔ غالب کو شجروں سے بڑی نفرت تھی۔ خواجہ عاتقی فرماتے ہیں:- غالب اسی بخش معدود بھی جس شخص کو مرید کیا کرتے تھے۔ اپنے سلسلے کا منظم شجرہ عطا فرمایا کرتے تھے۔ اور اس غرض کے لئے وہ شجرہ کی نقلیں کراتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ غالب سے بھی یہ کام لیا گیا۔ غالب شجرہ نقل کرتے وقت ہر قسیر اشعر حذف کرتے گئے۔ سب یہ قسیر نقل خوب لکھی بخش خاں کے ملاحظہ سے گزری تو وہ بہت غصا ہوئے لیکن غالب نے بلا تکلف کہا:-

آپ اس کا کچھ خیال نہ فرمائیے شجرہ واصل خدا تک پہنچنے کا زینہ ہے۔ سوزینہ کی ایک

سیر بھی اگر وہ بن میں سے نکال دی جائے تو چنداں برج واقع نہیں ہوتا۔ آدمی ذرا چمک

اچکے اور پرچہ سکتا ہے۔

اس تدبیر سے غالب آبدہ کے لئے اس ناخوشگوار شقت سے محفوظ ہو گئے۔
میرزا بہمن علی خاں سورتی نے شجرہ منظر عام کے لئے بھیجنے کی خواہش ظاہر کی تھی
اس کے جواب میں فرماتے ہیں:-

میر سے قنایہ و کتبہ واسطے خدا کے شجرہ منظر عام رسالہ دیکھئے گا اس کی اصلاح یہی مدد
سے باہر ہے۔ یہ میرا شیوہ نہیں۔

ذائقہ طاعت | غالب کا مذاق طاعت بہت اعلیٰ تھا۔ یہیں اس کا یہی ذکر و ستنبوٹ اور بعض
دوسری تصانیف کی طاعت کے سلسلے میں آجائے گا۔ ہاں اسے کمزیر بحث لانا غیر
ضروری ہے۔

ہجر | خواجہ خالی نے لکھا ہے کہ غالب کسی کی جو میں کوئی قطعہ یا قصیدہ نہیں لکھا۔ ہجر
ایک قطعہ ان کے فلسفی مسودات میں دستیاب ہوا ہے جو مطبوعہ کلیات میں شامل نہیں اس کے
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے ایک امیر کی طرح میں ایک ناری قصیدہ مع عرضداشت
ارسال کیا تھا۔ اس کا جواب مدت دراز تک نہ ملا تو تقاضے کے طور پر یہ قطعہ بھیجا جس کو شکل
ہجو طبع کیا جاسکتا ہے۔ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ قطعہ نواب ذریعہ دولہ والی ٹونک کی خدمت
میں بھیجا گیا تھا۔ لیکن خواجہ خالی کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ غالب نے کبھی کسی کی جو میں کوئی قطعہ
نہیں لکھا۔ ان کے فارسی کلیات نظم میں کم و بیش چار قطعہ ایسے ضرور موجود ہیں جنہیں
ہر حال ہجو ہی کے ماتحت لانا پڑے گا۔ البتہ یہ درست ہے۔ ان کی جو مسودہ یا انشایاں ان کے
کے بعض ہجو گوشتوں کی طرح سرقیت اور شغل سے موش نہیں ہوتی تھی۔

تقریب نگاری | خواجہ خالی فرماتے ہیں کہ غالب پر تقریروں کی بے انتہا فرمائشیں ہوتی تھیں اور وہ
اجاب کی دلدارمی کی خاطر عموماً ان کی فرمائشوں کو پورا کرتے تھے۔ لیکن تقریب نگاری میں ضرور

لے یہ قطعہ سید ہیں میں موجود ہے اور سید حسن غالب کی زندگی میں بھیج گئی تھی۔ معلوم نہیں خواجہ مرحوم نے اسے
فلسی کس بنا پر فرمایا۔ یا دیکھو غالب مجموعہ کلیات نظم قطعات ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱۵۸۰ ۱۵۸۱ ۱۵۸۲ ۱۵۸۳ ۱۵۸۴ ۱

ایسا طریقہ اختیار کیا تھا کہ کوئی بات راستی کے خلاف نہ ہو۔ نیز صاحب کتاب خوش ہو جائے
مثلاً تقریظ کا زیادہ حصہ تمثیل میں یا مصنف کی ذات، اس کے اخلاق، یا اس کی بخت اور
دوستی کے بیان میں صرف کر دیتے تھے۔ کتاب کی نسبت صرف چند جملے لکھتے تھے جو اصلیت
سے خالی نہ ہوں۔

غالب خود اپنی روش کی نسبت تفتہ کو لکھتے ہیں :-

وہ روش ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی بجائے کوئی نئی، بکراہل بجاؤں کی طرح بکن
شرع اردوں میرے قصیدے دیکھو تہذیب کے نسبت پاؤں گے۔ مع کے شعر کتر۔ شریں بھی
بھی حال سے رہا ہے۔ اس سے مراد انگلیں بھاری کی تقریظ، ملاحظہ کرو ان کی مع کتنی ہے
میرزا حسین الدین بہادر جیہا شخص کے دیوان کا دیباچہ دیکھو وہ جو تقریظ دیوان حافظ کی سوجب
فرمانش جان جاکوب مادی لکھی ہے اس کو دیکھو نقد، یہ سب میں ان کا نام اور ان کی
مع آلی سب اور مانی ساری نثر میں کہ اور سی اور مطالب میں۔

تفتہ نے اپنے دیوان کی تقریظ کے مدحیہ الفاظ کی قلت کا شکوہ کیا تھا۔ محولہ بالا بحث کے
بعد غالب فرماتے ہیں :-

دانش ادب سے شہزادے باہر۔ دے کے دیوان کا دیباچہ لکھا۔ دہائی مع یہ کہتا دہائی تہا
مع لی ہے ہم پر دہائی دس و اسیا ہے ترانی میں نسبت مانتے نقد تقریر تہا ہی خطراب
نقد تہا ہے، مگر اصل زبان سے دوسرے ایک اور فقرہ لکھ دیا ہے اس سے زیادہ جھٹی بھری ٹیٹ

تہا کبریٰ نہ دہا | سرسید دہاں سے آئین کبریٰ کی تصحیح کی تھی تو دہائی کے دوسرے مشاہیر
کے علاوہ غالب نے بھی شتوئی میں اس کے لئے تقریظ لکھی تھی لیکن غالب اول الفضل کے
انداز تحریر کو پسند نہیں کرتے تھے۔ دوسرے الفضل کے پیش کردہ آئین لڑاگریزی آئین کے مقابلے
فرورجاست تھے سرسید کے ساتھ اگرچہ ان کے تعلقات بہت گہرے اور عزیزانہ تھے۔ اور
اسے یادگار غالب صفحہ ۷۰۔

ان کی دلداری بھی بدرجہ غایت منظور تھی لیکن تقریباً میں اپنے حقیقی خیالات چھپانے کے
اور صاف لکھا کہ سید کی ہمت بلند کے لئے آئین اکبری کی تصحیح قطعاً باعث فخر نہ تھی اور ابے
کام کی سنائش وہی کر سکتا ہے جس کا پیشہ رہا ہو۔

من کہ آئین ریادہ شہنشاہی در وفا اندازہ دوان خودم
گردیں کارش نہ گویم فریادے آں ارد کہ جویم فریادے
پھر فرماتے ہیں کہ اگر آئین کی بنیاد پر کتاب سنائش کی ہمت تھی تو آنکھیں کھول کر سامنے کی
حالت دیکھو اور انگریزوں ہی کے آئین ملاحظہ کرو کہ انہوں نے کیسی کیسی چیزیں ایجاد کی ہیں

آتشے کز جنگ دیں آوند
تا چاقو خنڈ اندہ انبان
گردن کشتی چیموں برب
گردن گردون ہموں
فلک لٹکے بگرداند دخال
از دخال زوق بے قرار آند
نقد بابے زخم از سنا ز آوند
حرف چوں طرب پرواز آوند
ہیں نے مہنی کر میں ناگروہ
در دودم آند حرف صد
مے زند آتش بیا د اندھے
مے دزد باد چوں افکندے
رو بہ لند بکا ندراں خندہ
شہر روشن گشتہ در سبب خان
کار و بار مردم بشیار ہیں
در ہر آئین صد آئین کا ہیں
پیش آئین میں کو وار و روزگار
گشتہ آئین و گزشتہ ہم پار

پھر فرماتے ہیں کہ اگر کتاب کو طرز تحریر کے لحاظ سے شایان سنائش قرار دیا جائے تو

بہر خشنے را خوشتر ہم بود
نیر سے بہت جہنم بود
بید انیاض را شکر خیل
نوز سے ریزد رطبت خیل

مرد پروردن مہاں گاہیت خود بلو کال نیز خیر گفتمائے

یہاں اس امر سے بحث نہیں کہ غالب کی یہ رائے صحیح تھی یا غلط اور اسے علی الاطلاق درست ماننا چاہیے یا اس میں تراش خراش کرنی چاہیے لیکن ایک حقیقت ظاہر ہے کہ غالب کے فکر و نظر کا اسلوب عام لوگوں سے الگ تھا۔ وہ شخصیت پرست نہ تھے بلکہ ناموں سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ ہر شے کی انفرادی حیثیت کا مستقلاً اندازہ کرتے تھے اور اندازہ کے بعد اس کی اچھائی یا برائی کا حکم لگاتے تھے۔ سرسید کے غاذان کے ساتھ ان کے تعلقات بہت گہرے تھے۔ بلکہ رشتہ داری بھی تھی لیکن ان تعلقات کی بنا پر انہوں نے اپنے دل کی بات صاف صاف اور بلا تحلف کہنے میں تامل نہیں کیا۔ سرسید نے اس تلخ تقریر کو شال کتاب نہ کیا بلکہ مشہور ہے کہ اسی بنا پر سرسید اور غالب کے دیرینہ تعلقات کمزور ہو گئے تھے جو رام پور کے پہلے سفر سے واپسی پر مراد آباد کی ملاقات میں از سر نو درست ہوئے۔ جہاں سرسید اس زمانے میں بہ طور صدر الصدور مامور تھے۔

سڑیوں میں صوبہ | ان کی روزانہ زندگی کے متعلق تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے مگر تیس سے چار گریبوں میں تھی۔ ہوتا ہے کہ وہ کم از کم ایک وقت کا کھانا لازماً گھر میں کھاتے تھے ان کے متعدد خطوں میں اس کا ذکر ہے سڑیوں میں دھوپ میں بیٹھتے تھے۔ گریبوں میں خس کی ٹٹی لگاتے تھے مثلاً ایک خط میں جو جاڑے کے موسم میں لکھا گیا تھا فرماتے ہیں :-

دھوپ میں بیٹھا ہوں۔ یہ سفلی خاں دلا بہر سنگھ شیشے میں کھا، تیا ہے خط لکھ کر بند کر کے آدمی کو دے دوں گا۔ وہیں گھڑیوں کا۔ وہاں ایک دالان میں دھوپ آتی ہے اس میں بیٹھوں گا۔ ہاتھ منہ دھوؤں گا۔ ایک روٹی کا جھکا سانس میں کھا کر کھاؤں گا۔ دوسرے خط میں جو گریبوں کے آنے کا لکھا ہوا ہے فرماتے ہیں :-

کوٹھری میں بیٹھا ہوں۔ ٹٹی لگی ہوئی ہے۔ مڑا ہی ہے۔ پانی کا جھجھکا ہوا ہے۔ حقہ پی رہا ہوں۔ یہ خط لکھ رہا ہوں۔

نگ تاپنا | سر دیوں میں آگ بہت تپتے تھے۔ چنانچہ کسی جگہ اس کا بھی ذکر موجود ہے مثلاً
ایک خط میں فرماتے ہیں :-

ہمارے پاس شرب آج کی اور ہے۔ کل سے رات کو ذی انجی پڑا رہا ہے۔ رات
مکمل ہو تو ف۔

قصص جنگی سلطانہ کا تعلق | معلوم ہوتا ہے کہ غالب کا قصوں کی کتاب میں پڑھنے کا بہت شوق تھا
صاحب کا لہجہ بہرہ دیئے ہوئے نہیں، بہرہ دہانے کی بہت کوششیں کی تھیں، بہرہ مرتبہ
آہوں کا لایج دیا۔ ایک مرتبہ لکھا کہ بہرہ شریف لائیں گے تو بوستان حیات پر ہمیں گے
اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-

خیرت سے بہرہ دہانے کا خیال نہ ہو۔ بوستان خیال کے دھبے کا ڈال کر ہیں
اتنی طاقت پر وادہاں رہا سے لڑچکن جاؤں، ہم پرے دہانے سے آئے ہوں
میر ہدیٰ مجروح کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

مردانہ غالب علیہ الرحمہ ان دنوں مست فزع میں ہیں، بیجاں، ماضی کی کتاب میر میری دنیا
کی اور اس قدر حجم کی ایک جلد بوستان خیال کی دنیا کی ہے۔ تیرہ برس، ماضی کی کتاب
میں موجود ہیں، دن بھر کتاب دیکھ کر رہتے ہیں رات بھر شرب پیا کرتے ہیں۔

کسے لایں مراد میں میر دو

الرحمہ اللہ یا اللہ سکندر بود

غذا | خواجہ عالی لکھتے ہیں کہ غالب کی نہایت مرغوب غذا گوشت کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی
وہ ایک وقت بھی بغیر گوشت کے نہیں رہ سکتے تھے۔ بہرہ دہانے کے مسئلے کے دن، ہر روز
کھجور یا شکر کھھی استعمال نہیں کیا۔ آخری زمیں میں ان کی خوراک بہت کم رہ گئی تھی جب وہ چلے
پھرے سے بڑی حد تک ماری ہوئے، تھک کر سے ان کے لئے دن کو بیک آنا تھا اس
میں خواجہ عالی کے بیان کے مطابق سندر جہ ذیل چیزیں ہوتی تھیں :-

(۱) پاؤں سیر گوشت کا قورمہ ایک پیالے میں بونیاں دوسرے میں شوربا۔

(۲) ایک پیالے میں پھلکے کا چھلکا شوربے میں ڈوبا ہوا۔

(۳) ایک پیالے میں کبھی کبھی ایک انڈے کی زردی۔

(۴) ایک پیالے میں دو تین پیسہ بھروہی۔

شام کو کسی قدر شامی کباب یا سنج کے کباب۔

غالب خود و ستمبر ۱۸۶۶ء کے ایک خط میں اپنی غذا کے متعلق فرماتے ہیں:-

صبح کو سات با دام کا شیرہ تازہ کے شربت سے ساہمہ دوپہر کو سیر میر گوشت کا کھا پانی،

قریب شام کے کبھی مہی مین تھ ہوئے کباب۔ چھ گھنٹہ رات گئے پانچ روپے ہر شربت سا

اور اسی قدر عرق شیرہ۔

دسمبر ۱۸۶۶ء کے ایک خط میں فرماتے ہیں:-

غذا: مقابلاً دو برج مفقود یعنی صبح کو بان سات با دام کا شیرہ بدلتے آج گوشت

شام کو چار تھے ہوئے کباب ہیں آگے خدا کا نام۔

ماؤرش | شراب کے متعلق کچھ عرض کرنا یا کوئی عذر پیش کرنا باطل فضول ہے۔ یہ علت ابتدائے

شباب سے ان کی زندگی کا لاینفک جزو بن چکی تھی اور آخر دم تک نہ چھٹی۔ ان کے خطوں سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تر دلتی شراب پیتے تھے جس کا نام ان کی اصطلاح میں "فرنج" تھا۔

غدر کے بعد دلتی شراب بہت گراں ہو گئی تھی۔ چنانچہ وہ بابو کو بندھائے سے کاس ٹلین اور

اولڈ نام کا فرنج پوچھتے ہیں^{۱۵}۔

ایک خط میں فرماتے ہیں:-

بہر ایک، انگریزی شرب ہوتی ہے تو اس کی بہت طیف اور رنگت کی بہت خوب اور

طعمہ کی ایسی مٹھی صاف تازہ کا تو اس پلا دکھو اس لغت کے معنی لسی فرنگ میں مورتو۔

خواجہ عالی لکھتے ہیں کہ شراب سوتے وقت پیتے تھے۔ جو نقد رقم رکھ لیتی تھی۔ اس سے زیادہ کبھی نہیں پیتے تھے جس میں بومیں بڑھتی تھیں۔ اس کی سچی دارو خد کے حوالے تھی۔ اور اس کو سخت تاکید تھی کہ اگر عالم سرخوشی میں زیادہ پینے کا خیال ہو تو سستی نہ دینا۔

نواب سز میرالدین احمد خاں فرما زو سے نوازہ کے معلوم ہوا کہ تو نہیں ان کے پاس دھری رہتی تھیں۔ نواب صاحب مدوح اس زمانے میں کہ سن تھے۔ وہ اکثر بنا سبکے پاس جا پا کرتے تھے۔ فرماتے تھے والدہ محترمہ نے سخت ناپید کر رہی تھی۔ عاتق اب لی بواں کو بھی لکھتا تھا۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ شراب کی زخموں کے علاوہ میں بادام بھی اپنا دو بونٹوں میں بھرے رہتے تھے۔ ہمیں گزل کے طور پر ہتھال کرتے تھے۔

نواب شراب میں حرق شیر یا عذاب لاکر پیتے تھے وہ خود یہ نال سے تعلق نہیں رکھتے تھے

آسودہ بار خاں نواب لکھتے اوت

آسیختن بہ بادہ صافی نواب را

سے نشی کا اتوار | یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نواب روزانہ شراب پیتے تھے یا کبھی کبھی بیوہ بھی

گزارا کر لیتے تھے۔ لیکن ہے غدر کے بعد فشن کی بندش کے زمانے میں ہی نہیں کسی وقت

شراب نہ ملی ہو۔ خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۶۴ء میں انہوں نے ۲۲ جرن سے لے کر

۱۰۰ جرن لائی تاکہ شراب کا یہ منوی رکھی تھی۔ اس کی وجہ وہ خود بیان فرماتے ہیں

اگر نہیں جدا ہو جدا جدا سر جدا جدا لایا بی جدا۔ کچھ جدا جدا شاد و شاد جدا

وہاں اب سب جدا جدا گیا۔ زیادہ لایا ہو گیا۔ ورنہ کام بند رہتا۔ سب کو یہ لکھا

کہاں شہنشاہی کا۔ اور درویش رہا۔ وکیل مسیحی۔ بہتوں کا۔ انتہا۔ انتہا۔

انتہا کی شراب بھجوا کر نوٹ۔ اس میں کوئی مینہ بچا ورنہ کاغذ عدا با یادوں سے

یو چھا بھر دیا شراب لب تک۔ یہی لکھا کہ لب تک وہ نہ پلائیں گے۔ یو چھا بھر دیا

کس طرح جیو گئے۔ جواب دیا کہ جس طرح وہ جلائیں گے ہاں سے سینہ پورا نہیں گورا تھا کہ رسم پڑ
 سے علاوہ وجہ تقرری کے روپیہ آگیا۔ قرض قسط ادا ہو گیا۔ متغنی۔ ماخیز ہو صبح کی تبرید رات کی
 شرب جاری ہو گئی۔ گوشت پورا آئے لگا۔ چونکہ بھائی ذنوب امین الدین احمد خاں رئیس اٹوا
 نے وہ ہرقونی و بکالی پوچھی تھی۔ ان کو یہ عبارت پڑھا دینا اور مزہ خاں کو بعد سلام کہنا
 لے بے خبر زلفت شربت ہم

دیکھا ہم کو یوں پاتے ہیں۔

انوں کا شوق | میوہوں میں سے وہ آم کو بے حد پسند کرتے تھے۔ آموں کی تعریف میں ان کی
 شہزادی بھی اُردو دیوان میں ہے۔ ان کے دوست دور دور سے انہیں آم بہ طور تحفہ بھیجتے
 تھے۔ وہ خود بھی دوستوں سے آم منگاتے تھے۔ ان کے فارسی مکاتیب میں سب سے پہلا خط
 ذاب اکبر علی خاں طباطبائی تہذیبی امام باڑہ ہو گئی کے نام ہے اس میں آم طلب کرتے ہوئے
 لکھتے ہیں :-

لختے شکم بندہ آم وندے ناتواں ہم آرائش خواں جریم دم آسائش جان فردوان
 دانند کہیں ہر دو صفت بہ انبیا اندرست۔ و اہل ملک برآند کہ قلد و انہ ہو گلی بندست۔
 ایک نزل کے مطلع میں فرماتے ہیں :-

ہم زرمیوہ فردوس بہ خونت باشد
 غالباً انبیا بگالہ فرموش مباد

سیاح نے بیٹی سے آم بھیجنے کا خیال ظاہر کیا تھا اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-
 آم مجھ کو بہت مرغوب ہیں۔ اگر سے کہ عزیز نہیں سین بیٹی اور سوت سے یہاں پہنچنے کی
 کیا صورت ؟ والدہ کا آم دیاں دلائی اور پونڈی کر کے شہر سے اچھا ہوتا ہے۔ کمال یہ ہے
 کہ وہاں بہت اچھا ہو گا سوت سے والی آم بھیجا جس تحفہ ہے۔ روپے کے آم اور چار
 روپے حصول ڈاک۔ پھر سو میں سے شاید دس پہنچیں۔ یہاں وہی آم اولیٰ و اقسام کے بہت

پاکیزہ اور لذیذ اور خوش بواذ غذا سے ہیں جو ہندی آم بھی بہت ہیں۔ رام پور سے نواب صاحب اپنے باغ کے آموں میں سے اکثر سیبیل، ارمان، بھیجتے رہتے ہیں۔ ۱۰۷ نوآج بریلی سے ایک ہنگی ایک دوست دفاضی بنگلہ کی بھیجی ہوئی آئی۔ دو ٹوکے۔ ہر ٹوکے میں آم کھوداروغہ نے میرے سامنے دو ٹوکے کھوئے۔ دوسروں میں سے تو اسی آم اچھے نکلے ایک سوسترہ باگل سرٹے ہوئے۔

انبہ غری کا طریق | صاحب عالم مارہروی نے کسی سے سنا تھا کہ غالب مارہرہ آکر آم کھانے کے آرزو مند ہیں۔ انہوں نے نہ محض دعوت نامہ ہی بھیجا بلکہ لکھا کہ مارہرہ آئے کی تاریخ سے مطلع فرمائیے۔ غالب جواب میں لکھتے ہیں کسی وقت بہ طریق تمنا کما گیا تھا۔ کہ مارہرہ جا کر آم کھاؤں گلاب وہ دل اور طاقت کہاں سے لاؤں۔

شارمنہ میں آم نہ کھاتا تھا۔ کھانے کے بعد میں آم نہ کھاتا تھا۔ رات کو کچھ کھاتا ہی نہیں جو کہوں بین الطہمین۔ ہاں آخر ذہ بدہ منہم معدی آم کھانے پہنچ جاتا تھا۔ بے تحلف جن کرتا ہوں اتنے آم کھانا تھا کہ پیٹ بھر جاتا تھا اور دم پیٹ میں نہ سہاتا تھا۔ اب بھی اسی وقت کھاتا ہوں مگر دس بارہ۔ اگر جو ہندی آم ٹرے ہوئے تو پانچ سات۔

اسی طرح میرہدی مجروح اور دفاضی بنگلہ بریلوی کے نام کے خطوں میں آموں کے ہدیہ کا ذکر ہے۔

تھکشی | غالب حقہ بھی پیتے تھے۔ چنانچہ دو تین جاہان کے خطوں میں حقہ کشی کا ذکر موجود ہے۔ ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ رام پور کے سفر میں بھی حقہ ساقہ تھا۔

سوار ہو کر نکلتے تھے | اگرچہ وہ عموماً تنگ دست رہے، ورنہ پرکشائش کا دور کبھی نہ آیا۔ لیکن وضع دہلی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ سوار ہو کر نکلتے تھے۔ غدر کے بعد جب ان کی فٹین بند تھی اور بے مقصدوری انتہا کو پہنچی ہوئی تھی تو اس زمانے میں بھی سواری کا سلسلہ بہ دستور تھا کہ

تھا۔ شاہنشاہ دہلی کی خواہش کے مطابق دستخط کے نسخے ان کے پاس لے کر گئے تھے۔
تو سواری میں گئے تھے۔ چنانچہ خود میر جراح کے نام کے خط میں صاحب کے ملاقات کی کیفیت
بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

میں نے کہا کہ اس میں غلطی نہیں۔ کہا مٹی جیون دل کو دے جاؤ۔ وہ صاحب (ادھر سوار

ہو گئے ہیں ادھر سوار ہو کر اپنے مکان پر آیا۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:-

سببیت عظیم یہ ہے کہ فارسی سیکھنے والے ہر گیارہ لال لڑکی سے کہیں ایک قسم بھاری ہو گئے

نہ نہ ہی بیانی پیتے۔ گرم بیانی غلبے پر سو میں سوار ہو کر کنوؤں کا حال دریافت

کرتے بیٹھا تھا۔

اگر ان کے پاس سواری نہیں ہوتی تھی تو کسی بے تکلف دوست کے ہاں سے تنگ

تھے۔ ایک موقع پر نواب حسام الدین حیدر خاں کے ہاں سے سفیر منگانی تھی۔

میں جاے کا دفن | قلعہ میں ہی سوار ہو کر جاتے تھے صبح جا کر پہرہ داروں سے دہس آ جاتے

تھے۔ ان کے جانے کے بعد دو چار آدمی مکان پر رہتے تھے۔ ایک صاحب غائب بریلی

میں گئے تھے۔ لیکن ان کی آمد کے وقت غائب مکان پر موجود نہ تھے بعد میں نہیں معلوم

ہوا تو نال سنے برٹشس اور محذرت کا خط قاضی غیبزیل بریلوی کو بھیجا اس میں فرماتے ہیں:-

صبح میں۔ قلعہ میں۔ دو آدمی صاحب دل۔ دواک ہوں گے جب سو۔

موجود ہوں صاحب میں دیکھتا ہوں۔ صاحب بیٹھے۔ دواک چیتے اور غلبہ

جہازوں میں سے آتے ہوں۔

غلت دوسرے تھے غالب خوں کے لٹانے، سینے، ہاتھ سے بنایا کرتے تھے ہشتی شہزادین

کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے سمجھا کہ یہاں میں لٹانے خریدنے کی استطاعت نہیں

اور لکھا کہ میں لٹافے بھجواتا ہوں اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

لٹافوں کی خبر پہنچی آپ نے یوں تحلیف کی لٹافے بنا ناول کا ہلکا سا ہے بیکار آدمی یا کر
ہر حال جب لٹافے پہنچ جائیں گے ہر آپ کا شکریہ بخالائیں گے۔

لٹافے پہنچے۔ سعادت مند شاگرد نے غالب کی سہولت کے لئے لٹافوں پر در مقام
در مقام "تایخ" نامہ "وغیرہ بھی چھپوا دیئے تھے لیکن غالب اس قسم کی چیزوں کو پسند نہیں فرماتے
تھے انہوں نے لٹافے دوستوں میں بانٹ دیئے۔ منشی شہباز خان نے دوبارہ ایک پکیٹ
بھیجا۔ غالب نے پکیٹ واپس کر دیا اور لکھا :-

بھائی میں اپنے مزاج سے لاچار ہوں۔ یہ لٹافے مقام دور مقام و تایخ و ماہ مجھ کو پسند نہیں
آئیں گے جو ترے بھیجے تھے وہ بھی میں نے دوستوں میں بانٹ دیئے اب یہ لٹافے کا حال
اس مراد سے بھیجتا ہوں۔ ان کی عوض وہ لٹافے جو در مقام دور مقام سے خالی ہیں میں
تم کو ہے خط بھیجا کرتے ہو مجھ کو بھیج دو۔ یہ لٹافے اس کے عوض مجھ سے ملے۔ اگر اس طرح
کے لٹافے نہ ہوں تو اس کی کچھ ضرورت نہیں۔

بیزنگ خط و کاغذ مدہ | غالب اکثر خطوط بیزنگ بھیجا کرتے تھے۔ خصوصاً اہم خطوں پر پکیٹ لگانا
تو منافی احتیاط تصور کرتے تھے۔ اور اپنے دوستوں سے بھی یہی کہتے تھے کہ بیزنگ خط بھیجا
کر و۔ ایک خط میں نفقہ کو لکھتے ہیں کہ بیزنگ خط بھیجو اس لئے کہ ڈاک والے بیزنگ خط کو جلد
پہنچاتے ہیں سیف الحن سیاح کو لکھتے ہیں :-

پتہ خط صحیح نہ لکھا تو تلف بھی ہو جاتا ہے۔ اس بات پر کہ بیزنگ خط بھیجتا ہوں تاکہ شائع ہو سکے
کا احتمال قوی ہے۔

چودھری عبدالغفور خاں سرور ماہر دہلی کو لکھتے ہیں :-

ایک تادمہ آپ کو بتاتا ہوں۔ اگر اس کو منظور کیجے گا تو خطوط کے نہ پہنچنے کا احتمال اٹھ جائے گا
اور جہڑی کا در دوسر جاتا رہے گا۔ آدھ آدھ نہ سہی ایک آدھ سہی۔ آپ بھی خط بہت بھیجتے اور

ہیں کہ سب تک گیا اور تھا نہ لکھا جاسکے۔ کار و مہر چہ۔ پاسہ تاب۔ رن
 رن لکھ کر میر نام لکھ دیکھیے۔ خط کے پہنچنے کا میں یقین۔

باب ۱۰ غالب کی تحریرات میں شیعیت کی جھلک نمایاں ہے۔ لیکن معلوم ہے کہ ان کی
 شیعیت محض تفصیل تک محدود تھی۔ ان کا خاندان جس عتک میں معلوم کر سکا ہوں سنی تھا۔ ان کے
 سسرال کا سا خاندان بھی سنی تھا میرزا نعل ہے کہ ان کی شیعیت ان کی آبرائیت سے
 پیدا ہوئی۔ فارسی زبان کے متعلق بھی ان کی روش وہی تھی جس پر بعد میں اہل ایران شد
 اور غلو کے ساتھ کاربند ہوئے یعنی عربیت سے بعد ماسی جیزے غالب میں۔ یہ بیت کے شا
 خاص شیعیت کی پیدا کردی تھی۔ اور غالباً اسی شیعیت کی کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کے مذہبی مقدمات بھی ایرانی
 رنگ میں رنگے گئے۔

شوف | شوف کے انہیں خاص مناسبت تھی وہ بقول خواجہ حالی اہل مال ہیں سے نہ تھے۔
 لیکن عرفاء اور صوفیہ کے ظلام سے پوری طرح واقف تھے۔ در توحید وجودی یا یہ اصطلاح عام
 وحدت الوجود کے قائل تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔

یہاں لا موجود لا مہدے، وہ باب ہر مثل کس بڑا ہے ہر سے اور لغو سلام ہو

وہاں کو شافعی ہوئے بیٹھے ہیں

سبحانہ کو بھر دو میں نیر

رسی اللہ و اللہانی الوجود

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:-

دریدہ کے سب کے کوٹھوں کا یہاں کوئی شور نہ ہو، اور سال و عید و عید و عید

یعنی وہ خاص میں کوٹھانا اور سہ اور ہائے ظلم سے شیعیت حد وحدت وجود کو اپنے دل

کرنا اور ہے مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب و ممکن میں شریک جانتے ہیں مشرک وہ ہیں

جو سب کو عزت میں ختم الہیین ہا شریک کر دیتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو تسلیم کو اپنا

کا ہمسرا نہ تھے ہیں۔ بلکہ ان لوگوں کے واسطے ہے جس میں موجد خالص اور مومن کامل
ہوں زمان سے لایا لایا کہتا ہوں اور دل میں لا موجد والاٹ اور لا موجدی الوجود اللہ
سمجھے ہوتے ہوں، اختیار سب واجب العظیم، اور اپنے وقت میں سب حقہ من الطاعت
محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی بہ ختم المرسلین اور رحمۃ للعالمین میں مطلق نبوت کا اطلاق کیا
اور امام سجاد جلالی بلائین اللہ ہے۔ اور امام حسین علیہ السلام ہے ثم من ثم حسین
مدی موعود علیہ السلام ع

ہیں زیستہ ہم ہیں بگزم

اں اسی بات اور ہے کہ بات وزندہ کو مردود، شراب کو حرام اور اپنے کو عامی
سمجھتا ہوں اگرچہ کہ دوزخ میں ایں گے تو میرا جانا مقصود نہ ہوگا یا میں، دوزخ کا ایندھن
ہوں گا۔ اور دوزخ کی آگ کو تیرا دن چتاؤ شہر کلین و منکرین نبوت مصطفوی و امامت
مرقضوی اس میں طہیں۔

مسلمانوں سے محبت اگرچہ عمل کے اعتبار سے متقی اور پرہیزگار نہ تھے بلکہ خاص اسلامی عبادات
کے بھی پابند نہ تھے لیکن اسلام و مسلمین سے نہیں بدرجہ غایت محبت تھی۔ اور مسلمانوں
کی ذرا سی دولت پر بھی ٹرپ اٹھتے تھے۔ خواجہ حالی فرماتے ہیں ایک مرتبہ خود غالبؔ کو کتا
بند میں کوئی بات مسلمان کی نہیں پھر میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی مت پر جو کہ کیوں ہیں
برخ و تاسف ہوتا ہے۔

نصبائے اہل پاک تھے اس کے باوجود درجہ تعلک اور تعصب و ناروا داری سے بالکل
پاک تھے۔ ہندوؤں مسلمانوں کے ساتھ ان کے گھر سے سعادت تھے۔ نفقہ پاشی ساری لال
پاشی شہر زان یا ہیرا سنگھ و جواہر سنگھ یا ان کے والد راستے جھجھل کے ساتھ نہیں جتنی محبت
و الفت تھی۔ ان کا کوئی مسلمان شاگرد نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس کے ساتھ مذکورہ بالا افراد کے
مقابلہ میں زیادہ محبت کرتے تھے وہ ایک خط میں لکھتے ہیں :-

میں تو بنی قوم کو مسلمان یا ہندو یا نصرانی غزیریت ہیں۔ دنیا بانی کو ناموں سے

ماننے یا نہ ماننے، باقی رہی وہ غزیرہ رہی ہیں۔ بل دنیا تریبیت لیتے ہیں اس کو قوم کہتے

ذات اور مذہب اور طبقہ اور اس کے مراتب و درجات ہیں۔

جاس | جاس کے متعلق خط و داد تحریریت سے تحقیقی طور پر کچھ معاہدہ نہیں ہو سکا۔ تصاویر کے

نظارہ ہوتا ہے کہ کھانا یا جامہ، مباح چغہ اور پوست کی کلاہ پہنتے تھے۔ ایک مرتبہ ٹوپی خراب

ہو گئی تھی تو سر کے لئے پشادری ٹانگی بھی منگائی تھی منشی جو بہر شگہ کو لکھتے ہیں:-

کھلے زیورست برد و دشمنان را سرم خود و سر سرب عالم اند کرد بکھلے جویم، نکات ریشمی

چنانکہ و پشادری و دشمنان سازند و عیان آن فلک و بر سر چہ پے خرم اما شے کرد نکمائے شوخ

دوہنتہ اشد و ما نہ پس و د، عذرا بد و آستے ناؤں و طرائف آستے نغز و ہشت باشد و تار آستے

دوہیم را و راں صرف نہ کرد باشند۔

پھر ایک اردو خط میں لکھتے ہیں:-

کہیں صاحب و دہا ہی کی جہانک کہیں نہیں آتی۔ مت دن کو ب تارے میں تھلا

اسی جھٹے بھوکوں تھا۔

مازروں تا شوق | یہ نہیں رہا جاسکتا کہ غالب کہ جانور بانی سے ج شوق تھا یا نہیں لیکن ان کے

لکھ میں فتنہ مستم کے جانور ریت تھے۔ مثلاً: مولیٰ کھا جس کے متعلق یادگار غالب میں اب

لطیفہ بھی درج ہے کہ میان انھوں تارے نہ جو بد نہ یک تارے کہ میں سر جھٹا سے بیٹھے ہو۔

رام پور کے سند کے دوران میں جو خط لکھے تھے اس میں سے یہ میں ذلرج کہ بافرقیاں

اور حسین علی خاں رام پور سے منع لے کر دسلی داہد ہر س۔ ایک مرتبہ نواب الدین احمد

خاں والی کو اورو سے برسات کے تے مکان مستدار، ناکھا لیکھن پور میں منتقل ہوئے

کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس سلسلے میں نواب صاحب کو مصروف کو چڑھا لکھا تھا۔ اس میں تھوڑے

کبوتر و شبہ، بکری اور گھوڑوں کا ذکر ہے لکھیا ت نظم قاری میں ایک قطعہ فی کی تعریف میں

دارم به جمال گریه پاکیزه نمادے کز بال پریناد بود بچ ریم او
 سرست ادا چوں به نہیں باز خرامد از خاک دمد غنچه نقش مستدم او
 چوں عود است آینه انا فراط لطافت آید به نظر بچه او از شکم او
 هر شیر ریاسے که به پیشی به گلستان وار و سرور یوزه غنچه شش زوم او
 گر با نوزے موده را بینه سر راهے از پاکی طینت نخورد غیر غم او
 هر بچه که کنج شک بوس باد سپارد در پرورش او نخورد جز قسم او
 آرسے بود از غیت سر انداز خرامش بر کبک تدرو هست اگر خود ستم او
 زنده او تیم فش از لطف زبانش گوئی به اثر تاب سہیل است نم او
 جوش گل و بالیدگی موجہ نمک است دم لا پکستان آمدن و مبدم او
 در عربردہ چوبند زوم باز کش آمد لرز و شکن طره خواباں ز جسم او

تمامہ کشل صفحہ افلاک بود مہر
 بادا کف است من و شپت شکم او



تیرھواں باب

تصانیف

دہ رنج گم کر بہ صورت از گدایان دہ ہم غائب
بہ دارالملک معنی سے کنہم فرما زوہتیا

مداول تصانیف | غالب کی تصانیف بہ صورت موجود حسب ذیل ہیں :-

(۱) کلیات نظم فارسی جس میں قطعات، ترکیب بند، ترجیع بند، نوہ جات، مثنویاں

قصائد، غزلیات اور رباعیات شامل ہیں۔

(۲) کلیات نثر فارسی جو پنج آہنگ، "قمر نیروز" اور "دستنبو" پر مشتمل ہے۔

(۳) دیوان اردو جس کے مختلف ایڈیشن اور مختلف نسخے مروج ہیں۔

(۴) اردو سے معلے اس کے بھی مختلف ایڈیشنات ہیں۔

(۵) عود ہندی جس میں نامہ غالب بھی شامل ہے۔

کیا ب تصانیف | جو تصانیف آج کل بہت کیاب ہیں۔ اور غالب کی وفات کے بعد دوبارہ

شائع نہیں ہوئیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) "قاطع برہان" جو غالب کی زندگی ہی میں دوسری بار "دوش کا دیانی" کے نام چھپی تھی

(۲) "سبد صی" جس میں غالب کا وہ فارسی کلام چھپا پا گیا تھا جو کلیات نظم فارسی کی پشت

کے بعد سے لے کر غالب کی وفات سے تھوڑی مدت پیشتر تک کہا گیا یا جو پہلے

کہا گیا تھا لیکن کسی وجہ سے کلیات میں شامل نہیں ہو سکا تھا۔

(۳) "یتغ تیز" جس میں "قاطع برہان" پر اعتراض کرنے والوں کے جوابات دئے گئے۔

(۴) نکات ورقعات غالب جس میں فارسی زبان کے چند اصولی قواعد شامل اردو زبان میں بیان کئے گئے تھے اور آخر میں "پنج آہنگ" کے آہنگ پنجم میں سے غالب کے پندرہ فارسی مکاتیب شامل کر دیئے گئے تھے۔

(۵) مثنوی ابرگرہ مار یہ مثنوی بہ حالت موجودہ کلیات نظم فارسی کے حصہ مثنویات کی آخری مثنوی ہے لیکن ایک الگ نسخہ بھی کلیات نظم کی شاعت کے بعد ۱۲۰۰ھ میں چھپا تھا۔ اس میں غالب کے چند فارسی قصیدے اور قطعات وغیرہ بھی شائع ہوئے تھے جو نہ تو بعد ازاں کلیات نظم فارسی میں شامل ہو سکے اور نہ سببِ عین میں آئے۔

(۶) قناد و زمانہ۔ اس کتاب کا ایک نسخہ جو ۱۸۷۳ء کا چھپا ہوا ہے میں نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں دیکھا ہے۔ پبلشر کا دعوئے ہے کہ یہ کتاب غالب کی تصنیف ہے لیکن مجھے اس دعوئے کی صحت میں شک ہے۔ یہ خالق باری کے زلم میں بچل کے نشاب کی کتاب ہے جس میں سہولت حفظ کے لئے مترادف الفاظ نظم کے گئے ہیں اس کا پہلا شعر یہ ہے

قناد و زمانہ اور یزدان ہے خدا،

ہے بنی مرغل مہر پیسہ رہنا

اس کا نام قناد و زمانہ غالب اس وجہ سے رکھا گیا کہ پہلے شعر کا پہلا لفظ قناد ہے اے اکل خدا غالب نے سید سائید دوست مولوی سراج الدین احمد کی فرمائش پر اپنے اردو و فارسی ناموں ایک منتخب مجموعہ اس نام سے مرتب کیا تھا اور اس میں دیباچہ اور خاتمہ کی شرحیں فارسی زبان میں بھی تھیں جو ان کے کلیات شرفیاری میں موجود ہیں لیکن یہ ایک معلوم کرنا ہوا ہے کہ یہ بھی شائع نہیں ہوا اور نہ اس کا کہیں سے پتہ مل سکا ہے

غالب و اردو و فارسی تحریک میں اردو و زبان کلیات نظم فارسی پنج آہنگ درمیان

بہر حال ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ:-

(۱) غالب کی تحریرات ان کے پاس جمع نہیں ہوتی تھیں۔

(۲) جو چیزیں مختلف دوستوں کے پاس بالخصوص نواب غیاث الدین احمد خاں کے پاس جمع تھیں۔ وہ تمام نذر غدر میں شامل نہیں۔

غدر کے بعد جو کچھ جمع کر کے چھاپا گیا۔ اس میں بلاشبہ انتہائی ہتھام کیا گیا ہو گا کہ کوئی چیز باہر نہ رہ جائے۔ غالب کی موجودہ شائع شدہ تحریرات میں اگرچہ کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی جس سے ثابت ہو کہ بعض چیزیں چھپنے سے رہ گئیں لیکن ان کا جوایز مطبوعہ "مقدمہ حمید" کے علاوہ متفرق طور پر ان کی وفات کے بعد شائع ہو۔ اس کا اچھا خاصہ نمونہ قطعی طور پر غدر سے پیشتر کا معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ کہن مسئلہ ہے کہ وہ فراہم نہ ہو سکا۔ یا غالب اسے خود قابل اشاعت سمجھ کر نظر انداز کیا۔

اردو دیوان | تصانیف میں سے ہم سب کے پاس اردو دیوان کو ایسے ہیں جو غالب کی موجودہ شہرت و عظمت کا حقیقی دار ہے۔ اگرچہ غالب اسے اپنے ہی ہاتھ کا صحیح نظر نہیں جانتے تھے بلکہ اسے ہوش نگ سمجھتے تھے۔

اپریل ۱۸۵۷ء میں انوبھا کا حوالہ دیا جا چکا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے پیشتر غالب کا اردو دیوان ایک زیادہ مرتبہ چھپ چکا تھا غالب سید بدر الدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں:-

دیوان اردو کا منتخب نسخہ مرثوہ میں، ص ۱۱۱ میں دلی درخان بورو و بدھجا

گیا۔ اور تیسری جگہ اگرچہ میں چھپ رہا ہے۔

۱۸۵۷ء وہ خود ایک نذر میں دلی کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

راست سے تو میرے اردو دیوان میں ہر چیز کا ایک نسخہ تھا۔ لیکن میں ہست

غالبی میں نامیاتی نقشاے رنگ رنگ۔ بدرد و مجبور اردو کہ بزرگ میں ہست

اس خط پر تاریخ ذیل نہیں لیکن بعض خطوں سے جن کے اقتباسات اس کے پل کر پیش
کئے جائیں گے معلوم ہوتا ہے کہ دیوان اردو ۱۱۸۶ء اور ۱۱۸۷ء میں ۳۰ جون ۱۸۶۶ء
کے ماہ میں منشی شیو زائن مالک مطبع مفید خلاق کے پاس چھپنے کے لئے بھیجا ہوا۔
نصاً۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید بدر الدین والا خط ۳۰ جون ۱۸۶۶ء کے بعد لکھا گیا تھا
۱۰ جنوری ۱۸۶۶ء کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ دیوان کی طباعت میں تاخیر
موجبات سے غالب نے یہ بھیجی تھی۔ منشی شیو زائن دیوان چھاپنا نہیں چاہتے اور اس وجہ
سبب سے ولی میں دیوان چھپوایا تھا اس سے ظاہر ہے کہ سید بدر الدین والا خط جون ۱۸۶۶ء
سے بعد لکھا اور ۱۰ جنوری ۱۸۶۶ء سے پہلے کا ہے۔

میں دیوان کی نجات اپریل ۱۸۵۵ء کے خط سے بس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ بھی ظاہر
ہے کہ ولی اور مکان پر دونوں جگہ کے چھپے ہوئے دیوان : نفس شے۔ ان میں تمام میں
نہیں آئی تھیں۔ اور فحشی دیوان جو اتم و اہل شے وہ غلام میں لکھا گیا تھا۔ یہ میں مل
اردو دیوان پچاسینے کا خیال پیدا ہوا۔ اس کی تحریک میرٹھ کے ایک تاجر سید ظہیر الدین
صاحب کی طرف سے ہوئی۔

غالب نے ۱۸۵۵ء میں اپنے اردو دیوان کا ایک نسخہ خوش خط مکتوب کرنا ایک سبب مالی خاں
کے لئے رام پور میں دیا تھا۔ یہ بھی ۱۸۵۵ء میں وہ رام پور کے توڑب توڑ سید نصیر الدین احمد خاں
کا تاکید کی تھی کہ اس نسخہ کی ایک کاپی کے ساتھ دی جائے۔ غالب نے فرمائش پوری کر دی تھی
رام پور کے قیام ہی کے دوران میں انہیں شمیم الدین بیگم کی طرف سے ایک درخواست ہوئی
مولی جس میں دیوان کے نسخہ کی حاجت ظہیر الدین صاحب کی تھی۔ غالب نے اس کی پھر جواب نہ دیا
جب وہ رام پور سے واپس گئے ہوئے تھے۔ یہ نسخہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے ہاتھ میں
فحشی مکتوب علی صاحب میرٹھ کے ہاتھ میں تھا۔ انہی سبب اور اعز کیا کہ وہ ان کے ہاتھ میں
سے دے دیا جائے۔ خوب مصطفیٰ خاں : سبب قیام ہر دو ہونے کا یہاں سے کہ ذکر خدا

غالب راضی ہو گئے اور وہی پہنچ کر وہی نسخہ جو ذاب غبار الدین خاں کے پاس رام پور سے بھیجا تھا ذاب صاحب لیا اور ذاب مصطفیٰ خاں کے پاس میرٹھ بھیج دیا غلام الدین نے دیوان کا چھاپا ابھی شروع نہیں کیا تھا۔ اسی اثنا میں غالب کے عزیز دوست منشی شیون رائے صاحب نے اصرار شروع کر دیا کہ دیوان نہیں دیا جائے وہ خود اپنے مطبع میں اسے اہتمام کے ساتھ چھاپیں گے۔ غالب نے تقاضا کر کے دیوان غلام الدین سے واپس لیا اور اگر منشی شیون رائے کے پاس بھیج دیا۔ وہاں بھی اس کی اشاعت میں تاخیر ہوئی تو وہی محل میں خاں صاحب کے مطبع احمدی واقع شاہدرہ میں دیوان چھپوا لیا۔

پیش میں عبارت کا اہتمام | غالب منشی شیون رائے کو لکھتے ہیں۔

میں رام پور میں تھا کہ ایک خط پہنچا۔ سربراہ پر لکھا تھا عرضہ اشت غلام الدین احمد بن مقام میرٹھ داتا بادشاہ کریں بجا خاموں کہ غلام الدین کون ہے اور کیا پیشہ لکھا ہے معلوم ہو کہ ہندی دیوان اپنی سوداگری اور فائدہ اٹھانے کے واسطے چھاپا جاتا ہے میں خیر بپورا جب میں رام پور سے میرٹھ آیا بھائی مصطفیٰ خاں صاحب کے اہل اترہ ان منشی متا زلی صاحب میرے دوست قدیم بھائی کو ملے انہوں نے کہا کہ اپنا احوال دیوان بھائی کو بھیج دیجئے گا غلام الدین ایک کتب خانہ اس کو چھاپا جاتا ہے۔ اب تم سنو دیوان بخیر تمام واکمل کیاں تھا۔ اہل میں نے غندے سے بیسے نکھو کر ذاب ہدف ملی خاں بہادر کو رام پور بھیج دیا تھا اب جو میں ملی سے رام پور چائے لگا تو بھائی غبار الدین نے مجھ کو تاکید کر دی تھی کہ تم ذاب صاحب کی سرکار سے دیوان کر کے کسی کا تہیہ نکھو کر مجھ کو بھیج دینا۔ میں نے رام پور میں کا تہیہ نکھو کر بسیل ڈاک غبار الدین خاں کو دے دی بھیج دیا تھا۔ رام پور مردانے سابق اب جو منشی متا زلی صاحب مجھ سے کہا۔ ترجمہ یہی کہتے بن آئی کہ چاہیوں تو میں غبار الدین احمد خاں سے لے کر بھیج دوں گا مگر وہی کی تصحیح کا وہ نہ کرنا ہے؛ ذاب مصطفیٰ خاں نے کہا کہ میں اب کہوں کیا کہ تاملی اگر غبار الدین خاں سے دیوان لے کر ذاب آدمی کے ذاب ذاب مصطفیٰ خاں کے پاس بھیج دیا

اُن میں اپنی خواہش سے چھوٹا تو اپنے گھر کا مطبخ دینی مطبخ منشی شہباز نے اچھا لایا ہے بھابی
خانے میں کتاب کیوں چھوٹا تین اسی وقت میں نے تم کو خط لکھا اور اسی وقت بھابی مطبخ
کو ایک نو بھابی ہے۔ ن نو بھابی ہے کہ اگرچہ پانچ شروع نہ ہو تو نہ بھابی چاہے اور دیوان
بھابی بھابی جائے مگر دیوان اگر تو خود تمہارے پاس بھیج دوں کہ اگر وہاں کوئی شروع
جو گئی ہے تو چاہوں۔

سورہ کی دہری پر ہزار | بہر حال دیوان اور خراج یا اول بریل شہباز میں میرے بھابی گیا ہوگا
اس لئے کہ غالب پانچ شہباز میں رام پور سے واپس آئے تھے منشی شہباز کے خط
کے بعد غالب نے دیوان کی دہری کا تقاضا شروع کر دیا۔ ۱۱ جون ۱۸۶۶ء کے ایک خط سے
معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دیوان واپس نہیں ملا تھا۔ وہ سیف الحق سیاح کو لکھتے ہیں :-
دیوان کا چھاپا کیا۔ وہ شخص نا آشنا موصوفہ غلام الدین میں نے مجھ سے دیوان نہ لکھا بھابی
نہیں ہے جوت ہے پید ہے۔ اول ہے قصہ زار رحمت ماستور ہے۔ کہ اس کے
انجام دیوان نامعلوم ہے۔ اب میں اس سے دیوان نامعلوم و انہیں دیا خدا رب
آجائے تم بھی دعا لگو۔

غالب کی تنگ مزاجی ملاحظہ ہو کہ دیوان بہر حال اور خراج یا اول بریل میں بھی
لیا تھا چند ہی روز کے بعد واپسی کا تقاضا شروع کر دیا اور دیوان اس کے لئے پریشان ہو گیا
تھے کہ بیچارے غلام الدین کو جوت اور غلام زار مشغول تھے۔ وہ بھی متال نہ تھے
سورہ اردھیا گیا | ۱۲ جون ۱۸۶۶ء کے ایک خط میں سیاح سی کو لکھتے ہیں :-

میں جوت دوستی سے مدد لے رہا ہوں کہ رو دو دیوان رحمت ماستور لکھے کہ
لیگا۔ وہیں سے نو بھابی منشی شہباز سے رجوع دیا نہیں ملتی ہے کہ وہ چاہیں کہ
وہ کے ایک سورہ نہ لکھیں جوت ہے کہ

دیوان منشی شہباز نے پاس پہنچی تو انہوں نے غالب لکھا کہ یہ تو مکمل نہیں ہے غالب نے

میاں تمہاری باتوں پر ہنسی آتی ہے۔ یہ دیوان جو میں نے تم کو بھیجا ہے، تم واکمل ہے۔

وہ اور کون سی دو چار تزیین ہیں جو مرزا یوسف علی خاں غزنوی کے پاس ہیں اور اس دیوان

میں نہیں۔ اس طرف سے آپ اپنی خاطر جمع رکھیں کہ کوئی مصرع میرا اس دیوان سے باہر نہیں

دہلی میں طباعت | لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے منشی شیونرائن کی طرف سے بھی دیوان کی

طباعت میں تاخیر ہو گئی اور غالب نے دیوان دہلی میں چھپوایا۔ ۱۰۵۰ جنوری ۱۸۶۲ء کے

ایک خط میں منشی شیونرائن صاحب کو لکھتے ہیں:-

دلی میں بنہی دیوان کا چھپنا پہلے اس سے شروع ہوا ہے کہ عظیم حسن اللہ خاں تمہارا بیٹا

ہو اور میرے بھائی ہیں اور وہ جو میں نے یہاں کے مطبع میں چھاپنے کی اجازت دی تھی یہ کچھ کر دی

تھی کہ اب تمہارا ارادہ اس کے چھاپنے کا نہیں۔ غور کرو میرے بھائی کے چھاپنے والے میرے عظیم

عظیم الدین اسے کس مجرور کا محاح سے دیوان لیا تھا اور میں نے نگر تمہاری خوشی پر ہرگز

پھر لیا۔ یہ کیوں کر ہو سکتا تھا کہ اور کہ چھاپنے کی اجازت دوں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منشی شیونرائن صاحب بھی طباعت شروع کر چکے تھے نہیں

کہا جاسکتا کہ انہوں نے چھاپا مکمل کیا یا نہیں کیا۔

اس باب میں ایک عجیب امر یہ ہے کہ جب اس نسخہ کے سوا جو غالب نے رام پور سے

نقل کرا کے نواب ضیاء الدین خاں کے پاس بھیجا تھا۔ دیوان کا اور کوئی نسخہ موجود نہیں تھا

یہی نسخہ نواب صاحب کے مستعارے کے سر میرٹھ ارسال کر دیا تھا بعد ازاں اسی کو واپس لوٹا کہ اگر پہنچ

تھا تو دلی والے مطبع میں کون سا نسخہ چھپا؟ یہ معلوم ہے کہ غالب نے منشی شیونرائن کو بھیجا نسخہ

وہ پس نہیں لیا تھا بلکہ اسے منشی صاحب ہی کے پاس رہنے دیا تھا۔ تو کیا دلی والے مطبع کے

لئے رام پور کے نسخہ کی دوبارہ نقل حاصل کی گئی تھی یا نسخہ کو منشی شیونرائن کے پاس بھیجنے سے

قبل اس کی کوئی نقل رکھ لی گئی تھی یا غدر کے گم شدہ نسخوں میں سے کوئی نسخہ لیا تھا؟

غالب کی تحریرات میں مجھے ان سوالات کا کوئی جواب نہیں ملا۔

دیوان کا نام تھا پادشہیت | دلی میں جو دیوان چھپا تھا، اس کا چھاپا بہت بُرا تھا۔ نیز اس میں غلطیاں بہت رہ گئی تھیں۔ غالب خود میر جعفر کو لکھتے ہیں :-

دیوان چھپ چکا ہے۔ لکھنؤ کے چھاپے خانے سے جس کا دیوان چھاپا، اس کو آسمان پر چڑھا
من خلعت الفاظ کو چکا دیا۔ دلی پاپ اس کے پانی پر اور اس کے چھاپے پر لغت صاحبان
کو اس طرح یاد کرنا جیسے کوئی گتے کو آواز دے۔ ہر کاپی دیکھتا رہا ہوں۔ کاپی بیکار اور تھوڑے سطح
کاپی میرے پاس لایا کرتا تھا وہ اور تھا۔ اب جو دیوان چھپ چکا حق تصنیف اب مجھ کو مل
فرماتا ہوں تو وہ الفاظوں کے توں ہیں۔ یعنی ہالی بیکار سے نہ ملتے۔ اپار غلط نام لکھا وہ
چھپا ہر مال فروش و ناخوش کنی بایں مولوں کا۔۔۔ میں خوش ہوا نہ تم خوش ہو گئے۔
اور یہ جو کچھ لکھتے ہو یہاں خریا چن قیمت لکھو مجھ میں دلال نہیں ہنسنے چاہیے نہیں طبع احمدی
کے مالک محمد حسین خاں بستم مرزا اور جان۔ مطبع شاہدہ میں محمد حسین خاں دلی شہر، رمان کے
کو ہے ہیں۔ مصوروں کی حویلی کے پاس بہت کتاب یہ آئے۔ معمول ڈاک خریدار کے ذمے۔

زمانے کی نیرنگیاں دیکھو کہ جس مجرمہ اشعار کے نسخے ہمارے زمانے میں دو دو سو روپے
میں فروخت ہو چکے ہیں۔ اس مجرمہ کا حق تصنیف غالب کو صرف ایک نسخہ ملا تھا جس کی
قیمت مع منافع ناشر و طابع صرف چھ آٹے تھی۔ اور انہیں اپنے دوستوں میں نسخے تقسیم کر
کے لئے بھی خود خریدنے پڑے تھے۔

غالب ضیاء الدین احمد خاں سے مطبع احمدی والے ایڈیشن کی تاریخ بنانے پر بختہ
اور ”بیان رنجیت“ غالی تھی۔ یوسف علی خاں غزنی نے لکھا تھا ہے
لکھی غزنی خستہ سے تاریخ انطباع
حاشیہ کے سر کو کاشمیر کے دیوان رنجیت

کان پور میں دیوان کی عت | مطبع احمدی والا نسخہ ۲۰ محرم ۱۲۷۱ھ کو چھپا تھا لیکن چونکہ حد درجہ غلط چھپا تھا

اس لئے غالب نے اسے از سر نو کان پور میں چھپوانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے قلم سے
مطبوعہ نسخہ پر تمام غلطیاں درست کیں۔ اور اس کی پشت پر ایک رقعہ محمد حسین خاں مالک ملتان
احمدی کے نام لکھ کر تصحیح شدہ نسخہ ان کے پاس بھیج دیا۔ محمد حسین خاں نے اسے مطبع نقشبانی کلاں
میں بھیجا۔ اور ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ میں یہ وہاں سے چھپ کر شائع ہوا۔ غالب کا صحیح کیا ہوا نسخہ
جس کی پشت پر محمد حسین خاں کے نام رقعہ لکھا یہ تھا۔ لکھنؤ کے بازار میں چند پیسے کو بچا۔ رقعہ
مذکورہ درج ذیل ہے۔

غالب محمد حسین خاں کو میرا سلام پہنچے۔ دو رات دن لی منت میں میں نے اس نسخہ کو سچایا
ہے۔ غلام احمد بھی اس میں دین کر دیا ہے۔ گویا اب غلطی نہ رہتا ہو کیا ہے۔ غلام احمد کی عبارت
لیا میرا بیان، لیا میرا بیان کا اٹھا۔ اب کچھ ضروری نہیں کہس واسطے اب یہ کتاب ادھر
میں پھانی جاسے گی۔ یہ بعد ہوئے۔ رد ہے اس کو سچ دیکھ۔ صاحب

یہی معلومات کے مطابق غالب کی زندگی میں اردو دیوان کا اور کوئی تذکرہ نہیں چھپا
تفرق اردو اشعار | غالب کی اردو شاعری کے متعلق مفصل تذکرہ آئندہ باب میں آئے گا جس میں
بتایا جائے گا کہ انہوں نے ابتدا میں میزبان میدان کے رنگ میں اردو شعر کہنے شروع کیے تھے
اور دس برس کی مدت میں ایک دیوان میں کرب تھا جب ہوش آیا اور شاعری کی حقیقت سے
آگاہ ہی حاصل ہوئی تو وہ اشعار ضائع کر دیے۔ سرف مٹھوڑے سے اشعار باقی رکھے لیکن اشعار
کا ایک مجموعہ خصوصاً نواب حمید احمد خاں بہادر فرزانہ سے بھوپال کی توہبات عالیہ کی برکت
سے نسخہ حمید نے نامہ سے شائع ہو چکا ہے۔ غالب کے دو اردو اشعار جوان کے دیوان کی
طباعت کے بعد کے تھے۔ ان کے رقیبات میں آگئے ہیں۔ یا بعض غلطی سودا سے
نے کر شائع کئے جائیں گے ہیں۔ مثلاً چند چیزیں حضرت مولانا ابوالکلام نے ان میں حجاب

جلد ۱۰۰۰، باب بنوری، صفحہ ۱۰۰۰، جو کہ مطبع احمدی دہلی نے تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔
باب غلام احمد نے لکھا تھا غالب کی مراد یہ ہے کہ غلام احمد کی عبارت

تھیں کچھ اشعار دیوان غالب مطبوعہ مطبع نظامی میں چھپے ہیں کچھ اشعار آجی صاحب نے
 مکمل نسخہ کلام غالب میر چھاپے ہیں لیکن بعض اشعار اس وقت تک منظر عام پر نہیں آئے۔
 ایک قلمی نسخہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد سے اس ایک مکتوب گرامی میں غالب کی ایک غیر مطبوعہ
 نزل کا حوالہ دیا تھا جو میرے علم کے مطابق آج تک کہیں نہیں چھپی تھی۔ حضرت مولانا نے اس نزل
 کی نقل نواب سعید الدین احمد خاں طالب مرحوم کے ملوک نسخہ سے حاصل کی تھی۔ میں نے حضرت
 مدوح سے اس نزل کی نقل مانگی تو انہوں نے تحریر فرمایا کہ نقل اہل ان کے دور اول میں
 حاصل کی گئی تھی۔ اور بغرض اشاعت دے دی گئی تھی لیکن وقفہ اٹھ سال بند ہو گیا نزل شائع
 نہ ہو سکی اور دوسرے مسودات کے ساتھ یہ بھی ضائع ہو گئی ہیں اس کتاب کو مکمل کر کے
 کاتب کے حوالے کر چکا تھا۔ اپریل ۱۹۳۶ء میں ایک ضروری کام کے لئے دہلی گیا تو مولانا مظہر الدین
 صاحب شیر کوٹی مالک وائڈ پیر لالہ ان "وعدت" کی وساطت سے میں نے نواب طالب
 مرحوم کے بعض عزیزوں سے ملاقات کی اور نواب صاحب مرحوم کا ملوک نسخہ دیوان غالب
 دیکھنے کے لئے مانگا لیکن افسوس کہ اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا لیکن ایک صاحب نواب
 شجاع الدین احمد خاں تالپاں مرحوم کی سبکدہ صاحبہ کے پاس سے ایک قلمی نسخہ دیوان غالب
 لے آئے۔ جو بظاہر رام پور والے قلمی نسخہ کی نقل معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے کہ اس کے آخر میں
 نواب ضیاء الدین احمد خاں کی لکھی ہوئی فارسی تقریب بھی شامل ہے جس میں بیان کیا گیا ہے
 کہ سامع دیوان میں ایک ہزار چھ سو نوے اور کچھ اشعار ہیں۔ اس کے حاشیہ پر جاوہر
 اشعار مرحوم تھے جو غالب کے غیر مطبوعہ اشعار سمجھے جاتے ہیں میں نے ان تمام اشعار کی نقل
 لے لی۔ ان میں سے بعض چیزیں شائع ہو چکی ہیں مثلاً

کیوں کر اس جس کے رکھوں جان عزیز
 کیا نہیں ہے مجھے ایاں مسزینہ

۱۵۔ مرحوم دیوان میں جو ہے۔

یا

بہت سی غم گیتی شراب کم کیا ہے
ندام ساقی کو ترہوں مجھ کو غم کیا ہے

یا

میں جوں شتاقِ جفا مجھ پہ چھا اور سی
تم ہو بیداد سے خوش اس سوا اور سی

بعض چیزیں "الہلال" سے یاد و سرے رسال کے حوالے سے دیوان غالب کے نسخہ
نظامی میں چھپ چکی ہیں۔ مثلاً دالی رام پور کے غسل صحت اردو قصیدہ، دو تین قطعات اور غنیمت
کھن بحیۃ والی نزل۔

فیض پورہ ۱۵۱۸ مولہ بالا قلمی نسخہ کے بقیہ غیر مطبوعہ اشعار میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

اپنے منی افسر کہا ہے تو سی	یہی اے حضرت یارب تکا تو سی
بچے طاقت سوا ہو تو نہ چنوں کیوں کر	ذہن میں غریب تسلیم و رضا ہے تو سی
ہے غنیمت کہ بہ امید گزر جائے نر	نہے داؤد گرد و زخا ہے تو سی
دوست ہی کوئی نہیں جو کہ چارہ گری	نہی نیک نائے وفا ہے تو سی
غیرے دیکھے کیا خوب بنائی اس نے	نہی ہم سے پر اس بت میں ہر تو سی
نقل کرتا ہوں اسے نامہ حال میں	کچھ نہ کچھ روز ازل تم نے لکھا ہے تو سی
بھی آسا کی کیوں کہ ہو جلدی	شمرہ تیزی شمشیرِ قضا ہے تو سی

مذا کے واسطے پردہ نہ کعبہ کا اٹھا وا غلط

کہیں اربانہ ہو یاں بھی وہی کافر سنم غلط

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے
یہ بندہ کیسے نہ ہمسایہ خدا ہے

مکون نہیں ہے بھول کے بھی زبیرؑ ہوا
میں دشت غم میں آہوئے صیادید ہوا
ہوں درو مند جبر ہو یا اختیار ہو
نہ نالہ کشیدہ کہ اشک چکیدہ ہوں
جاں اب پہ آلی تو بھی نہ شیریں دہن
از بسکتنی غم پہراں چٹیدہ ہوں
نے مسجد سے علامہ ساعر سے واسطہ
میں معرض شال میں دیریدہ ہوں
ہوں خاکسار پر کسی سے جو بچہ کولاگ
نے داند قنادہ ہوں دامن سپرہ ہوں
جو چاہتے نہیں وہ مری قدر و منزلت
میں یوسف قیمت اول خریدہ ہوں
ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہر مری نگہ
ہوں میں کلام نفوسے ناشنیدہ ہوں
بل دج کے حلقے میں بہ چنپہوں ذیل
پری صیوں کے زبرہ میں مین گزیدہ ہوں
پانی سے سنگ گزیدہ دورے جس طرح تند
ڈرتا ہوں آمنہ سے کہ مردہ گزیدہ ہوں

حاشیے اور تن کے علاوہ اس ملنی نخر کے دل و آخر کے بعض ورق پر چند اشعار اردو اور فارسی
کے موجود ہیں جو میرے علم کے مطابق تاجیک نہیں شائع نہیں ہوئے بسلا یہ اشعار بہ غالب اور
دالوں کی طرف سے نقائصے تشہیف اور ہی کے جواب میں کہے گئے ۵

خوشی سے یہ آنے کی برسات کے
بگھن باد و تاب اور آسم کھائیں
سر آغاز موسم میں آمدھی ہیں موسم
لڑائی کو جھوڑیں لڑاؤ کو بسائیں

۱۔ یہ دوسرا باب ہے جس میں میری شاعری کی سلاہ بہ نادرہ شعر و شعریں ہیں تا تب میں وہی سے تھا تھا میں
زبان میں غالب نے ابتدائی دور میں کسی تہیں غرض کہ یہ میں موجود ہیں ان میں سے وہ شعر جو خاصی ہیں
بہ سلا اشعار پر جبرہ بھیجے میں یہ وہ شعر ہیں جنہیں میں نے سب سے پہلے میں سب سے پہلے بالاشعار
عقل کہتے عابثہ و غریبوں میں سے غالب نے صرف یہی دو شعر قابل مدح سمجھ کر مکتوبہ رکھے تھے

قادر الکلام اور شاق نثر نگار کے لئے کوئی بہت بڑا کام نہیں ہے جس کی تکمیل کی خاطر انہیں فارسی خط و کتابت ترک کرنی پڑی ہو۔ دوسرے خط و کتابت میں ان کا عام انداز ہے اور ابھی ہوا نہ تھا بلکہ جو کچھ لکھتے تھے عموماً بلا تکلف لکھتے تھے اردو خطوط کی طرح فارسی خطوط میں بھی تکلفات سے آزادی برقرار رکھا ہے۔ انہوں نے خود پنج آہنگ کے آغاز میں نثر نگاری کے جو خصائص بیان کئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ وہ ابتداء ہی سے صحیح راستہ پر گامزن تھے۔ اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہر فارسی خط کے لفظ لفظ پر گھنٹوں صرف فکر رہتے تھے۔ دوسرے ان کے فارسی مکاتیب میں ایک خطنشی جو ابھرنگہ جوہر کے نام سے جس میں سر کے لئے نگلی کی فرمائش کی ہے۔ اس خط کے آخر میں مطبوعہ پنج آہنگ میں یکم دسمبر ۱۸۴۳ء مطابق چارم محرم ۱۲۵۱ء ثبت ہے۔ ہجری اور عیسوی تاریخ میں مطابقت نہیں ہوتی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم از کم ایک تاریخ ضرور غلط ہے۔ اگر تاریخ ہجری کو ۱۲۵۱ء کے بجائے ۱۲۵۲ء رکھا جائے تو عیسوی تاریخ ۱۸۴۵ء ہونی چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ یہی صحیح ہے۔ ان کے اردو سے ملنے کے ایک خط میں بھی منشی جو ابھرنگہ سے نگلی کا تقاضا موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

کیوں صاحب وہ ہماری نگلی اب تک کیوں نہیں آئی؟ بہت دن ہوئے جب تک لکھا تھا کہ اسی ہفتے بھیجوں گا۔

یہ دونوں خط لازماً ایک دوسرے سے قریب زمانے میں لکھے گئے ہوں گے میرا خیال یہی ہے کہ غالب ۱۸۵۰ء سے قبل اردو خط و کتابت شروع کر چکے تھے لیکن چونکہ اس زمانے میں اردو نثر کو اہل علم ذابہ بلند پایہ نہیں دیتے تھے۔ اس لئے وہ خط غفیر نہ رہ سکے لیکن جیسے جیسے اردو کا رواج بڑھتا گیا اور فارسی کا رواج کم ہوتا گیا۔ غالب کی خط و کتابت فارسی کے بجائے اردو میں زیادہ ہوتی گئی۔

اردو مکاتیب کی ابتدا گزرا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۰ء تک اردو مکاتیب کا اچھا ذخیرہ مختلف دوستوں کے پاس جمع ہو گیا تھا۔ اور وہ انہیں چھاپنے کا قصد کر رہے تھے۔ یہ پہلے

منشی شیونرائن اکبر آبادی نے غالب کو لکھا کہ اردو مسکاتیب شائع کرنے کی اجازت دیجے
غالب ۱۸ نومبر ۱۸۵۹ء کے ایک خط میں منشی صاحب کو لکھتے ہیں :-

اردو کے خطوط جو آپ چھاپا چاہتے ہیں۔ یہ بھی زائد بات ہے۔ کوئی رقم ایسا جو کا جو میں
قلم مہیاں کر اور دل رکھا کر لکھا ہو گا۔ در نہ صرف تحریر سہری ہے۔ اس کی شہرت سہری بخور
کے منافی ہے۔ اس سے قطع نظر کیا ضرور ہے کہ ہمارے آپس کے معاملات اور اس پر
ظاہر ہوں خلاصہ یہ کہ ان کا چھاپنا میرے خلاف طبع ہے۔

غالب : اپنے نارسہ رقعات کو چھاپنے کے خلاف نہ تھے حالانکہ وہ بھی زیادہ تر
یہی معاملات سے متعلق تھے جنہیں ان کے اور ان کے دوستوں کے آپس کے معاملات
کہنا چاہتے۔ اردو مسکاتیب کی اشاعت سے گریز کی حقیقی وجہ یہی تھی کہ اس زمانے میں
اردو شکر کو بخور کی شہرت کے منافی سمجھا جاتا تھا۔ آپس کے معاملات والا عذر عذر
زائد تھا۔

مجموعہ مسکاتیب کی ترتیب | لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دوستوں کے پیہم، صرار کے باعث ان کی رائے
بدل گئی تھی چنانچہ ۱۲ ستمبر ۱۸۶۱ء میں چودھری عبدالغفور خاں سرور مارہروی
نے غالب کے تمام رقعات "مہر غالب" کے نام سے جمع کر لئے۔ اور ان کا دیباچہ لکھ کر غالب کے
پاس بھیج دیا۔ غالب نے اس دیباچہ کی داد دی۔ یہ مجموعہ منشی ممتاز علی خاں کی تحریک پر مرتب
ہوا تھا۔ منشی غلام غوث خاں بخیر نے مزید رقعات کی ترتیب شروع کر دی۔ غالب ایک خط میں
منشی صاحب لکھتے ہیں :-

کوئی صاحب ڈیپٹی کمشنر ہیں۔ میں۔ سرور عبدالغفور خاں ان کا نام شائع ان کا خلاصہ ہے
میری اس کی ملاقات نہیں۔ انہوں نے دینا دیوان چھاپ کا برسوم یہ دفتر بے مثال مجھ کو بھیجا
اس کی رسید میں یہ خط میں نے ان کو لکھا۔ جو دیکھو مجموعہ شکر اردو کے لائق ہے آپس پاس

ارسال کرتا ہوں۔

اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہی منشی ممتاز علی خاں صاحب جو دھری عبد الغفور
نماں کے پاس مارہرہ پہنچے تھے۔ اور مجموعہ خطوط کی ترتیب کی تخریب فرما چکے تھے۔ اس مجموعہ
کو چھاپ رہے تھے اور خواجہ غلام غوث خاں بخیر کتاب کی ترتیب تکمیل میں منشی صاحب کے
معاون تھے۔ غالب خواجہ صاحب کو لکھتے ہیں :-

اں حضرت وہ مجموعہ چھپے کا بافتح یا چھپے کا باغضم، جب جگہ ہے جس میں تصنیف کی جاتی
جلدیں منشی ممتاز علی خاں صاحب کی متانت و تدانہ کے تحت چھپیں۔

ایک اور خط میں خواجہ غلام غوث خاں کو لکھتے ہیں :-

اب یہ عبارت جو تم کو لکھ رہا ہوں۔ یہ لائق شمول مجموعہ شرا و دکان ہے جس میں جانتا ہوں
بسی شروں کو اب خود درج ذکر کریں گے۔ جناب کیس صاحب بہادر افسر مدارس غوث
شمال کا باوجود عدم توفیق خطبہ کو آیا کچھ اور دوزبان سے لہجہ کا حال پوچھا تھا اس کا
جواب لکھ بھیجا نظم و نثر اور طلب کی معنی مجموعہ شریح و با شریحے باب میں ممتاز نام میں میں
مگر یہ لکھا کہ لایا میں وہ مجموعہ چھاپا جا رہا ہے بعد الطبع و حصول اطلاع دہاں سے منسلک
بھیج دوں گا

عبد ہندی کی کیفیت | بہر حال منشی ممتاز علی خاں نے مختلف رقعات جمع کرائے مگر ورثے
پیشا مجموعہ خود مقدمہ لکھ کر منشی صاحب کے حوالے کیا خواجہ غلام غوث خاں صاحب بخیر نے
بعض اور خطوط جمع کر دیے۔ اس وقت تک یہی خیال تھا کہ تمام خطوط شائع نہ کئے جائیں۔
بلکہ صرف وہ خطوط شائع کئے جائیں جن میں علمی رنگ نمایاں ہو۔ اس لئے غالب خواجہ
غلام غوث خاں کو لکھتے ہیں :-

اب یہ عبارت جو اب کو لکھ رہا ہوں۔ یہ لائق شمول مجموعہ شرا و دکان سے۔

لیکن بعد ازاں جتنے خطوط اس کے بجز شمال مجموعہ کر دیے گئے اور عبد ہندی

میں ایسے خطوط بھی موجود ہیں جن میں نہ عبارت کی کوئی خاص خوبی ہے نہ کوئی معنی۔
 غالب دیاپہ کا مطالبہ ایک خط سے ملی ہے جو تاسعہ کو خواجہ غلام خوش خاں عودندہ نے
 غالب ہی سے لکھوانا چاہتے تھے۔ غالب لکھتے ہیں :-

بحرہ نشر، دو کا، لطیف، زریں۔ لکھے سو دیاپہ پر خوش نصیب، اس شخص کا
 جانا بالفتح میں نہیں چاہتا، بلکہ عجیب عالم، ہنسنا ہوتا ہوں۔ یہی مدبر رفتہ و مات میں سے

رہم بہت کہ مالکان تحریر

آؤ گندہ بندہ پیہ

آپ بھی اسی گروہ معنی مالکان تحریر میں سے ہیں جو اس تحریر میں گمراہ نہیں کرتے
 فنی متا، ملی عاں کا بیاں | فنی متا، ملی عاں عودندی کے دیاپہ میں لکھتے ہیں کہ غالب کی
 فارسی تصانیف تو بہت چھپ چکی ہیں مگر کلام اردو نے سوائے باب دیوانے
 ترتیب نہ پائی حالانکہ غالب کی اردو نثر دوسروں کی فارسی سے بہتر ہے، اس سے
 میرا خیال تھا کہ اردو نثر بھی مرتب کی جائے :-

میرے عنایت فرما، اور میرا صاحب کے شاگرد کہنا، میری عبد الفتوح صاحب کے مدد سے

۔ ذکر باتوں میں نے تھے فخر دیا، صاحب کے ہاں سے، اس سے سب دیاپہ :-

اور اس پر باب دیاپہ لکھ کے وہ مجھ کو عنایت کیا، صاحب کے مدد سے تلاش :-

تحریریں میرا، صاحب کی سہمہ بنی ہیں، ذی بحث خدائی سہمہ بنی :-

خاں، میرا، رنجیر قفس جو بنائے، انتخاب لکھتے، اور میرا مدنی و شمال کے مدنی :-

میرے گروہ نام، اور میرے، سب صاحب کے لکھے، یا انعام میں میں علاقہ میں میرے

محبوب اور مددگار سے بہت کچھ ذخیرہ ان کی دولت کو بنیاس نام، فی فصل :-

خاتم ہے، فی فصل میں جو مدنی صاحب کے مرتب کئے سو خطوط، ان کا نام :-

دوسری فصل میں میرے بیچ لکھے ہوئے قعات و مقام میں مدنی میں :-

اوروں کی کتابوں پر تحریر فرمائی ہیں۔

”عود ہندی“ کے ختم نام کی عبارت بہ طرز تقریظ حکیم غلام مولا صاحب قلع ساکن میرٹھ نے لکھی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منشی ممتاز علی خاں روستا میرٹھ میں سے تھے۔ غالبؒ یہ وہی بزرگ تھے جنہوں نے سفارشی بن کر اردو کا دیوان منشی عظیم الدین صاحب کتب فروش کو بخرش طباعت دلایا تھا۔

عود ہندی کی طباعت کوئی | اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ عود ہندی کب چھپی؟ میرزا محمد عسکری صاحب مؤلف ”ادبی خطوط غالبؒ“ فرماتے ہیں کہ عود ہندی سب سے پہلے طبع مکتبہ الیہیہ میں غالبؒ ۱۲۷۵ھ میں یعنی غالبؒ کی وفات سے سات برس قبل چھپی تھی۔

میں نہیں سمجھ سکا کہ میرزا محمد عسکری صاحبؒ کے اس دعوے کی بنیاد کیا ہے۔ لیکن میری رائے میں یہ دعوے ناقابل تسلیم ہے۔ اس کے وجوہ ذیل ہیں:-

(۱) ”عود ہندی“ میں نامہ غالبؒ ہی شامل ہے۔ اور نامہ غالبؒ ۱۸۶۵ء میں لکھا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ عود ہندی ۱۲۷۵ء تک نہیں چھپی تھی۔

(۲) غالبؒ نے خواجہ غلام غوث خاں بخاری کو مولوی عبد القدوس خاں سندھ کے دیوان دفتر بمینال کی تقریظ بھی عود ہندی میں شامل کرنے کے لئے بھیجی تھی۔ اور اس میں لکھا ہے کہ مجھ کو شہزادہ جس کا نام اس وقت تک تجویز نہیں ہوا تھا جیسے کا پانچھٹے یعنی اس تقریظ کی ترتیب تک ”عود ہندی“ نہیں چھپی تھی۔ اور تقریظ میں غالبؒ نے ایک شعر لکھا ہے: ”سے ظاہر ہے کہ یہ تقریظ ۱۲۷۵ء (۱۸۶۵ء) میں لکھی گئی تھی۔

(۳) عود ہندی میں ایسے کئی کتب موجود ہیں جو یقینی طور پر ۱۲۷۵ء کے بعد لکھے گئے۔ مثلاً خواجہ غلام غوث خاں صاحب بخاری کے نام کا وہ مکتوب جو ”عود ہندی“ کے ”صفحہ ۱۰“

پروجہ اس میں غالب مجموعہ نثر و رو کے نہ چھپنے کی شکایت کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ لارڈ کیننگ کی مع میں قصیدہ لکھن تھا۔ وہ ریکٹر کی صاحب نے بکہ کر دیا ہے کہ دیا کہ قیام غدر میں پادشاہ کے صاحب نے پھر لارڈ کیننگ کی مع میں قصیدہ بھیجا آخر میں فرماتے ہیں کہ جب لارڈ کیننگ وائس روائے بنے تو ۱۳ فروری ۱۸۶۳ء کو ان کی خدمت میں قصیدہ بھیجا آج تک کہ راج ہے اس کا جواب نہیں آیا اس سے ظاہر ہے کہ راج ۱۸۶۳ء تک خود ہندی نہیں چھپی تھی۔

(۴) خواجہ غلام غوث خاں کے نام کے ایک خط میں جو ۱ جولائی ۱۸۶۵ء کا لکھا ہوا ہے۔ نواب کلب علی خاں دلی رام پر کی مع میں ایک قصیدہ راج ہے۔ یہ معلوم ہے کہ نواب کلب علی خاں اپریل ۱۸۶۵ء میں سند نشین ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ جولائی ۱۸۶۵ء تک خود شائع نہیں ہوئی تھی۔

مرد کا پیدا ہونا [غالب کی خیریات کو سامنے رکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ خود ہندی ان کی زندگی میں شائع نہیں ہوئی تھی اس سے کہ اس کی امت کا نہیں دلزمیں لیکن میں لاہور واپس آیا تو میرے محترمہ اور خاں دوست مولانا محمد شفیع صاحب پرنسپل اورٹیل کالج لاہور نے بعض دوسری ضروری چیزوں کے علاوہ مجھے آکٹوبر ۱۹۳۵ء کا رس (۱۰) سنہ و شانی بھی فرمایا جس میں "عود" کی ترتیب سے متعلق منشی ہمیش پرشاد صاحب مولوی خاں بنارس یونیورسٹی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عود ۲ رجب ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۸۷۹ء کو یعنی غالب کی وفات سے قریب چار ماہ قبل شائع ہوئی تھی لیکن اس میں بہت سی غلطیاں رہ گئی تھیں۔ اور غالب نے اسے مل قرار دیا تھا اس مضمون سے عود کے تعلق جو مزید معلومات حاصل ہوئیں۔ نہیں غلط تصدیق میں لکھا ہوا۔

(۱) چودھری عبد الغفور خاں صاحب تہذیب و تہذیب کے مجاہد کے علاوہ خواجہ غلام غوث خاں بنارس یونیورسٹی کے مختلف خطوط کے مع و ترتیب میں سخت محنت سے لکھی گئی تھیں

زیادہ تر خطوط عرفان شوق کے لئے جو صوبیات متحدہ میں رہتے تھے بڑھاپے کے
ذیاب انورالہ ۱۰، گورکھ پور کے عبدالرزاق خاں شاکرہ اگرہ کے حاتم علی بیگ قمر،
بریلی کے قاضی وکیل۔

(۲) خواجہ صاحب نے پورا مجموعہ مرتب کر دیا اصل اپنے پاس رکھا اور اس کی نقل ۱۸۶۶ء
میں بغرض طباعت منشی ممتاز علی خاں کے پاس بھیج دی یہ بھی لکھا کہ طباعت کے
قبل مسودہ غالب کو دکھایا جاسے۔

(۳) پوری کتاب چھپ گئی لیکن طابع صاحب نے قطعہ تاریخ کے انتظار میں آخری صفحہ
روک رکھا اور کتاب بہ دستور نام تمام پڑی رہی۔ اخبار جلوه طوڑ مراد آباد کے ہتھم
نے اسی حالت میں کچیس جلدیں لیں۔ خواجہ غلام غوث خاں صاحب کو کیفیت
مسلم ہوئی تو انہوں نے منشی ممتاز علی صاحب کو لکھا کہ قطعہ تاریخ فرض نہیں
اس کا انتظار نہ کیجئے اور کتاب مکمل کر کے شائع کرو دیجئے۔

(۴) یہ نسخہ میرٹھ میں چھپا تھا اگرچہ غالب سمجھ رہے تھے کہ یہ مطبع مراد آباد میں چھپ گیا
(۵) اس کی قطعہ $9\frac{1}{4} \times 7$ انچ تھی کاغذ سفید تھا اور حجم ۱۸۸ صفحہ تھا۔

مرد کا مختلف ایڈیشن | منشی ہمیش پرشاد نے غود ہندی کے مختلف ایڈیشنوں کی تفصیل بھی بیان
فرمادی ہے۔ جسے میں یہاں درج کرتا ہوں:-

(۱) مطبع میرٹھ، اکتوبر ۱۸۶۶ء (۲ رب ۱۲۸۵ء)

(۲) مطبع نارینی دہلی ۲۳ فروری ۱۸۶۶ء (۳۰ صفر ۱۲۸۵ء)

(۳) مطبع نوٹسورکان پور ستمبر ۱۸۶۶ء (۱ رمضان ۱۲۸۵ء)

(۴) مطبع مفید عام اگرہ ہنسی ۱۵۱۰ء

(۵) مطبع نوٹسورکان پور ۱۵۱۳ء (بار چارم)

منو بھائی اگر ان خطوط کا تم کو خطا منظور ہو، اور شہرت منافی طبع ہو تو ہرگز نہ بھیجیجے قصہ تمام ہوا
اور اگر ان کے تلف ہونے کا اندیشہ تو میرے دستخطی خطوط اپنے پاس رہنے دو اور کسی
تصدیق سے نقل آ کر چاہر کسی کے ہاتھ جا ہو سبیل پارل اور سال کرو۔
نواب صاحب نے خطوط بھیج دیے تو انہیں لکھتے ہیں :-

خطوط کے ارسال کو مکرر نہ لکھنا، مزاح ظالم نہ تھا۔ طالب کے ذوق کو شہت پاک میں منو
ہر گیا تھا۔ متوسط ایک پیل القدر آدمی اور طالب کتب کا سودا گو ہے، اپنا نفع نقصان سوچنے
کا۔ لاگت بخت کو جانچنے کا میں متوسط کو منہم سچا تھا اور وہ خیال دیا تھا کہ یہ چھوٹے کاتبین
رقم ایک جلد سے کران کر بھیجے، اس کی رسید میں تقریباً انہوں نے طلب قعات پر تلف
سودا کر لکھی، اور اس سودا کو محفوظ رکھا۔ ظاہر کتاب میں سے کہ نہیں گیا ہو گا۔۔۔۔۔ یہ نہیں لکھنے
و پڑتیں خطوط۔ دستور یہ ہے کہ میں موجود و محفوظ رہے گے اگر متوسط بہ تقاضا طلب
اب اس خطوط کی نقلیں اس کو ارسال نہ کر بھیج دوں گا۔ وہ نہ بتا رہے بھیجے ہوئے کا غم تم کو
پہنچ جائیگا۔

اس خط پر ۳۱ مئی ۱۸۶۳ء کی تاریخ ثبت ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دہلی میں
مجموعہ خطوط کی طباعت کا ارادہ ۱۸۶۳ء میں ہوا تھا۔

دو دوسے خطبات دہلی ولس مجموعہ کا نام اردو سے پہلے قرار پایا میرمدی مجروح نے اس کا
دیباچہ لکھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ منشی جواہر سنگھ جوہر کی کوششوں سے فراہم ہوا
تھا۔ غالب کی زندگی میں اس کی طباعت اکل المطابع میں فخر الدین کے زیر اہتمام شروع
ہو چکی تھی۔ خاتمہ کی عبارت قربان علی بیگ سائیکس لکھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب
مجموعہ کی رباعت مکمل ہونے سے قبل وفات پا چکے تھے۔ سائیکس نے جو تاریخ طبع لکھی اس کا آخری
شعر : شہادت

سب ہی سال طبع سال وفات آج ان کا سخن تمام ہوا

غالب کی اپنی تحریر غالب نے اردو سے ملنے کا حق ملکیت حکیم غلام رضا خاں کے حوالے کر دیا تھا ان کی اصلی تحریر جو صرف پہلے ایڈیشن کے ساتھ چھپی تھی یہ ہے :-

یکریہ، روح دردوں، غیر رسد، غناں غالب قصص بیچ دیاں کناسے۔ اور لکھ دیا ہے کہ یہ
 اردو سے ملنے تصنیف فقیر معطل الملک ملکی دہلی میں جیایا ہوا سو میں نے ازراہ فطرت محبت بنا
 قن تالیف و ترجمہ قبیل نشان حکیم غلام رضا خاں کو بخش دیا۔ ہے۔ اور اس حق کو حاکم اس کا
 حق کیا ہے اور کوئی صاحب اگر مالک اصل لطیف حکیم غلام رضا خاں کے ہے، اطلاع اردو سے ملنے
 کے چھپنے کا قصد کریں تو موافقہ سے محفوظ نہ ہیں کے اور زوراً حرب نشر۔ قانون مجسم
 شدہ منظر باقیں گئے۔

عود ہندی کی طرح اردو سے ملنے کے بھی متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں بعض
 ایڈیشنوں میں غالب کے مزید رقعات شامل کئے گئے ہیں لیکن میں سب ایڈیشن جمع نہیں
 کر سکا اس لئے ان کی تفصیل نہیں بنا سکتا۔

بہت رقعات اردو کی بقیہ تصانیف میں سے "تغییز کا ذکر قاطع برہان" کے ضمن میں
 آئے گا۔ اس لئے کہ وہ "قاطع برہان" کے سلسلے کی ایک کڑی ہے البتہ نجات و رقعات
 کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اگرچہ یہ کتاب فارسی زبان کے بعض اصول
 قواعد سے تعلق رکھتی ہے اور اس میں رقعات بھی سب سے فارسی ہیں لیکن اصل کتاب اردو
 میں ہے۔ خود غالب فرماتے ہیں کہ یہ پنج آہنگ کا اردو ترجمہ ہے :-

اکتر برس کا نازان آدمی دنیا میں عزت اور مقبہ میں نیات کا طالب رک سلجوتی سدا مدد غنا
 غالب کتاب ہے نہیں ہوس چھے میں نے اپنی شریں جمع کیں۔ اور اس کا نام پنج آہنگ رکھا
 چالیس برس کی عمر میں وہ رسالہ لکھا۔ اب انیس برس کے بعد یہ ارادہ کیا ہے کہ پنج آہنگ لی
 چھٹی آہنگ جس میں فارسی کی صرف کا بیان ہے اس کا اردو ترجمہ کیا جائے تاکہ وہ اوراق

۱۵۔ بہ ترتیب موجود آہنگ چاروں تقریظوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اور سدا و رہ غیرہ کا بیان پنج آہنگ کی پہلی قسم میں ہے

حضور پر نور قبا میں جاتے تھے اور یہاں ان کا نام سب صبح و شام جاسم جامع و دانش و ادوار کے
 سرلی ور لکھائے تاکہ جاسم صبح و شام یہ خود صاحب بہادر فرمانروا سے وسیع ملک پنجاب
 قزاق پختونستان اور خوارزم و تاجکستان و افغانستان و کشمیر و کشمیر و کشمیر کی
 کتبہ ہیں۔ عذراست بعد رک حال کا ہاں حضرت کے پند آئے۔ اور یہ رسالہ ان کی زبان سے
 نکلتا تھا "ناب" کا نام ہے۔

لیکن سیری راستے میں اسے ترجمہ قرار دینا صحیح نہیں۔ یہ ہر حال یہ کتاب ضروری
 میں پیار سے لال صاحب اسٹنٹ ماسٹر درسدہ دہلی نے چھپوائی تھی۔ اس کے میں
 صفحہ ۱۸۷ کے تحت وقف میں سوائے صفحوں میں ہندو خطوط چھپے ہوئے ہیں ایٹن
 غلط نامہ ۱۸۷۵ء اس کے صرف یا نسخے چھپے تھے۔ دوبارہ یہ کتاب نہیں چھپی۔
 اردو کی کتاب | تہری مٹورٹ ریڈ صاحب غائبانہ مٹھی شیو زائن کی دسالت سے فرمایش کی
 دی کہ غائب اردو کی ایک کتاب لکھ دیں۔ غائب مٹھی شیو زائن لکھنے میں :-
 جواب :- یہ ہندو مٹورٹ ریڈ صاحب کو بھی میں جاسم لکھ سکتا۔ ان کی دسالت سے روکی
 تھی۔ ان کا یہ دسالت دسالت کے ساتھ ساتھ لکھ دیں کہ یہ دسالت دسالت میں اپنے
 غلط نامہ ۱۸۷۵ء اس کے صرف یا نسخے چھپے تھے۔ دوبارہ یہ کتاب نہیں چھپی۔
 ہور کو کیا ہوں ہوں ہی ہوں، کوئی ہی کہانی لکھ کر ہوں ہوں ہوں ہوں ہوں ہوں
 میں کچھ آئے تھے کچھ کو بتاؤ
 بہر حال میں :-

غائب رہے صاحب صاحبی کرتے ہیں میں اردو میں اپنا کمال کیا ہی ہر زمانہ میں ہیں
 دنیا میں اب سب کی کتاب ہے۔ بہت ہو گا تو یہ ہو گا کہ سیرا اردو بہ نسبت اردو کے
 اردو کے سیرا ہو گا۔ یہ ۔۔۔ میں لکھ کر دیں گا۔ اردو میں اپنا زور ظہور کھاؤں گا۔

یہ ۱۹ دسمبر ۱۸۷۵ء کی تحریر ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ غائب نے اردو و شری کوئی

مستقل کتاب نہیں لکھی۔ البتہ یورپی کے انگریز ہائپرڈارس نے اردو زبان کی ابتدا کے متعلق ان سے جو تحریر حاصل کی تھی وہ غذا جانے کیا ہوئی۔ کاش اس تحریر کا سراغ کہیں سے مل سکے۔

فارسی دیوان | فارسی قلمائیت میں سے ہم سب سے پہلے نظم کو لیتے ہیں غالبؒ کے ایک مکتوب میں سید ہرالدین کو لکھتے ہیں :-

فارسی کا دیوان میں ہمیں برس کا عرصہ بوجھ تھا بھریں چپا

۱۸۶۳ء سے پچیس برس محال دیتے جائیں تو ۱۸۳۸ء باقی رہتے ہیں اگر غالبؒ کے بتائے ہوئے تخمینہ کو صحیح سمجھا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فارسی کا دیوان پہلی مرتبہ ۱۸۳۸ء کے لگ بھگ چھپا تھا۔

غالبؒ کی بیٹی بھائی میرزا علی بخش خاں - تجر پنجا آہنگ کے ویسا چہ میں لکھتے ہیں کہ ۱۲۸۵ھ میں نواب شمس الدین احمد خاں - الی نیر وزیر حیر کہ پٹنما سے آسمانی سے آفت نازل ہوئی کہ خدا کسی کو نہ دکھائے۔

بعد ازاں ہندوستان میں درازت یورپ والی جہازوں کا شمار ہوا والا نشان و امریکا

مہربان رہا غالبؒ زاد و دنیا فرو و آمد و جہازوں کا شمار ہوا والا نشان و امریکا

آزاد است ترازو فرجام و دیر - اتمام ہونیدہ آفت و ال - ہوں میرے صورت رتہ

وہشت ہمہ اہم مست والا سے آں خیرہ ظہیر غوری زانہ

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۸۵ھ - ۱۲۸۶ھ میں غالبؒ فارسی دیوان

مکمل ہو چکا تھا اس کا نام نہ تھا تاہم کتا لیا پیرایہ تمام پوشیدہ سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ

دیوان چھپ چکا تھا اور یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ چھپنے کے لئے مکمل ہو چکا تھا۔ بہر حال اس

سے ظاہر ہے کہ غالبؒ کا فارسی دیوان برس پہلی مرتبہ ۱۸۳۵ء و ۱۸۳۶ء کے درمیان

شائع ہوا۔

غائب نے فارسی دیوان کے غاتمہ کی شریں سال تحریر ۱۲۵۳ھ لکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوان ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء میں چھپا۔

کتابت نظم کی عبارت | اور پر عرض کیا جا چکا ہے کہ نواب ضیاء الدین احمد خاں نے کلام غائب کے جو مجموعے اہتمام کے ساتھ مرتب کئے تھے وہ سب قدر میں لٹ گئے۔ غدر کے بعد نواب صاحب مرحوم نے پھر بڑی محنت سے یہ نادر ذخیرہ فراہم کیا۔ اور ۱۲۸۶ء میں منشی زولکشور نے مسودہ منگھا کر چھپا کر شائع کیا۔ غائب لکھتے ہیں :-

منشی زولکشور نے شہاب الدین خاں اور نواب ضیاء الدین احمد خاں کو لکھ کر کتابت فارسی
جو ضیاء الدین خاں نے غدر کے بعد بڑی محنت سے جمع کیا۔ منگایا اور چھپانا شروع
کیا۔ وہ بیکاس جو وہیں یعنی کوئی مصر و میرا اس سے غائب نہیں

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ منشی زولکشور کے مطبع نے تکمیل طباعت میں کافی دیر کمر دی
تھی۔ غائب میر ہمدی مجروح کو یہ خط میں لکھتے ہیں :-

ایک سال کے پہلے ہی یہ سنو۔ سب صفحے چھاپے گئے تھے کہ ہر دی اور ہر
بہار کے ہائی میں نفسی سینا ترکیب۔ سب دیکھئے کب چھاپا شروع ہو۔

ابٹ خط میں نواب علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں :-

کچھ نے انھوں نے کمال تمام ہی زیست میں بچ کو نظر نہیں آتا۔

ستمبر ۱۲۸۶ء میں منشی زولکشور دہلی سے اور غائب بھی ملے۔ اس سے قبل وہ
غائب اور وہ اخبار میں غائب کے خدمات نظم فارسی کی طباعت کا اعلان کر چکے تھے۔ اور
اس کی قیمت سو اینٹن سو روپے مقرر کی گئی تھی لیکن بعد میں پانچ روپے کی قیمت کا اعلان
کر دیا غائب نواب علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں :-

شش و ہفت بجہ منشی زولکشور صاحب ہمیں ڈک میں آئے مجھ سے اور بتائے

بچ نواب ضیاء الدین احمد خاں اور شہاب الدین احمد خاں سے ملے۔ خانی

ان کو دہرہ کی صورت اور مشتری کی سیرت عطا کی ہے۔۔۔ تم سے میں نے کچھ نہ کہا تھا اور
کلیات کے دس جلد کی قیمت پچیس روپے ماننے لگے۔ اب ان سے (منشی زکریا سے)
جو ذکر آباہ و ثانیوں نے پہلی قیمت سترہ اجارہ سی قبرل کی معنی سوائیں روپے فی جلد دس سٹ
میں دس جلد کے ساڑھے تیس روپے میں دس اور ساڑھے تیس روپے تم دو ٹکئی پنشن
روپے ملے اور وہ اخبار میں پہنچائے ہیں۔ میں ستمبر ۱۸۶۳ء مال کی دسویں گیارہویں کو طالب
کہ ساڑھے تیس روپے ملی سین کو دسے دوں کہہ لکھنؤ بھیج دوں۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کلیات ۱۸۶۳ء میں جا کر مکمل ہوا۔ غالب سید بدر الدین کو
۱۸۶۳ء کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

اب سنا ہے کہ وہ کلیات اچھپ کر تمام ہر کتابت روپے کی نگر میں ہوں اچھے آجائے تو
پنشن بھیج کر میں بد میں لکھوں۔ جب آجائیں گی ایک آپ کو بھی بھیج دوں گا۔
۴ ستمبر ۱۸۶۳ء کو ایک مکتوب میں نواب علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں:-
ہر سطر پر غور دار علی حسین خاں جلد کلیات نہ اسی پہنچی۔ حیرت ہے کہ چار روپے چار آئے
قیمت کتاب غالب طباع میں آکر پانچ روپے قیمت افہ پانچ آئے حصول قرار ہا دے
خیر جاں سوداں سوا۔ میر حال نہیں اور تمام حال مجھے معلوم ہے۔

ہیں ہم افہ عاشقی باغ سے غنائے دگر

ایکے چٹے میں شاید دے سکوں نومبر سنہ ۱۸۶۳ء میں پچاس روپے تمہارے
پاس پہنچ جائیں گے۔ انشا اللہ العظیم۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ شروع میں کلیات کی قیمت تین روپے اور حصول
ڈاک چار آنے قرار پایا تھا لیکن بعد ازاں چار روپے کی قیمت کا اعلان ہو گیا۔ اور کتاب
پچھی تو اس کی قیمت پانچ روپے اور حصول ڈاک پانچ آنے قرار پایا۔ غالب کے ساتھ وعدہ
یہ تھا کہ انہیں سوائیں ہی روپے میں کتاب ملے گی لیکن بعد ازاں انہیں بھی پانچ روپے

دینے پڑے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ستمبر ۱۸۶۳ء میں خانبے کے پاس کلیات کا پہلا مطبوعہ نسخہ آیا تھا۔ اسی مہینے میں انہوں نے ایک نسخہ مولوی تھالہ دین خاں کی وساطت سے نواب ہلالک مہر سالار جنگ اول وزیر عظم حیدرآباد کے پاس بھیجا وہ منشی حبیب اللہ خاں نوکا کے نام کے ایک مکتوب (مرقومہ ۲۵، دسمبر ۱۸۶۳ء) میں مولوی تھالہ دین خاں کے بزرگوں اور اپنے بزرگوں کے گہرے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

اب آپ (نوکا) سے یہ جانتا ہوں کہ آپ مولوی صاحب میں اور ان کو یہ خط اپنے نام
دکھائیں اور میری طرف سے سلام میرے کلیات کے پارسل کا ان کے پاس پہنچانے کے
ذریعہ عنایت سے اس مجلد کا حضرت فلک رفعت نواب نثار الملک بہادر کی نظر سے گزرا
اور جو کچھ اس گزرنے کے بعد واقع ہو در یافت کر کے مجھے مطلع فرمائیں۔

کلیات کے انطباق کی جتنی تاخیریں لکھی گئیں۔ ان میں سے میر ہدیٰ مجروح کی تاریخ
۱۲۷۵ھ کی ہے بقیہ سب تاریخیں ۱۲۷۵ھ کی ہیں۔ ایک تاریخ میسوری ہے جس سے
۱۸۶۳ء نکلے ہیں۔

ثنوی ابتداء | خانبے شاہ نامہ اور سکندر نامہ کی بحر میں غزوات بنو زہرہ نظم کرنے کا اند
کیا تھا۔ لیکن وہ صرف تمہیدات و مقدمات ہی مکمل کر سکتے اگر گہرا نہی تمہیدات و مقدمات
کا نام ہے۔ مجھے کلیات کا پہلا ایڈیشن نہیں مل سکا۔ اس سے نہیں کہہ سکتا کہ کلیات
کی طباعت کے وقت ثنوی مکمل ہو چکی تھی یا نہیں اور کلیات کے پہلے ایڈیشن میں ہے
شال کیا گیا یا نہیں کیا گیا میرا خیال ہے کہ اگر یہ ثنوی کلیات میں شال ہوتی تو اسے علیحدہ چھاپنے
کی ضرورت نہ ہوتی ثنوی کا جو علیحدہ نسخہ میرے پاس ہے۔ اور ۱۲۷۵ھ (۱۸۶۳ء) کا چھپا
ہوا ہے یہ بھی مکمل المطابع میں چھپا تھا۔ اس میں ثنوی کے علاوہ خانبے دو قصیدے۔
تین قطعے اور دس رباعیات بھی ہیں۔ اس نسخہ کے متعلق خانبے کی متداول تحریرات میں
مجھے ابک حرف بھی نہیں مل سکا۔

تسبد میں یہ نالیب کے ان فارسی اشعار کا مجموعہ ہے جو کلیات اور ثنوی ابرگہ بار کی طبعت کے بعد کئے گئے یا نواب ضیاء الدین احمد خاں کے فراہم کئے ہوئے اس مجموعہ میں شامل نہیں ہو سکے تھے جو فنی نو لکھنؤ کے مطبع میں انجمن طباعت بھیجا گیا تھا۔ نالیب خود اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:-

تسبد میں سو ساگویند کہ پایان رسم بر شاخسارے ماندہ چون آں بار خیند شاخسار
بے بار ماندہ بر آئندہ آئندہ پس از انطبوع کلیات فارسی گھنٹہ شدہ و آنچہ یاران از دریں مسودات
و اشعار و من اناں خبر نو ہشتم و انبک بر من برسانند و در اوق صدقہ نہ ضبط کردہ شد
و آں را تسبد میں نام نہادہ ام۔

آخر میں لکھتے ہیں:-

اکنوں ز نامور کن را ترا دوش ز اندک ز کف زوڑا شد ام پس اگر تھے و راندش
خدا ہرگز شد روشناس مٹو غواہ گشت۔

باقری خاں کمال کے نام کے ایک خامر قومہ، رد مسبر ۱۸۶۶ء سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا جد الور کی خدمت میں "تسبد میں" کا ایک نسخہ نو مسبر ۱۸۶۶ء میں بھیجا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تسبد میں ۱۸۶۶ء میں چھپی تھی جس میں نے تسبد میں "تسبد میں" کا جو نسخہ اپنے محترم دوست جناب شیر علی صاحب سرخوش (الہ پور) کی عنایت سے دیکھا تھا۔ اس کا سرورن قاتب تھا۔ اس لئے مطبع وغیرہ کے متعلق میں کچھ معلوم نہ کر سکا۔

پنج آہنگ | پنج آہنگ "نالیب کے کلیات شرکیہ" کی پہلی کتاب ہے جس کے پانچ حصے ہیں۔ اس لئے اس کا نام "پنج آہنگ" رکھا گیا۔ حصہ اول میں آداب و انقباض وغیرہ ہیں حصہ دوم میں فارسی لغات کی مصطلحات و مصداق ہیں حصہ سوم میں دیوان نالیب کے منتخب اشعار ہیں جو خط لکھتے وقت مختلف مطالب کے انداز سے لئے مطلوب ہو سکتے ہیں۔ حصہ چہارم میں نالیب کی لکھی ہوئی تفسیلات اور مختلف نثریں ہیں۔ حصہ پنجم میں فارسی مکاتیب ہیں۔

پنج آہنگ کے دیباچہ کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۲۴۱ھ (۱۸۲۵ء) میں جب انگریزی لشکر بھرت پور پر حملہ آور تھا تو نواب احمد بخش خاں مرحوم کے دستے کے ساتھ غالب اور نواب علی بخش خاں رنجور بھی تھے۔ میرزا علی بخش خاں نے غالب اور خواجہ بہت کی کہ آداب و انقباط ستارہ رومیہ پر دسے سم ریختہ و الفاظ شکر و شکرہ و شادی و غم باہم آمیختہ ہائے نامہ نگاروں دستور اعلیٰ راجہ سے ساختہ آید۔

غالب اپنے انداز تحریر کے متعلق فرماتے ہیں :-

چوں کتاب و مدق بہ کف گیرم مکتوب الیہ۔ ابھٹے کہ فراخ در حالت اوست در سر آفاق و منہ آواز ہم و نہ ز سر سناہ عاگردم انقباط و آداب و غیرت گوئی و عافیت جوئی مشور الیہ است و نہ تنگن مشور طوفان مستند۔۔۔۔۔ لیکن خاطر نازک پڑدہ بندہ (میرزا علی بخش خاں) فریب و فرمایش اندازہ گوش بہ مل دیانت۔

گویا اس کتاب کا پہلا اور دوسرا حصہ میرزا علی بخش خاں کی فرمایش پر مرتب ہوئے قبیلہ اور چوتھا حصہ خود میرزا علی بخش خاں نے مرتب کئے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے تشریف جمع کر لی تھیں۔ اور سب کو مدون کرنا چاہتا تھا۔ لیکن فرصت نہ مل سکی بلکہ معنی الدین حسن خان بھی ان کی ترتیب پر حصے نہ کر سکے نیز بھگے خیال آیا کہ اگر یہ تمام چیزیں یکجا ہو جائیں گی تو میرزا بیٹا غلام محمد الدین ان سے فائدہ اٹھا سکے گا۔

غذ سے پیشتر پنج آہنگ دو مرتبہ چھپ چکی تھی ایک مرتبہ بادشاہی چھاپہ خانہ میں دوسری مرتبہ نقشی نور الدین کے چھاپہ خانہ میں۔ غالب نقشی شیونرائن کو لکھتے ہیں :- پنج آہنگ تمہے رول سے لی اچھا کیا حد چھاپے ہیں۔ ایک بارش ہی چھاپہ خانہ کا ایک نقشی نور الدین کے چھاپہ خانہ کا بیلا ناقص ہے۔ دوسرا میرزا سر غلام ہے۔

صاحب عالم ماربردی کو لکھتے ہیں :-

۱۵ پنج آہنگ منو ۲۰۰

چھاپے کی پنج انگلیں اب بھی کبھی ہیں اور عیوب و دو عیوب ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو بعد از
 مطلق ازتہ تہذیب و تہذیب ہے وہ اس میں نہیں دوسرے کا پی نہیں سنے وہ اصلاح میری نظر
 کو دی ہے کہ میرا جی جانتا ہے، اگر ہوں کوئی سطر غلطی سے خالی نہیں تو، خواجہ صاحب نے
 یہ ہے کہ کوئی غلطی سے خالی نہیں۔

موجودہ پنج انگلی کے خاتمہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فنی نو نگاروں کی آ
 تھے تو وہ مجموعہ شریف میں طباعت اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

تہذیب و تہذیب [بہادر شاہ ثانی کی تیموری خاندان کی تاریخ مرتب کرانے کا ارادہ کیا تھا حکیم شاہ
 خاں واقعات جمع کرتے تھے اور غالب اس خدمت پر مامور ہوئے تھے کہ حکیم صاحب
 کے فراہم کردہ واقعات کو اپنی بہادر شاہ ثانی عبارت کا لباس پہنا دیں۔ قلعہ کے ساتھ
 غالب کے تعلقات ملازمت کا آغاز اسی سے ہوا تھا۔ پوری کتاب کا نام پر توستان
 رکھا گیا تھا۔ اور اس کو مدحوں میں تقسیم کیا گیا تھا حصہ اول میں ابتدا سے لے کر بہاؤں
 بادشاہ کے انتقال تک کے حالات لکھے تھے حصہ دوم میں اکبر کی تخت نشینی سے لے کر
 بہادر شاہ ثانی تک کے حالات لکھنے کی تجویز تھی لیکن دوسرے حصے کی تسوید بھی شروع نہیں
 ہوئی تھی کہ خاندان مغلیہ کی بساط عیوبی گئی۔ نواب ضیا الدین احمد خاں نے تہذیب و تہذیب کی جو
 تاریخ لکھی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۲۰۱ھ مطابق ۱۸۵۳ء سے ۱۸۵۵ء
 میں شائع ہوئی تھی۔

چونکہ تہذیب و تہذیب میں ماہ نیم ماہ کا بھی ذکر تھا اس سے شائقین ماہ نیم ماہ طلب کرتے
 رہتے تھے۔ غالب لکھتے ہیں :-

اکثر صاحب اطراف و جوارب ماہ نیم ماہ کے بھیجنے کا حکم بھیجتے ہیں اور میں بھی ہوا
 ہوں کہ جب تہذیب و تہذیب کی عبارت نہیں سمجھتا تو ماہ نیم ماہ کو لے کر کیا کریں گے جتنا
 تہذیب و تہذیب میں نے لکھ دیا ہے اس کتاب کا نام پر توستان ہے اور اس کے

دو جلد ہیں۔ پہلی جلد میں بتدار خلقت عالم سے ہایوں کی سلطنت تک کا ذکر۔ دوسرے
میں اکبر سے بہادر شاہ تک کی سلطنت کا بیان۔ پہلے حصے کا نام مہر خیر و دوسرے حصے کا نام
ماہ نیم ماہ۔ یہ حصہ چھاپا گیا جا چکا تھا۔ قصہ تھا محل الدین اکبر کے حالات لکھنے کو امیر
ترنگ بھٹنا نام و نشان مٹ گیا

وہ "وہ" کے متعلق غائب کے سبب زیادہ ذکر ہے۔ بالخصوص تفتہ، قمر شیو زان
مالک مطیع مفید غلات اگرہ اور فشی بنی بخش حقیر کے نام کے خطوں میں۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے
یہ کتاب مذکر کے دنوں میں مذکر کے حالات کے متعلق لکھی گئی تھی اور اس میں التزام کیا تھا کہ
عربی کا کوئی لفظ نہ آئے۔ اسے مذکر کی مستقل تاریخ نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ اس میں صرف وہ لفظ
دفع میں جو غالب کو اور ان سے علاقہ رکھنے والوں کو پیش آئے یا غائب نے وہ خود لکھتے ہیں
"اسی ۱۸۵۵ء کو میراں خداد بر میں نے اسی دن سے گھر کا دروازہ بند کیا اور، جانا سوڑ
کر دیا۔ شغل ملک بہر نہیں ہوتی۔ بنی سرگزشت لکھنی شروع کی جو سنایا وہ بھی ضمیر سرگزشت کہنا
مذکر کے بعد وہی میں کوئی مطیع باقی نہیں۔ لہذا اس سے غائب نے وہ سنو کو اگرہ میں
چھپوائے کا ارادہ کیا۔ وہ مٹی ہر گرو پال کو لکھتے ہیں:-

میں نے آغاز یازدہم مئی ۱۸۵۵ء سے ۳ جولائی ۱۸۵۵ء تک رواد و شراد و اپنی
سرگزشت یعنی بندہ مینے کا حال ترمیم ملکا ہے اور التزام اس کا کیا ہے کہ دستاویز
کی عبارت یعنی باسی قدیم مٹس ہے۔ اور کوئی لفظ عربی نہ آئے جو نظم اس میں درج ہے
وہ بھی بے آمیزش لکھا دلی سے اس شخص کے نام نہیں ہوئے۔ وہ عربی، انگریزی
ہندی جو میں لکھ رہے ہیں۔ سدا بہار نام ہر گرو پال ہے۔ فشی عدا عربی سے نہیں لکھا گیا
اس کی جگہ بدو زبان لکھ دیا ہے۔ ہی ہر گرو پال اس رقم کا ہے یعنی نہ حیدر انہ گنجان
اور ان بے سطر پر اس طرح کسی صفحہ میں میں سطر کسی میں بائیں سطر کسی میں انیس سطر
آئے۔ چاہیں معنی میں میں رون ہیں۔ اگر کسی سطر کے سطر سے کوئی گنجان لکھے تو

شاید دو جزو میں آجائے۔ یہاں کوئی طبع نہیں ہے۔ ستا ہوں ایک ہے۔ اس میں
 کا پنی نگار خوشنویس نہیں اگر اگرہ میں اس کا چھاپا ہو سکے تو مجھ کو اطلاع دو اس تہیہ سستی
 اور بے نوائی میں عیس کا میں بھی خریدار ہو سکتا ہوں لیکن صاحب مطبع اتنے پرکیوں
 مانے لگا۔ وراثتہ چاہے کہ اگر ہزار نہ ہوں تو پانسو جلد نو چھاپی جائے۔ یقین ہے کہ
 پانسو سات سو چھاپنے کی صورت میں سو اتمین آنے جارہے قیمت پڑے۔ کاپی تو
 ایک ہی ہوگی رڈ کا نذرہ بھی بہت نہ لگے گا لکھائی متن کی نواب کو معلوم ہوگئی تھی
 وراثتہ نہ لگے۔ منشی لکھے جائیں گے۔ بہر حال اگر ممکن ہو تو اس کا تمکدہ کرو اور حساب معلوم
 کچھ کے مجھ کو لکھو۔

نواب ابوالدولہ کو بھی ایک خط میں قریباً اسی مضمون کی اطلاع دی ہے اور کہتے
 ہیں کہ پندرہ سطر کے سطر سے چار جزو کی کتاب بنے گی۔ اور مطبع غیند خان اگر وہین چھپنے کو گئی ہو
 کتاب کا حجم غالب غائب خط میں تفتہ کو لکھا تھا کہ اگر کوئی گنجان لکھے گا تو کتاب دو جزو
 میں آجائے گی۔ لیکن آرزو یہ تھی کہ حجم زیادہ ہو وہ تفتہ کو رقم فرماتے ہیں:-
 میں نے پیر نہیں لکھا کہ یہ عبارت دو جزو میں آجائے میں نے یہ لکھا تھا کہ عبارت
 اس قدر ہے کہ دو جزو میں آجائے لیکن میں یہ بجا ہوتا ہوں کہ حجم زیادہ ہو۔

طباعت میں انتہام غالب چاہتے تھے کہ کتاب اچھی چھپے۔ اور اس باب میں تفتہ کے
 علاوہ منشی نبی بخش صاحب حقیر و میرزا حاتم علی بگ تہہ کو بھی طباعت کے انتہام میں
 شریک کر دیا تھا ان کے اپنے الفاظ میں گویا کونستل سادی حق منشی نبی بخش صاحب
 کے ذمہ کاپی دیکھنے کا کام لگا یا گیا تھا۔ حکام نے لئے چند عمدہ مجاہد نسخے مطلوب تھے
 اس لئے جلدوں کے باب میں بھی تفصیلی ہدایات بھیج دی تھیں اور یہ کام منشی حقیر کے
 صاحبزادے منشی عبداللطیف صاحب کے سپرد کیا تھا۔ انتہام کا یہ عالم تھا کہ اگر تفتہ کو ایک

بات لکھتے تھے تو وہی بات تہرا اور حقیر اور فشی شیو زان مالک مطہر کو بھی لکھتے تھے ایک خط میں تفتہ کو ارشاد فرماتے ہیں :-

صاحب کبھی نہ کبھی میرا کام تم سے آپڑا ہے اور پھر کام کیا جس میں میری جان بھی ہوئی ہے۔ اور میں نے اس کو اپنے بہت سے مطالب کے حصول کا ذریعہ سمجھا ہے۔ خدا کے واسطے پہنوسی نہ کرو۔ اور بال توجہ فرماؤ کاپی کی تصحیح کا ذریعہ بھائی (فشی حقیر) جو گیسے چہ مجلد کی آراستگی کا ذمہ بر خودار عبد اللہ طیف کا کرو۔ میری طرف سے یہ کہو اور کہہ کر میں تمہارا بوڑھا اور فشی چچا ہوں تصحیح بھائی اور زمین تم کرو۔ کتا ہوں کہ نہیں جانتا تنزہ میں کیوں کر کی جائے متنا ہوں کہ جیسا ہے کی کتاب کے حرفوں پر سیاہی کی قلم بھیر دیتے ہیں تاکہ حرف روشن ہو جائیں۔ سیاہ قلم سے جو دل بھی کھج جاتی ہے پھر جلد بھی پر غلط بن سکتی ہے۔ جیسے کی دستکاری اور منامی اور ہشیاری میرے کس دن کام آئے گی۔

صوفی اور نقاشی | تفتہ نے غالباً لکھا تھا کہ صوفی اور نقاشی اپنے سامنے دہلی میں کرالینجے اس کے جواب میں غالب نے لکھا :-

مہر زان تفتہ تم بٹے ہے دروہو۔ دلی کی تباہی برقمہ کو رحم نہیں آتا۔ بلکہ ہم اس کو تباہیانت ہو۔ یہاں یہ سب ذریعہ ہیں یہاں اب و نقاش کہاں۔ شراب و ہوتا تو میں آپ کو تحفین کیوں دیتا ہوں سب دہلی میری آنکھوں کے سامنے ہو جاتی۔ جلدوں کے متعلق پھر فرماتے ہیں :-

یہ عبارت فشی عبد اللہ طیف کو بڑا دو جس دن کے باب کرالینا خفی بھائی جانتا ہوں اگر وہ مجھے اپنا خفی چچا میں درمیرا کام کریں تو کیا عجیب ہے۔ دو روپے فی جلد اس سے زیادہ کا ہوا ورنہ میں جب بے کو لکھو گے ہندوئی صحیح دوں گا چھ روپے آٹھ روپے اس روپے دوبارہ دے۔ میں کو سمجھا دیا کہ کسی کی طرف نگریں چیز بھی ہو۔

نسیب کا نسیب | غالب نے جو مسودہ بھیجا تھا۔ اس کی حمد یہ عبارت میں یہ فقرہ تھا:

آسے خداوند چنانکہ نیست راستی وہ ہستی پذیرفتہ رانیت ساز نیز تواند بود
آنکہ ہمدرد یک دم یہ نوبہ بشو اکن (چہ یاد آورد اگر وہ دیگر نسیب بہا متی (نسیب ہوتا)
بہم نہ اہرہ کلاست کہ انچون و چوادم زندہ۔

نسیب "عربی لفظ تھا۔ غالب مسودہ بھیجنے کے بعد اس پر مطلع ہوئے تو ان کے
دل میں اس غلطی پر بڑا اضطراب ہوا۔ انہوں نے فوراً نسیب کی جگہ نوا "نکاح لفظ بنایا اور
لکھا کہ کاپی میں اسی طرح درست کر دی جائے۔ لفظ کو لکھتے ہیں :-

ہیں نشی تہو ران کو آن صبح لکھ چکا ہوں نسیب۔ منے کے آخر با جوتے سفے کے دل
یہ جو ہے۔ اگر وہ دم نیک نسیب مباحث زندہ نسیب کی جگہ فراموش بنا دیا جائے نسیب
لفظ، لی۔ ب۔ اگر وہ بات کا نزدیک مجھ پائے اس میں سے تیر پا فولی ترک سے
نسیب کا لفظ چھید جائے اور سہی جگہ فراموش لکھ دیا جائے۔

لفظ نے غالباً لکھا تھا یا غالب نے لفظ کی تخریب سے سمجھا تھا کہ نسیب "وہی دوری
چھپ چکے ہیں۔ فرماتے ہیں :-

نسیب دے دو دے چا سوہوں بان سوہوں سب بہ لوانہ نامہ کا نوا بہ نقصا
ہو مجھ سے۔ لکھ لکھ۔ اس لفظ نے رہ جائے سے ماری کتاب کمی سو باے گی۔ اور
میرے لہاں خود حجبہ تک بہت کا یہ لفظ مرنے سے۔ بہرچہ مسودہ میں بنا دیا تھا لیکن
کاتب کی نظر سے رہ گیا۔

پھر فرماتے ہیں :-

نسیب کے نسیب مر جاتا ہوں اس کی درستی کی خبر بھیج

مزید ہدایات | مزید ہدایات دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

واللہ ہے مبالغہ مستاہل رہ بجائی مٹی ہی بخش صاحب پر دل سنجہ ہوں تا اگر حیا

اہل نسخہ میں سہر کا تب سے غلطی واقع ہوئی ہو تو اس کو بھی صحیح کر دیں گے۔۔۔۔۔ خدا
 کرے انجام تک یہی قلم یہی خطا عیسیٰ طرز تصحیح میں جائے۔ جدول مجموعہ ہے پہلے صفحے
 کی صورت اور دوسرے صفحے کی لوح بھی خطا چاہے تو دل پسند اور نظر فریب ہوگی کاغذ
 کے باب میں یہ غرض ہے کہ فریخ کا مذا چھ ہے یہ جلدیں جو نذر نکاسم ہیں وہ اس کاغذ پر
 ہوں اور باقی چاہو شیورام پوری اور چاہو نیلے کاغذ پر چاہو۔ اور یہ بات کہ دو جلدیں
 جو ولایت جاسنے والی ہیں وہ اس کاغذ پر چھاپی جائیں اور باقی شیورام پوری یا
 نیلے کاغذ پر چھٹکھن ہے وہاں کے خاکوں سے نکاسے کہ ان کی نذر کی کتابیں تھیں
 کاغذ پر ہوں مگر جو ایسا ہی حرف اور فریخ زائد پڑتا ہو تو غیر دو جلدیں اس کاغذ پر اور
 چار جلدیں شیورام پوری پر ہوں باقی جلدوں میں تمہیں اختیار ہے۔ ان صاحب اگر ہر
 نذر کا اپنی کی سیاہی ذرا اور سیاہ اور خوشنودہ ہو اور آخرا تک رنگ نہ بدے۔

جلدوں کی آرائش | مقدمہ ہوتا ہے کہ مرزا قمر نے جلدوں کی آرائش کا نقشہ غائب کے پاس بھیجا
 تھا۔ اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

سبحان اہل جلدوں کی آرائش کے باب میں کیا اچھی فکر کی ہے۔ میرے دل میں بھی
 ایسی ہی ایسی باتیں نہیں یقین ہے کہ مثل شاہرہ ہو جائے گی اگر لکھ رہا ہو جائے تو
 حرف خوب چمک جائیں گے اس کا حال ان چار جلدوں میں ہے وہی بارہ رو ہے
 لیکن اسی پہنچنے ہی رو بہ وصول کر کے مجھے اطلاع دیجئے گا ورنہ میں مشورہ رہوں گا۔

لکھنؤ کشم کا قصیدہ | غائب نے اس دوران میں لکھنؤ کشم کی لوح میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا پہلے
 ان کا خیال تھا کہ قصیدہ علیحدہ لکھ کر خدمت میں بھیجا جائے اور کتاب علیحدہ جائے۔ پھر خیال
 ہوا کہ قصیدہ بھی کتاب کے ساتھ چھپنا چاہئے نیز اقرار لکھتے ہیں :-

میں نے محنت لکھنؤ محنت کی لوح میں ایک قصیدہ ان دنوں میں لکھا ہے مثل
 برائیت فتح و عسکری شہنشاہی کاغذ بیت ہے بنظر یہ تھا کہ کتاب کے ساتھ قصیدہ

ایک اور کاغذ تیب پر لکھ کر بھجوں پھر خیال آیا کہ اس سطر کے سطر پر کتاب لکھی
گئی ہے یعنی چھاپا ہوئی ہے یہ چھ صفحے معنی تین ورق اور چھپ کر اس کتاب کے آغاز
میں سال جلد ہو جائیں تو بات اچھی ست آپ اور فشی بنی بخش اور میرزا قاضی فشی شہزاد
سے کہہ کر اس کا طور درست کریں پھر مجھ کو اطلاع دیں تو میں مددہ آپ کے پاس بھیج دوں
میرزا قاضی نے غالباً لکھا تھا کہ تم اسے نثر کا ویسا چہ بنا دیا جائے؟ اس کے جواب
میں فرماتے ہیں :-

قصیدہ کا نثر سے پہلے لکھنا اذراہ اگر اسے وہ نثر میں اور صنف اور
نظم میں اور انداز ہے یہ اس کا ویسا چہ کیوں ہو؟ بلکہ صدف ان دونوں کے اجتماع
کی یوں ہو کہ سرشتہ آریض فرمادیا جائے اور قصیدہ اور دستنبو کے بیچ میں ایک
ورق سادہ چھوڑ دیا جائے۔

مندرجہ ذیل فشی شہزاد مالک مطبع نے اسی زمانے میں غالب کو خط لکھا تھا جس کے
مضافہ پر نام کی جگہ میرزا نوشہ صاحب نائب مرقوم تھا۔ غالب اس پر بہت پریشان ہوئے
اور ڈرے کہ میں کتاب کے سرورق پر ہی نہ چھاپ دیں۔ تفتہ کو لکھتے ہیں :-

ایک ایسا ہفت پائہ نمبر درج چھاپے کی کوئی کتاب اس سہر میں اگر ہو میں انہیں بھیج
جو وہ فشی شہزاد، میرزا، دیکھتے، صرف بنی ففتہ، ففتہ و جد اس داویا ملی نہیں
ہے۔ بعد سبب سے کوئی سے حکام کو تو صرف علوم سے کمر باندھتے ولایت تک و ذرا
کے چلنے میں اور ملک مالک کے حضور میں کوئی اس نا لائق عرف کو میں جانتا، اگر صاحب مطبع
نے میرزا نوشہ صاحب غالب لکھ دیا تو میں نہ بتا، لکھ دیا۔ میرزا محنت، انکس
معنی کتاب اولی ہو گئی۔

کتاب کا شمار غالب کو کتاب کے شمار کا بھی خاص خیال تھا لکھتے ہیں :-

ہمارے فشی شہزاد صاحب اسے مطبع سے لے کر میں اس کتاب کا شمار کیوں

نہیں چھاپتے تاکہ درخواستیں خریداری کی فراہم ہو جائیں؟

کتاب کے مصارف | اندور کے ایک راستے امید سنگھ تھے جنہوں نے دستنبو کی پچاس جلدیں خریدنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور ذرا پاتھا کہ صرف پچیس جلدیں انہیں دی جائیں بقیہ جلدیں غالب اپنی خوشی کے مطابق اپنے دوستوں میں تقسیم فرمائیں یہی خریداری حقیقت میں دستنبو کی عبت کا ذریعہ بنی تھی۔ غالب کے ہکا بربکا میں دستنبو کے سلسلے میں راستے امید سنگھ کا نام بار بار آیا ہے مثلاً میر مہدی کو لکھتے ہیں :-

میاں کیا باتیں کرتے ہو میں کہ جس کہاں سے چھپو دتا۔ رقی کھانے کو نہیں بٹلر
پینے کو نہیں..... خوشی امید سنگھ اندور واسے ہلی آئے تھے۔ ساتھ سرفت مجھ سے نہ تھی
ایک دوست ان کو میرے گھر لے آیا۔ انہوں نے وہ نسخہ دیکھا۔ چھپو نہ نہ کا قصد کیا ہاں
میں میرا شاگرد رشید منشی ہر گوبال تھتہ تھا اس کو میں نے لکھا۔ اس نے اس اہتمام کو اپنے
ذمہ لیا مسودہ بھیجا کیا آٹھ آئے قیمت ٹھہری پچاس جلدیں منشی امید سنگھ نے دیں
پچیس روپے چھپے غامے میں بہ طریق ہندوی چھپو دیئے۔ صاحب مطبع نے پٹرول سہی
منشی ہر گوبال تھتہ چھاپنا شروع کیا۔ اگرہ کے حکام کو دکھایا۔ اجازت چاہنے ہے۔ حکام
نے بہ کمال خوشی اجازت دے دی۔ پانسو جلد چھاپی باقی ہے۔ اس پچاس جلد میں سے
پچیس جلد منشی امید سنگھ بھگوان میں سے غریبوں میں بانٹ دوں گا۔

ممانعت طبع کا اعلان | غالب کرتا ہے کہ حقوق محفوظ کرنے کا بھی بڑا خیال تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں
خاتمہ کتاب پر ممانعت طبع کا اعلان لکھ دیا جانے۔ پھر تھتہ اور شیوڑان کی فرائش پر انہوں نے
خود یہ عبارت تجویز کر بھیجی۔

اسے بکا۔ غالب غامہ یہ بیان ہے کہ یہ میری سرگزشت کی داستان ہے اس کو
میں نے مطبع حیدر خان میں چھپوایا ہے۔ درمیری رک میں اس کا قاعدہ یہ قرار پایا کہ اور
مطبع جب تک مجھ سے طلب نصرت نہ کریں، اپنے مطبع میں چھاپنے کی اجازت نہ کریں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسے اُمید شگے نے شروع میں غالب کو پچیس جلدیں دینے کا وعدہ کیا تھا۔ بعد میں کہہ کر غالب چالیس جلدیں لے لیں چنانچہ غالب تفتہ کو لکھتے ہیں :-
 کل جلد کے دن ۱۲، نو ستمبر ۱۸۵۵ء کو ۳۳ جلدیں بھیجی ہوئی برغور دارشیرزائن کی پہنچیں
 سات کتابیں جو میرزا عاتق علی بیگ صاحب کی تحویل میں ہیں۔ وہ بھی تعین نہ کر آج کل
 پہنچ جائیں۔

منقش و مجلد نسخے | میرزا قاسم نے صحافی اور نقاشی کے لئے جو کتابیں رکھ لی تھیں وہ پہنچیں تو غالب
 بہت خوش ہوئے۔ فرماتے ہیں :-

صحافی جان کل جو جلد روز مبارک وسیعہ تھا۔ گویا میرے حق میں اور عید تھا۔ وقت شام ۵

سات جلدوں کا پارسل پہنچا

واہ کیا خوب تحریک پہنچا

..... میری آرزو ایسی رہتی کہ وہ برتر از وہم و خیال ہے۔ یہ تھا تو میرے تصور میں بھی

نہیں گزرتا تھا۔ میں تو صرف اس قدر خیال کرتا تھا کہ جلدیں بندھی ہوئی دو کی دو میں ہیں

اور پانچ رحیں۔ یا تسلیم کی ہوں گی وائے اگر تصور میں بھی گزرتا ہو کہ میں میں نرم کی ہو گی۔

دستبردار کی | بہر حال غالب نے دستبردار کی جلدیں حکام میں اور دوستوں میں تقسیم کیں ایک

مکتوبے جو اپریل ۱۸۵۵ء کا مرقوم ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک دستبردار کا پورا ایڈیشن

ختم ہو چکا تھا۔ غالب نے فشی شیرزائن سے یہ بھی پوچھا کہ دستبردار زیادہ تر کن لوگوں نے خریدی

اور خود ہی اسے نکال کر کی تھی کہ یا تو انگریزوں نے خریدی ہو گی یا پنجاب کے رہنے والوں نے

فشی شیرزائن نے جب اطلاع دی کہ لاہور کے ضلع میں زیادہ کی۔ تو غالب نے لکھا۔

میرا بھی یہی گمان تھا کہ لاہور کے ضلع میں کسی ہوں گی۔

پنج آہنگ، فہرست و ذرا اور دستبردار کیوں کا مجموعہ اس وقت کلیات نشر فارسی ہے۔

جس کا تیسرا ایڈیشن نو لکھنؤ کے مطبع نے ۱۸۸۴ء میں شائع کیا تھا غالب اس کے بعد کوئی

ایڈیشن نہیں چھپا۔

قانع برہان" اور عرض کیا جا چکا ہے کہ غدر کے دنوں میں غالب خانہ نشین ہو گئے تھے اس
ہنگامہ کے فرو ہونے کے بعد شہر والوں بالخصوص مسلمانوں پر مدت تک جو پابندیاں اور آفتیں
سلطوریں ان کا نقشہ بھی غدر کے باب میں پیش کیا جا چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے میں
غالب دوستوں سے عموماً منقطع تھے۔ اور زیادہ وقت تنہائی میں گزارتے تھے۔ وہ کچھ مدت
تک "دستنبی" کی ترتیب میں مصروف رہے۔ اس سے فراغت پائی تو مطالبہ کے سوا وقت گزار
کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ان کے پاس صرف "برہان قانع" تھی جو فارسی لغات کی ایک
مشہور کتاب ہے۔ اس کے مولف محمد حسین ہیں۔ جو تیرہویں مشہور ہیں۔ اس لئے کہ ان کے آباد
اجہاد تیرہویں ہندوستان آئے تھے لیکن وہ خود ہندوستان میں پیدا ہوئے اور دکن میں
ان کی ساری عمر گزری۔ اسی وجہ سے غالب ان کو جا بجا کہتی "لکھتے ہیں"۔

ہر نگاہ غم نہانی دور دور سے برہان قانع ترا نگار سے بدل آں سفیدہ کفن راسے ممد
داشت مردم سازد سے برد و سن زمین آموزد نگار دی دہنم بر سر دامن خود دل سوخت
جادو خایاں ساختہ ہے را بہر پویند۔

غالب نے اپنی کتاب کا نام قانع برہان رکھا اور یہ ۱۲۷۱ھ (مطابق ۱۸۵۶ء) میں
مکمل ہوئی۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ

یافت جوں گوشال زیر تحریر آہنگ برہان قانع تمام است
شد مسئے بہ قانع برہان" درس الفاظ سال تمام است

اردو کے ایک ادیب غدر کا ذکر کرتے ہوئے صاحب عالم مارہروی کو لکھتے ہیں
اس دماغی کے دنوں میں چھاپے کی برہان قانع سب سے پاس تھی۔ اس کو میں دیکھا
کہ اتنا ہزار لغت غلا۔ ہزار بیان لغت عبارت پر ج۔ اشارت پاور ہوا میں نے سو
سو لغت کے افلاک کچھ کر یک مجموعہ بنایا ہے۔ اور قانع برہان اس کا نام رکھا ہے چھپو

کا مقدمہ تھا مسودہ کا نمبر صاف کروا لیا ہے اگر کو تو بہ سبیل مستعار بھیج دوں مگر اور
 جو دہری صاحب جو اس کی شناسا در نصف ہوں اس کو دیکھیں اور پھر میری کتاب میرے
 پاس پہنچ جائے۔

تالیف کی طباعت [تالیف بران] ۱۲۷۴ھ میں مکمل ہوئی۔ لیکن ۱۲۷۵ھ میں چھپی ایک خط سے معلوم
 ہوتا ہے کہ نواب یوسف علی خاں بہادر والی رام پور نے "تالیف" کی طباعت کے لئے دو سو
 روپے مرحمت فرمائے تھے۔ لیکن "تالیف بران" کے خاتمہ پر غور غالب نے بہ طور تقریباً جو عبارت
 لکھی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب فنی نو کشور کی توجہ اور ہر باقی سے چھپی تھی :-
 اگر اس جو نذر و بیلہ دل بہتین شیرازہ اوراق پریشان نہ پرداختے۔ وہ نہ مسودہ نہ تالیف
 بران نہ نایا کا نذر ہوسے و نہ بآفتہ فرو کوشتے یا سرمہ فروش خریدے تا بیکسہ اسد خستہ۔
 یہ ہر حال "تالیف بران" ۱۲۷۵ھ (مطابق ۱۸۶۲ء) میں نو کشور کے مطبع میں چھپی اور
 ایک روپیہ قیمت قرار پائی غالب بخود کو لکھتے ہیں :-
 "تالیف بران" لکھا چھپا چھتم ہوا۔ ایک جلد بہ طریق نذر آگئی جس نے بچاس جلدوں کی درجہ
 پہلے سے دے رکھی ہے۔ اب بچاس روپے بھجوں تو "بچاس جلدیں منگادوں۔ دیکھتے
 تو من تمل کب میرے اعداد و احکام کا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب یوسف علی خاں جو دو سو روپے بہ سبیل طباعت
 "تالیف بران" بھیجے تھے وہ دوسری ضروریات میں صرف کیے تھے کتاب فنی نو کشور نے
 چھاپ دی اور غالب کو پچاس جلدیں خریدنے کے لئے روپیہ کے منعلق نشوونما ہوئی۔
 ناطع کی مخالفت کا مضمون | ہندوستان کے عام فارسی دانوں کے منعلق غالب کی رائے
 نے ان کے خلاف فکرت میں جو ہنگامہ برپا کیا تھا۔ وہ ناطع بران کی اشاعت پر زیادہ
 شدت، زیادہ تندی اور زیادہ وسعت کے ساتھ دوبارہ اہل پڑا اور غالب کو تا دم نہایت
 لے کر دئے میں صفحہ ۱۱۳۔

اس سے نجات نہ لی۔ خواجہ عالی نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ تقلید نہ محض مذہب میں بلکہ ہر فن ہر کام اور ہر چیز میں اس درجہ ضروری ہوتی ہے کہ تحقیق کا خیال نہ خود کسی کے دل میں ظور کرتا ہے اور نہ کسی دوسرے کو اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ وہ سلف کے خلاف کوئی بات پر لائے۔ چنانچہ قاطع برہان کے شاہ رنج ہوئے ہی جاہد خیال مقلدوں کے لشکر عابجا غالب کے خلاف جوش میں آئے کسی کے سامنے یہ بات نہ تھی کہ غالب نے کیا لکھا ہے اور تحقیق کرنا چاہئے کہ اس کی حقیقی حیثیت کیا ہے۔ سب کے جوش مخالفت کا محرک محض یہ امر تھا کہ غالب کو، جب یہ ان قاطع کے خلاف زبان کشا ہوئے کی جرأت کیوں کر ہوئی؟ اس سلسلے میں مزید غالب کو چھوٹے چھوٹے پر وہ تمام مصیبتیں اور اذیتیں برداشت کرنی پڑیں جو تقلید و جمود کے عام راستے سے الگ ہو کر ہر چلنے والے کو ہر دور ہر عہد اور ہر زمانے میں ہمیشہ پیش آتی رہی ہیں۔

تاریخی "ادبیت" یا "غالب" ایک نیا لکھا ہوا جس شخص میں پہنچ باتیں ہوں گی۔ وہ قاطع برہان "وصاف کی ضرورت" کی "ادبیت" اور نہ عام آدمی محض "برہان قاطع" کے نام پر باتیں کرنا کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں گے۔ وہ نیا باتیں بہ میں :-

(۱) وہ عالم ہو۔

(۲) فن لغت کو جانتا ہو۔

(۳) نثری زبان کا مانی ہو نہ تھا ہو اور اس زبان سے اسے نکال دہو۔ اساتذہ سلف

کا کافی کلام دیکھ چکا ہو اور اسے کچھ یاد بھی ہو

(۴) نہ صرف مزاج بڑھست و صرم نہ ہو

(۵) اچھے سلیم اور ذہین و قیصر لکھا ہو جو الذہن اور کج فہم نہ ہو۔

محققین کے ایرادات | قاطع برہان کے پیچھے ہر مخالفت کا جو ہنگامہ بپا ہوا تھا۔ اس کا

سچا یادگار غالب سمجھے ہیں۔

نائب ان نغظوں میں پیش کرتے ہیں :-

مقتد ان بران قاطع برچیاں اور تلواریں بیکر کے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ منہ
 دو عرض بھونک پہنچے ہیں۔ ایک تو یہ کہ قاطع بران قاطع ہے۔ یعنی ترکیب خلاف قاطع
 ہے بران قاطع نہیں ہو سکتی۔ مصاحب بران قاطع صحیح اور قاطع بران قاطع بران
 قطع کی نازل ہو سکتی ہے اور قطع کا فعل آب ببول نہیں کرنی۔ قطع بران میں جو بران کا
 قطع ہے محض بران قاطع ہے۔ بران قاطع کے رو کو قطع سمجھ کر قاطع بران نام نہا کر کہا
 گناہ ہوا۔ دوسرا یہ ہے کہ باغیچہ بیان سوتیلے جا۔ انگشٹ کا وزن فقط میں نہیں آتا میں
 پوچھتا ہوں خدا کے واسطے بخش اور انارز کا وزن یہ عمان کہاں سے اگر بڑی تو ضرور
 شر کے واسطے لاف عربی میں سکون و حرمت کو بدل دیتے ہیں۔ انارز بخش کے نوں کو غنہ
 کر دیا تو کہا گناہ ہوا۔

ایک اور تجا فرماتے ہیں :-

قاطع بران کا ٹکنا کیا ہے گویا مٹی لڑھی میں بال تیاہٹ ٹکنا کیا ہے۔ یہاں حالت
 کا رتبہ ہوا کہ یہ تک آمد عرض کا رتبہ ہوا۔ ایک صاحب زمانے میں کہ قاطع بران
 کی ترکیب مطلق ہے۔ عرض کرنا ہوں کہ حضرت بران قاطع اور قاطع بران کی ایک جگہ ہے
 ہے بران قاطع کے کیا معنی، غیر، مین سکھ قطع کہا ہے جو آپ نے اس کو قطع کا لقب
 دیا ہے۔ بران جب تک غیر کے کسی بران کو قطع نہ کرے کہ بران قاطع کا نہ ہو جائے
 بران قاطع ہی محض میں حق تقریر کیجئے گا وہ قاطع بران کی صحت ہونے کے کام آئے گی۔

نائب قاطع بران کے آغا میں ترتیب کا بدل نہ درست بیان کرنے ہوتے خدا کے ذکر میں ایک

تعلقہ ملک تھی جس کے ایک حصہ پر یہ دلا، قراض ہوا غلہ بہت ہے۔

جوں کر سیاہ ہند درمند باغیچہاں سستی ہے جا

تاریخ و قیام میں وقایع واقع شدہ ہر سخن پر ہے جا

خالف و رافق کتابیں | قاطع برہان کی مخالفت میں جو کتابیں لکھی گئیں ان کی فہرست میری تحقیقات کے مطابق یہ ہے۔

(۱) قاطع برہان مولانا سید رحیم بیگ

(۲) قاطع القاطع مولانا مولوی امین الدین چیلاری۔

(۳) محرق قاطع مولانا سعادت علی

(۴) تمہید برہان مولانا مولوی آغا احمد علی۔

(۵) شمشیر تیز مولانا مولوی عبدالصمد سلیمی۔

غائب اور غائب کے دوستوں اور مولودوں سے جواب میں جو رسالے لکھے ان کے

نام یہ ہیں۔

(۱) قاطع غیبی مولانا میاں دوغلاں سیاح جس پر غائب نے سیاح شریف کی خطابت کیا تھا۔

(۲) رافق ہدیان مولانا مولوی نجف علی صاحب

(۳) سوالات عبدالکریم جس کے موقف کا جواب عبدالکریم صاحب نامی کوئی شخص دیتے۔

(۴) نامہ غائب مولانا غائب

(۵) تیغ تیز مولانا غائب

ان میں سے "قاطع برہان"، "محرق قاطع"، "رافق ہدیان" اور سوالات عبدالکریم کو کوئی

نسخہ مجھے کہیں سے نہیں مل سکا مولانا محمد شفیع صاحب پرنسپل اور ٹیچر کالج لاہور سے ایک مرتبہ

لکھا تھا کہ لندن میں پرانی کتابوں کے ایک تاجر کے پاس یہ سارا مجموعہ موجود تھا۔

غائب کے سکا تیب میں ان کتابوں کا جہاں جہاں ذکر ہے اسے ذیل میں قسماً بآسان

پیش کرتا ہوں جو کتابیں میری نظر سے گزری ہیں ان کی مختصر سی کیفیت بھی عرض کرتا جاؤں گا

تیغ تیز میں جو کچھ لکھا ہے اسے الگ بیان کروں گا۔

محرق قاطع | محرق قاطع کے متعلق منشی حبیب اللہ خاں کوٹاہیہ راہی کو لکھتے ہیں:-

۱۰. اٹھو قاطع کا جواب اس پانچ

کا ہے کہ خواہم نہ خواہم

میں اس خرافات کا جواب کیا لکھتا۔ اگر اس سخن فہم بدستوں کو نصرا گیا۔ ایک صاحب نے فارسی میں اس کے عیوب ظاہر کئے وہ طالب علموں نے اردو میں دور رس سے جواب دے لکھے۔

وہانا ہوا اور نصف سو۔ محرق کو دیکھ کر جان گئے کہ تولف اس کا حق ہے اور جب وہ حق واقع ہوا۔ "سرالائے جہانگیر" اور "طائف غیبی" کو پڑھ کر متنبہ ہوا۔ اور محرق کو دھوکہ دیا تو معلوم ہوا کہ بے جا بھی ہے۔ "واقع ہوا" "سرالائے جہانگیر" "طائف غیبی" تینوں نسخے ایک

میں اس خط کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں یقیناً ہے کہ بقدر ہم قافیہ دہانہ نظر آئے گزریں

یہ خط ۲۶ نومبر ۱۸۶۳ء کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محرق قاطع اور اس کے

جوابی رسائل ۱۸۶۳ء میں لکھے گئے تھے۔

تولف واقع ہوا | نوٹ: غائب کے خط میں ایک خط مولوی نجف علی صاحب تولف واقع ہوا کے نام منظر کیا تھا۔ اس پر دھوکہ کو لکھتے ہیں :-

اں صاحب خط دیدہ کے ساتھ ایک نو مولوی بہت علی صاحب کے نام کا مع اس

علم کے کو میں اس کو مولوی صاحب پاس پہنچاؤں میں نے پایا حال :- ہے کہ مولوی

صاحب میری ملاقات نہیں۔ صرف اتحاد سنوی کے وقت سے واقع ہوا لکھ کر انہوں نے

خبر سن میں بخیر کو وہی سبب بنی گریہ سکھائی یہ ان کے شاعر اور میرے آشنا

ہیں۔ ان کو یہ خط پہنچا دیا یقیناً ہے کہ وہ مولوی نجف علی صاحب کو سمجھا دیں گے انہی کے

نظارے دریافت ہوا ہے کہ مولوی صاحب مرشد آباد بنگالہ میں ہیں۔ تو اب غیب سے نوکر لیا

تولف صاحب بران | میرزا رحیم بیگ مصنف ساطع ہون کے متعلق لکھتے ہیں :-

رحیم بیگ کا اصل وطن سرحد ہے اور فی الحال میرٹھ میں مقیم اور سب سے کا پیشہ ہے

وہ آٹھ دس برس سے اندھا نشہ میں مولوی ماسم بخش صاحبانی کا شاعر اور فارسی شاعر ہے۔

مباح کو لکھتے ہیں:

وہ جو ایک اور کتاب کا قلم نے ذکر لکھا ہے وہ ایک لڑکے پڑھنے والے نام ہے
مکتب دار کو خط ہے... رحیم بیگ اس کا نام میرٹھ کا رہنے والا کئی برس سے اندھا
ہو گیا ہے۔ باوجود مبنائی کے حق بھی ہے اس کی تحریر میں نے دیکھی۔ تم کو بھی بھیج دوں گا
مگر ایک بڑے مزے کی بات ہے کہ اس میں بیشتر وہ باتیں ہیں جن کو لطائف غیبی میں
رو کر چکے ہو یہ ہر حال اب اس کے جواب میں نکرنا

یہ خط ۱۱ ستمبر ۱۸۶۵ء کا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شائع برائے "لطائف غیبی"
اور واقع ہندیان وغیرہ کے بعد چھپی تھی۔ اور مطلب یہی ہے کہ ۱۸۶۵ء کے ابتدائی حصہ
میں طبع ہوئی ہو۔

مولوی عبد الرزاق شاکر کو لکھتے ہیں:-

"نامہ نائب مکتوب ایہ رحیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ دس برس سے
اندھا ہو گیا ہے۔ کتاب بڑھ نہیں سکتا۔ میں دیتا ہے۔ عبارت لکھ نہیں سکتا۔ لکھو اور بتاؤ
بلکہ اس کے ہم وطن کہتے ہیں کہ وہ ذہنی بھی نہیں رکھتا اور وہ سے مدد دیتا ہے۔ اہل
دلی کہتے ہیں کہ مولوی امام بخش مہتائی سے اس کو غلط نہیں ہے۔ اپنا اعتبار بڑھانے کو
اپنے کو ان کا شاعر بتاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ اسے اس پرچ پر جس کو صہبائی کا تھنہ
موجب مزد و نذر ہو۔

قانع القانع | قانع القانع مولوی ابن الدین بیٹا مولوی لکھی تھی، در ۱۸۶۴ء
میں چھپی تھی۔ اس کی طباعت کا مصرعہ تالیف یہ ہے۔
شمسیر آوارہ زبان دین دیں

اور جو اقتباسات پیش کئے جا چکے ہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ واقع ہندیان مولوی
بخف علی صاحب نے فارسی میں لکھی تھی۔ اور لطائف غیبی سیرت نے اردو میں مرتب کی تھی۔

تلاطف غیبی | تلاطف غیبی غائبانہ خود نہیں چھپرائی تھی۔ بلکہ صاحب مطبع نے چھپائی تھی۔ غالب فرماتے ہیں:-

میں نے اپنے ذریعے تلاطف غیبی کی جلدیں نہیں چھپوائیں۔ ایک مطبع نے اپنی بکری کر چھاپیں۔

یہ خط پنجم شعبان ۱۲۸۹ھ کا ہے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تلاطف غیبی ۱۲۸۹ھ میں چھپی تھی۔ اس کی قیمت آٹھ آنے تھی۔ ایک خط میں غالب فرماتے ہیں:-
 تلاطف غیبی کی پندرہ جلدیں سات روپے آٹھ آنے دو سو بیچ کر نکلائیں۔ یہ دیکھ کر
 "سیف الحق" کا خطاب دیا ہے۔ اپنی فرج کا پہلا سال رقمہ کیا ہے تم میرے آٹھ سو۔ تم میرے
 ہزار دو سو۔ میرے عشق کی تلوار ہمارے آٹھ سو چھپائی رہے گی۔ تلاطف غیبی خدا کی اجازت سے
 آئندہ آئیں۔

کتاب غالب کی تصنیف | تلاطف غیبی چار ایس صفحے کا ایک رسالہ تھا جو اکل المطبع میں چھپا تھا۔
 سرور قی پر یہ عبارت مرقوم ہے:-

یہ نسخہ نہ بہت رنگ رنگ نہ بہت بڑا نہ چھوٹا

سرت پروردگار فرمائی رہی بہاؤ دعاں سیاح المصطفیٰ لکھی اپنی میں نہ سداشت تلاطف غیبی
 ہوا کہ محرق نہ طبع برائے بیعت نامہ دوسری مالا کلام نہیں مارا۔ یہ جو "ایں دلائل" کا
 دہلی طراز المطبع پرچہ ہے۔

رسالہ اردو میں سے، اور اس میں مختلف اعتراضات کا جواب میں شبھوں و اشتہار
 میں دیا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس رسالہ یا نو کا تلاطف غالب
 کا اپنا تصنیف کردہ ہے یا سیاح کی عبارت میں ان تصریحات دیا گیا ہے کہ اسے غالب ہی
 کی تصنیف سمجھنا چاہئے۔ اس لئے کہ عبارت کی روانی اور اعتراضات کی تسوخی میں غالب
 رنگ بہت نمایاں ہے۔ سیاح اس انداز کے عبارت نہیں لکھ سکے تھے۔ اور ان کی سیر

سیل جو غالباً ۱۸۷۲ء میں چھپی تھی اس امر کی گواہ ہے کہ ان کا انداز تحریر لطائف غیبی سے بال مختلف تھا۔

مثلاً منشی سعادت علی صاحب جامع محرق کی نسبت ارشاد ہوتا ہے :-
کوئی شخص ہے، عایائے دہلی میں سے کہ کبھی کسی زمانے میں کسی محکمہ اندر بڑی کاسوشتہ
ہو گیا تھا۔ اور اب غماز نشین ہے، دوسرے منشی سعادت علی نے شریعت واقفانہ نظم سے
آگاہ و عقل کا سراپا نہ علم کی دستک و کسی گھاؤں میں کسی سبزی میں کسی نکھٹا پرسی باٹ پر
اس بزرگ کا نام کسی سے نہیں ملتا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے :-

اہل نظر قاطع و محرق کو باہم دیکھیں گے تو قاطع کی عبارتیں سرتی کی لڑیاں نظر آئیں گی
وہ محرق کی شریعت کی لڑیاں نظر آئیں گی۔ ہمارے منشی صاحب اندو سے علم و فن منشی
نہیں ہیں اندو سے پیشہ و حرفت منشی ہیں جیسے منشی بیروں ناٹھ اور منشی گدڑا ال
لطیفہ دوم میں فرماتے ہیں :-

اسے صاحبان فہم و انصاف عبارت محرق قاطع بران کو دیکھا چاہیے غلط بحث اٹھنا
میں رسو تر کیسا نبابی، دوسرے غلط فہم، اس سے مجھے کچھ کاٹم میں، بھلا صاحبان ہونے
کی شریعت کسی ہرگی، مانسا نہ بہ تپا و کہ مناظرہ سے یا بھلا صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک
دیجڑا تاجاں بھاگتا ساں دیتا ہے یا اب شریعت کو کس سے جھڑو دیتا ہے وہ خوش یک راگ
کتاب میں بعض خطا اسباب آئے ہیں جن کے تعلق صحیح و کیفیت صرف غالب
ہی کو ہو سکتی تھی۔ مثلاً منشی سعادت علی نے ایک موقع پر لکھا تھا یا محرق میں چھپ گیا تھا۔
نہن این قدر قلم راجہ سو و۔ اس کے برابر میں لطائف غیبی نظر ہے کہ قلم کے واسطے فرسودہ
ہوتا ہے۔ نہ کہ سودن، ایک دوست نے کہا۔

منشی جی نے تھا جو کہ قلم دوسرے کی مانند ہیں ڈال ہو گا جس سے کہا کہ من کی خبر سو و بھلا

اس کی کوئی وجہ اور تاویل کرو۔ سو دم کی جگہ سو دم کے کیا معنی؟ اس نظریے نے کہا کہ سو دم میں
 "سو دم" کی صورت پائی جاتی ہے اور نشی جی تپے و دم ہیں۔ سن جو دین متکلم کا ہے۔ یہ دم کے
 ساتھ آتا رخصت ہو رہا ہے۔

اس کے بعد لطیف لکھتے ہیں کہ

شاہ جس ثانی پادشاہ ایران کے عہد میں حکیم شغائی، اصفہانی بڑا شیرو بیان اور بہادری
 کا تھا۔ برسن خان یوزباشی میں اور اس میں عداوت پیدا ہوئی حکیم شغائی نے اس کی جو کیا
 لکھیں اذانیوں ایک ترکیب بند نے بڑی شہرت پائی اور فہرل طبع نام و عام ہوا۔
 بند کے دو شعر یہ ہیں :-

موسن ظہم بازی چملاں بہ کجارت پا کا ہی صد در صد کرماں بہ کجارت

اں گا دوم از سینہ بدق سنہ کو بے بڑ جنت بہ در خانہ یاراں بہ کجارت

اوطاف و ادب باش اصفہان ہر وہ گز رہیں دف و دہان کے ساتھ اس ترکیب بند کو لکھتے بھرتے
 تھے۔ موسن غن سن کرتا ہوتا تھا۔ مگر اس طائفے نام و سنگ سے کیا کہ سنا تھا ناچا
 اپنے شمر بچہ۔ اما در دروازہ بند کر لیا۔ اس جماعت نے اس کے ورد و نعت پر شہود
 سے گناہ کیا شروع کیا۔ پایاں کار موسن غن اپنے پیٹ میں جھیری مار کر گر گیا۔ میں قہر
 ہوں نشی جی بھی ان لطائف کو دیکھ کر کہیں اپنے کو ہلاک نہ کریں۔ اس بگ نے فرمایا
 کہ کیاں داو غاں یہ کام ہے۔ فیرت داو غاں کا نشی جی کی طرف یہ احتمال ہے۔

غرض میری رائے میں یہ کتاب غالب کی اپنی تصنیف کردہ ہے۔ اگرچہ میاں داو غاں

سیاح کے نام سے تھی۔

نامہ غالب | نامہ غالب غالب نے خود چھپوایا تھا۔ وہ فرماتے ہیں :-

"نامہ غالب" صاحب طبع نے اپنی بکری کے واسطے نہیں چھاپے جو میں سولے کے

بھیجوں اور تم سے ان کی قیمت مانگ لوں۔ میں نے آپ تین سو جلد چھپوائی دوستوں

دور و نزدیک بانٹ دی۔ آج ایک شنبہ ہے پارل رومانہ نہ ہوگا جتنے یہ نسخے میسر ہوں
میں کل تین مجااورں تھیں۔

یہ خط ۱۸ ستمبر ۱۸۶۵ء کا ہے۔ اس میں ہے کہ نامہ غالب ۱۸۶۵ء ہی میں چھاپا گیا ہوگا۔
رسالہ ہندوستانی بہت جنوری ۱۸۶۳ء (صفحہ ۱۰۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ نامہ غالب
دو عدد اخبار کے دو نمبروں (۱۰) اکتوبر ۱۸۶۵ء و (۱۱) اکتوبر ۱۸۶۵ء میں بھی شائع ہوا تھا پھر
میں اس پر زبردستی عبارت لکھی تھی وہ ذیل میں درج ہے:-

غالب مدوح (غالب) نے ایک کتابہ قاطع برائن میں اکثر لغات و محاورات کے نو
تال کی تصحیح و اصلاح کرتے ہوئے عبارت دیکھ کر اپنا طبع فراموش کیا۔ اس پر بعض صورت
اور دیکھنے پر غصہ کیا۔ یہ بات جیسی اور نہ ہو سید میں کہہ کر ایسے حال میں طبعی ہوئے
مقتضیٰ میں کچھ غور فرمایا میں سب کے غلام کا الاسام کی غلوں میں کسی طرح سرخروئی حاصل
ریں جاسے وہ اس کے مددگار و زور بھار ہوا غلام میں محنت و محنت بھائی مرثیہ
اشعار میں و دہاں، صوبہ سیاح، فیس سید غلام بیا صاحب، جس سورت نے ان کی نگاہ سے
ہو برہین سازتہ رفع کیا۔ کسی غلام پر حیرت نہیں رہی وہی اصل و اصل ہوا خان کی ۶۶ طبع مزاج
کے لئے غلام غلام، ت خود و نہ نامی غلام و نہ سب غلامت میں میں مجھے درج ذیل

۱۰۰۰ سے ہفتاد | غالب غلاموں کے جواب کے لئے خود بھی دوستوں میں تحریک کرنے
لئے تھا، نواب علا الدین محمد خاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ شہاب الدین نے "تحرقی قلعہ"
کا ایک نسخہ میرے کہنے پر بھیجا ہے اگر خدمت مساعدا کرے تو اس کی غلطیاں جمع کر کے مجھے
بھیج دو۔

مرزا اب دوست سے کہ وہ سید با علی کے برائے غلامت کا خاکہ لکھ کر اسے تیرے پاس

لے آئے کہ وہ دوسرے نسخے بھی بھجواتی ہو دو۔

خود غلام غلامت تحریر کا حال | غالب اس زمانے میں بہت مشغول تھا اور بے حد ذکی الحس ہو گئے

صحیح دوں گے یا اردوں گے۔

طبع ثانی میں غالب نے کچھ نوٹ بڑھا دیے تھے، اور اس کا نام "قاطع برہان" کے بجائے "ورزش کا دیوانی" رکھا تھا، اس کا کوئی نسخہ مجھے نہیں مل سکا۔ عہد الزرق شاکر کو لکھتے ہیں:-
 "قاطع برہان" میں، اور مناسب بڑھائے ہیں اور ایک دیباچہ دوسرا لکھا ہے "ورزش کا دیوانی"
 اس کا نام نکلا ہے۔

غالب ۸ جنوری ۱۸۶۶ء کو رام پور سے واپس آئے تو ورزش کا دیوانی تیار ہو چکی تھی
 سینح کو لکھتے ہیں:-

اجی اں بیاں سیف حق! رام پور سے آکر تین سو جلدیں "ورزش کا دیوانی" کی تیار پائیں ہوا
 میر غلام بابا خاں کے حصہ بردارانہ کوڈیو سو جلد کا پتہ نہ بنا یا، اس پر پٹا پٹو دیا۔ وہاں گھر بھجوا
 سرکاری ڈاک والوں سے ہرگز اس کا بھیجنا قبول نہ کیا۔ ٹھیکے والے پمفلٹ والے ٹرل، اسے تعلق
 اس سے، رسالے سے، غبار کر کے میں یہ قد خسرنا (غالب میر غلام بابا خاں) کو بڑھاوا۔ اور اس باب
 میں بردہ فرمائیں مجھ کو لکھو۔

نویں برہان غالب کے پاس ۱۸۶۶ء میں پہنچی تھی۔ وہ خود ڈاکا کو ۱۴ مارچ ۱۸۶۶ء کے
 ایک خط میں لکھتے ہیں:-

نویں برہان میرے پاس بھی آگئی ہے، اور میں اس کی خرافات کا حال بہ قید شمار صفحہ دوسرے
 لکھ رہا ہوں وہ شمارے پاس بھیجوں گا۔ شرط سودت بہ شرطہ لکھ جاتی نہ ہی ہو اور باقی ہو یہ ہے
 کہ میں ہوں یا نہ ہوں اس پر اب بے غرور دو۔ میرے بھجے ہوئے قوال جہاں جہاں مناسب
 سمجھ دوں گا۔

تین بڑے نوید برہان کے بعد غالب نے اردو زبان میں "تغییر" لکھی تیس صفحے کا ایک مختصر سا رسالہ
 ہے جو مکمل لفظ نہیں چھپا۔ اس کی تمہیدی عبارت میں غالب نے "تحریر" قلم، "لطائف غیبی"
 "سطح برہان"، "نامہ غالب"، "ورثہ طبع القاطع" کا ذکر کیا ہے مولف "تحریر" کے متعلق فرماتے ہیں:-

ایک مرد ہے معز مہج الذہن نہ فارسی داس، مذہبی خوں سے پیری بخاش و طبع بڑا
 کز دس ایک کتاب بنائی اور چھپوائی اور غرق تامل اس کا نام لکھا
 مولف ساطع برائن کے مطلق فراتے ہیں :-

ایک مرزا زیم ٹیک میرٹھ کے رہنے والے بروئے کار آئے اور ایک تحریر مستقیم
 برائن کمال لائے بلکہ اب نہ وہ تو پیشہ کر رہے تھے جس نے بعد میں منور، فقیر کے صرف ایک
 مرزا جی کو نامہ بھیجا، زیادہ اس طرف اسفا تہ کو نصیب اوقات جانا۔

مولف نرائش القاش | مولف تامل القاش کی نسبت ارشاد ہوتا ہے :-

ساں ہن الدین کہ بڑا میں طبع برادر میں ہیں، میں نے تامل القاش نصیب، یا ہند
 میں سے مدد صرف مغامرہ، خود بہت ناراض ہیں اس مدد و نمانت منظور بھی کہ فقیر نے بعض
 فقرہوں کی ترکیبیں بنی و بار کے قاتل میں دوسریں ہائی سوائے عربی انہوں وہ فارسی
 سرزد کے وہ غلط کہا بار، وہی ہیں جو پنجوے اور بھدیا، سے ستموں کرتے رہے ہیں

بارت میاں میں اس کس بڑی قوم کے، و کس ہائی کر کے میں کہ ہادی کے، میں
 بنے گزراں ستمو، جو ... گریہ و شک، و رنج و غم، وانی بن، وانی، وانی، وانی
 کیسی بستی مگر میرے کہ نفس سے اندازہ شیت کے سفاک و گوراندہ شایں کی توڑیں سے، یا جان پر

مولف "توید برائن" | مولوی احمد علی صاحب مولف "توید برائن" کی نسبت فرماتے ہیں :-

عربیت میں، بین الدین سے بڑا کہ نہ بہت میں، و میں و کس کوئی ہیں کہ نہ چنے اند
 مہمیل کے ہیں وہ جن جن کر میرے واسطے ہستعالیٰ کہنے اور، یہ سمجھا کہ قاتل اگر عالم نہیں تیار
 میں، تو نہ سزاقت، اماں میں یک یا یہ رکھتا ہے، اماں وہ نہیں ہے، مانی خاندان ہے
 امرائے مند، اور سامنے مند، و کان مند سب اس کو سامنے ہیں، و کس، و دکان سرکار

مولف خواجه جانی فرماتے ہیں کہ نہ چنے تامل ہاں لی محفلت میں رسالے لکھنے والوں میں سے ایک عالم تیار

میشیت عربی کی نامت لی قلمی سبب کا سیاسی لی امید نہ رہی تو رہی تھی امید و غل اور یہاں مدد موبایا کا صاحب نسخہ ۶۶

انگریزی میں لکھا جاتا ہے۔ بادشاہ کی سرکار سے نجم الدولہ خطاب ہے۔ گورنمنٹ کے دفتر میں خاں
 بسیار مہربان دوستانہ تعاقب ہے جس کو گورنمنٹ خاں صاحب لکھتی ہے اس کو مٹری اور کتاؤ
 گدھا کیوں کر لکھوں فی بحقیقت یہ دلیل بھارتی ضرب نظام انت الوئے گورنمنٹ بہا
 کی تو ہیں اور ضلع و شریف ہند کی مخالفت ہے۔ میرا کیا بگڑا۔ مولوی نے اپنا پاجی پن غلا کیا
 میں نے مسلم امن ہے دین کو تبدیلان کے دے کیا۔ اور احمد علی کے الفاظ دہرم سے قطع نظر
 کیا اور ان کے مطالب علی کا جواب اپنے ذمہ لیا۔

اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے جو سترہ فصلوں پر مشتمل ہے۔ ان فصلوں میں مختلف
 اعتراضات پر تبصرہ کیا ہے۔ اور ان کے جوابات دیئے ہیں آخر میں مختلف اعتراضات
 کو استغناء کی شکل میں کر سولہ سوالات مرتب کئے ہیں اور ہر سوال کے ساتھ جواب مصطفیٰ
 خاں شیفہ کی طرف سے جواب درج ہے۔ تمام جوابات میں غالب کی تائید کی گئی ہے آخر
 میں خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم۔ مولوی محمد سعادت علی مدس گورنمنٹ اسکول دہلی۔ اور
 ذاب ضیاء الدین احمد خاں نے بحسب معنی نواب مصطفیٰ خاں شیفہ کے جوابات کی تصدیق
 و توثیق کی ہے۔

منظومات کی جنگ | مؤید برہان کے تعلق ناسی فارسی میں کہیں شعور کا ایک قطعہ بھی لکھا تھا جس کے چند شعر خواجہ حالی مرحوم
 یا کوڑیں میں لکھے ہیں۔ اس قطعہ پر منظومات کی جنگ شروع ہو گئی۔ مولوی احمد علی صاحب کتب
 مؤید برہان کے ایک شاگرد عبد الصمد صاحب قندھاری نے غالب کی تیغ تیز کے جواب میں
 ایک رسالہ شمشیر تیز قر کے نام سے مرتب کیا تھا جو ۱۸۷۵ء میں مولوی غلام نبی خاں کے مطبع
 بنوی میں عبد اللہ خاں کے زیر اہتمام چھپا۔ اس رسالہ میں منظومات کی جنگ بھی موجود ہے اس میں
 سب سے پہلے غالب کا قطعہ درج ہے۔ پھر اس کے جواب میں اسی زمین میں مولوی عبد الصمد
 کا ایک قطعہ ہے اس کے بعد عبد الصمد کے جواب میں غالب کے دو شاگردوں باقر علی خاں باقر
 اور فرخ الدین حسین خاں سخن کے دو قطعے ہیں جو اسی زمین میں لکھے گئے۔ آخر میں عبد الصمد نے

ان دونوں قطوں کا جو جواب دیا تھا وہ درج ہے۔ اس طرح غالب کے قطعہ سیت اس میں
جواب اور جواب الجواب کے طور پر دو سود و شعر کہے گئے یہ چیزیں اب بالکل ناپید ہیں میری آرزو
تھی کہ انہیں یہاں قما تا درج کر دوں لیکن گنجائش اجازت نہیں دیتی البتہ غالب کے قطعہ کا اندھا
ضروری ہے یہ سبچیں ہیں چھپا تھا دوبارہ کہیں شائع نہ ہوا۔

قطعہ

درہا سگری و یاد آوری بہ عالی خدمت جناب سروری آغا محمد علی صاحب جائگیزی از جانب

چہر شواہ ہے را بہ روی اسدائے خاں غالب دہلی

مولوی احمد علی احمد غلص منصف	و خصوص گفتگوئے پارس و نسا کردہ است
بیچ و کمران را کہ ورنہ ہست از ایران بی	شمالی ظہیم ایران بے محابا کردہ است
قوم ہرج را بہ ایرانی نژادان دادہ غلط	ترک ترکان ہر قند و بخارا کردہ است
وہ جاں تو ام جو روئے و پشت قتل	ہیشائے خویش ہند و زاوہ را کردہ است
ہندیاں را ورنہ باندانی مستم داشتہ	تا چہ اندر خاطر اللہ سے او جا کردہ است
خوش برآمد با ہمہ ہندوستان بایان خوش	تکیہ آرس بر ولادت گاہ آبا کردہ است
برکہ منی بازبان مولد خود آشتا است	ساز نطق موطن اجداد بے جا کردہ است
خواجه را از اصنافی بودن آبا چہ سود	نما نقش و کشور بنگال پہا کردہ است
پائیل و جامع زبان دلالہ شب چند	لا چہ دسو گیری و لطف و مدارا کردہ است
داوری کا جنازہ مرد و دروے ہر سہ	منصف صدرا من و صد علی کردہ است
گر خیمیں یا ہندیاں وار و تو لا و رخن	من ہم از ہندم چرا ز من تبرا کردہ است
سلا و باہر کسے از ہند و خفیش خامن	حیف و میلے باود عالم شور و غوغا کردہ است
کردہ است از خوبی گفتار من قطع نظر	ظلم زین قطع نظر بر چشم بینا کردہ است

سلا محمد حسین تبریزی شرم و کئی زلف بران قاطع لکھ لکھ لکھ چند بار ہر طرف بہار بزم

چودھوال باب

کلام طریق اصلاح اور شاعر

ہندو را زند سخن پیشہ گناہے ہست

اندریں دیکھیں مے کہہ آشاہست

غالب نے اپنے دوست سراج الدین احمد خاں کی فرمائش پر اپنے منتخب اردو اور فارسی اشعار کا جو مجموعہ "گل رعنا" کے نام سے مرتب کیا تھا، اس کے دیباچہ میں تیسری کی سبے کہابندہ میں اردو شعر کہنے شروع کئے تھے۔ فارسی دیوان کے خاتمہ کی عبارت میں جو ۱۲۵۳ھ (مطابق ۱۸۳۶ء) میں لکھی گئی تھی، فرماتے ہیں گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنے شروع کئے تھے۔ خواجہ عالی نے لالہ ہماری لالہ مشتاق بر شاگرد غالب کے بیان کی بنا پر لکھا ہے کہ اگرہ کے ایک صاحب لالہ کنہیا لال جو غالب کے ہم عمر تھے ایک مرتبہ دہلی آئے اور انہیں گفتگو میں غالب کو یاد دلایا کہ آپ نے چنگ بازو کے متعلق ایک مثنوی اردو میں لکھی تھی اس کے آخر میں فارسی کی یہ شعرا حق کر دیا تھا

رشتہ در گردنم انگندہ دوست

مے بد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست

لالہ کنہیا لال صاحب نے یہی کہا تھا کہ یہ مثنوی آٹھ فرس کی عمر میں لکھی گئی تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے ساتھ ساتھ فارسی شعر بھی کہنے شروع کر دے تھے خواجہ حالی

فرماتے ہیں کہ ہندوئی زمانے میں انہوں نے ایک فارسی نزل ہی تھی جس کی رویت کردہ تھی۔ یہ نزل ان کے استاد شیخ معظم کے پاس پیش ہوئی تو شیخ نے رویت کو کمال بتایا۔ عین یکت

۱۵ کلیات فارسی صفحہ ۱۵۰ کلیات فارسی صفحہ ۱۵۱ یاد رکھنا غالب صفحہ ۱۵۰۔

غالب کو ظہوری کے کلام میں "کہ چہ" یعنی "چہ کی سند لگئی"۔ انہوں نے شیخ معظم کو یہ سند دکھائی تو وہ حیران رہ گئے۔ اور فرمائے گئے کہ فارسی زبان کے ساتھ تمہیں خدا دادی سبب سے تم ضرور فخر کیا کرو۔

آمد و شاعری اور فارسی شاعری | غالب ایک اردو مکتوب میں فرماتے ہیں :-

غالب سے ابتداء من قیز میں آمد و زبان میں سخن سرائی کی ہے۔ پھر اوشا میں بادشاہی کا ذکر ہو کر چند و ناسی روش پر عامہ فرمائی کی ہے۔ نظم و نثر فارسی کا ناش و مال ہوں۔ ہندوستان میں رہتا ہوں مگر تیغ اصغاری کا گھٹاں ہوں۔

غالب انور اللہ ولد کو فارسی کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

ازدیر بازہ ستا سترائی اور دندہ انعم سانا از مضاجری شہر یار سلیمان چیکا از بہادشاہ مرحوم
عکہ گاہ ناگاہ رنگ رنجتہ رنجتہ ویشہ بہ فرمان بانوسہ بھیس کستلا زاب زینت گل مجیم والدہ شہزادہ
جوان بخت اور مد بختہ بدیں در بختہ مار دل آو بختہ نگر مد قطع غزل سرستانہ ہوئے مذہب باشم۔
آں شے کے گمان کمالے کہ نہ داشت داشت پنداشت کہ مدے سخن سوئے دوست قطع
قزے کہ مرد و بہنوار تیزہ گام ذور و دست گشتہ مرا پاش ساند۔

اسی مکتوب میں آگے چل کر فرماتے ہیں :-

آہ ازمن کہ مازیاں زود و سوختہ غم آفرینہ بآئین نیاکان خویش سلطان تہرہ مار کاہ کو

۱۵ یادگار غالب صفحہ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

۱۵ چہ تہرے کا قصہ ہے۔ جو غالب کے بیان کے مطابق راب زینت گل کی خاص فرمائش پر لکھا گیا تھا۔

۱۵ ہم کن ہمیں غالب کے طرز نہیں دیکھیں اس سہ سے کہ سے کوئی بہرہ

۱۵ ذوق

۱۵ جن کو دوسرے ہر سخن کا یہ شاہ دان کو دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

و نہ پہ فرجنگ فرنا تھان پیش برقی آسالمہ و ہنر سے لکھتھم درویش باشم و آنہ و اندازہ سیرم
 زوق سخن کہ ازل آورده ہو و ہنری کرد و مرا بہ ان در بیعت یک آفتند زود و در و صورت سنی
 نمودن نیز کار نمایان است رہنگری دو، نشوری خودیست سنی گری بگذار و بہ سخن گری
 دوسہ آونما کریم چنان کہ دم و سغینہ و بجز شکر کہ سراب است و ہاں کہ دم فتم ملکہ شد و تیرا
 شکستہ نیامکان فتم یا زوہ و زکا و دیدہ و رسے نہ بود یا بود و بہین نہ پرفت۔

نواب شمس الامرا حیدر آبادی کے نام کے نام کی خاصی لکھتے ہیں :-

شعرو سخن با نیا و فتنہ پند و طافی است و غار نہ بد و فطرت و ہر انسانی۔ و تا ناز و خیر
 گفتے وہ آرد و زبان قال سر بود سے نام پارسی زبان توں سخن یافت و ازاں و دی
 فغان نہ شدہ پرفت و درون مختصر سے زور بخندہ ہم آرد و تا نگہ تہ طاقی سین کہ
 ہم پیش سی سال است کہ اندیشہ پارسی نگارہست۔

نواب علی بہادر خاں ولی بندہ کو لکھتے ہیں :-

از وہ پانچ پختن رہینے سے کہ ایم وہ بہاوی سخن سے سریم بکن چوں رہنما سے خاطر
 حضرت ظل سی دلاں بہت کی میں کو نہ گفتار بہاوی نہ شاد بہت رفت ارغمان برود با
 تا چار کاہ گاہ و بختہ سے گویم۔

بہ ہر سال عتاب کی تمام تحریرات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدل میں آنے
 نے اردو میں شعر کہنے شروع کئے تھے پچھلے دنوں میں کہنے لگے۔ ہندوستان کے بعد کلکتہ و ہونے
 کے لئے وقف ہوئے۔ جب قعدہ کے ساتھ بہت سی مخلص پیدا ہوئے تو ہونے کی خوشنودی کے
 لئے پھر اردو میں شعر کہنے لگے۔ ان کی موجودہ اردو دیوان زیادہ تر اسی دور کا ہے۔

ابو عبد اللہ کی صحبت کا اثر امیر خیاں ہے کہ فارسی پر ناسب کی خاص توجہ کا عبد اللہ کی صحبت کی وجہ
 سے ہونی جو ۱۲۲۶ھ میں گزرتا ہے۔ دو برس خاں کے پاس رہے۔ اس وقت ناسب کی عمر
 صرف چودہ برس کی تھی۔ اس کا ایک بہانہ یہ ہے کہ خاں کے ہندوستان میں نہایت محبت

زیادہ ہے۔ بلکہ باوی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے فارسی شعر کہہ لیتے تھے اس کے بعد کہیں کہیں اس میں فارسی الفاظ کی جگہ اردو الفاظ داخل کر دیتے تھے یا کہنا چاہتے کہ ان کو تخیل فارسی میں شکر تھا اور وہ کاغذ پر مختلفا سے اردو بناتے تھے۔ عام طور پر کچھ باتا ہے کہ ان کے ہندوئی اردو کلام میں فارسییت میں وجہ سے بہت نمایاں تھی کہ انہیں اردو آتی نہ تھی یہ خیال بالکل غلط ہے۔ ان کی والدہ ماجدہ مگرہ کی رہنے والی تھیں لہذا ان کی مادری زبان لاڑکانہ اردو تھی ہندو کلام میں فارسییت کے غلبہ کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ ابتدا ہی میں زیادہ تر فارسی کلام دیکھنے لگے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے دماغ پر تبدیل کا اثر بہت زیادہ تھا۔ اور اردو میں بیل کے انداز کی پیردی فارسییت کے زیادہ سے زیادہ مقاموں کے بغیر ممکن نہ تھی۔

فارسی زبان اور وقت نظر | غالب کو پہلے اردو اشعار کے متعلق بہت زیادہ حسن ظن نہ تھا۔ اور وہ فارسی شاعری ہی کو خداداد کمالات کی حقیقی نمائش کا دیکھتے تھے۔ اور حق یہ ہے کہ ان کے فارسی کلام کو بلا تکلف فارسی زبان کے مشابہہ اساتذہ فن کے برابر ہی جاسکتا ہے۔ پھر عام اساتذہ میں کسی کی ایک چیز بھی ہوگی کسی کی دو چیزیں بھی ہوں گی لیکن غالب کے ذوق کی جامعیت اور ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ ان کی ہر چیز بھی ہے۔ مثنوی، نزل، قصیدہ، قطعہ، رباعی، شعر میں وقت نگاری، مثنوی، نظمیں، انتقاد غرض ہر وارے میں وہ کبساں قابلِ قدر ہیں لیکن ہندوستان میں غالب کی شہرت کا مارِ عرفان کے اردو کلام پر ہے۔ مہرے کے باب میں ذوق کی غلط فہمی اور غلط اندیشی کے باعث جو صورتِ حالات پیدا ہوئی تھی۔ اس پر غالب نے ایک فارسی قطعہ بھی ذوق کو مخاطب کر کے لکھا تھا اس میں فرماتے ہیں :-

اے کہ در بزم شہنتہ سخن رنگین	کے بیڑ کوئی فناں در شہرِ سنگ من است
رہست گفتی بیکے دلی کہ بود جابے ظن	کہ تر نہ بیکہ دل اگر نغمہ چنگ من است
نیست نقصان بہ جزو بہت رستو آید	کاں دہم سرگے ز خلعتان فرہنگ من است
فارسی میں تا بہ مہنی نقشہاے رنگ	بجز ز مجروحہ اردو رہے رنگ من است

فارسی میں تا بہ ہندی کا اندر قایم خیال مافی وارتزگم و ان نسخہ ازنگ من است

.....

دہمئی اہم فی شریعت و ان افی کسبت از تو بود اندر سائے کہ در چنگ من است
در سخن چوں ہم زبان و ہم نوائے من نہ چوں است رایج و تاب از شکست ہنگ من است
رہتے گویم دے از بہت من تر توں شد ہر جہ و گشتا رفتست آن نگ من است

غالب کی یہ رائے اپنے اردو اشعار کے متعلق ہے۔ اردو کے سکا تیب کے متعلق معلوم ہے کہ غالب ان کی ترتیب و شاعرت کو اپنی شہرت مخموری کے سنائی سمجھتے تھے لیکن یہی کیا جو دیران ریختہ اور یہی سنائی شہرت مخموری سکا تیب آج غالب کی شہرت کے علم کو اردو زبان کے تمام ندرت کا ریشا عروں اور شریک رول سے بدرجہا بلند نہ آئے ہوئے ہیں۔ ارباب ذوق اندازہ فرمائیں کہ جس شاعر کے ٹکٹن فرنگ کے ترکہ کی با ذہبت اور حسن خوبی کا یہ عالم ہے۔ اس کے تشتمائے رنگ بہت۔ اور اس کے نسخہ ازنگ کا کیا رنگ ہو گا لیکن ہوس کہ فارسی کا ذوق ہندوستان میں بہت کم ہو گیا ہے۔ اور فطرت غالب کے کمالات کی اس حقیقی جوڑ لگا دے سے تمام طور پر بہت کم روشناسی حاصل ہے۔

تذکرہ حیدرہ | غالب نے ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۱ء تک جب کہ ان کی عمر چوبیس چھپس برس کی

تھی۔ اردو کا ایک اچھا خاصا دیوان مرتب کر لیا تھا۔ جو اسی زمانے میں نواب غوث محمد خاں رئیس بھوپال کے فرزند ارجمند نواب فویدار محمد خاں کے پاس نقل ہو کر پہنچ گیا تھا یہ نسخہ چند سال ہوئے میں بحسن و نواب حمید اللہ خاں بہادر فرزانہ سے بھوپال دستار مستعین علی خاں حیات و حفظ جانا کی رسم وادہ تو بہات گرامی کی برکت نسخہ حیدرہ کے نام سے شائع ہو گیا ہے نسخہ حیدرہ کی تمہید میں مرقوم ہے کہ نسخہ ۱۵ صفر ۱۲۳۷ھ کو حافظ معین الدین صاحب نے لکھا تھا اس کے غازی سلطان سے منشف ہوا ہے کہ اس میں زیادہ تر کلام باطل ابتدائی دور کا

سہے جبکہ غائب کی وقت پسند طبیعت تبدیل کے مطالعہ سے بہت سکور تھی اور وہ بیدل کی یہ
 میں تازک اور بلند مضامین پیدا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن نہ مافی قوس نے ہموغ حاصل کیا تھا۔ نماند
 بیان پر پوری قدرت و دستگاہ حاصل ہوئی تھی نتیجہ یہ تھا کہ وہ بیدل کے خاص الفاظ و ترکیب کو بہ
 کثرت استعمال کرتے تھے اور اسے اپنے ذہن میں بیدل کی پیروی سمجھتے تھے جس طرح آج کل
 کے بعض فرمایہ اور کوہ روفق اسی سبب اشعار میں فارسی، شاعریوں کے سرخانہ استعمال کو غائب
 کی پیروی سمجھ رکھا ہے اور صاف بات کو پیچیدہ، مبہم و غیر فہم بنا دینا ان کے نزدیک غائب
 کا رنگ ہے۔

تبدیل کی پیروی اس زمانے میں غائب پر تبدیل کا رنگ تھا کہ انہوں نے متعدد غزلوں
 کے مقطعوں میں مختلف طریقوں پر تبدیل کا ذکر کیا ہے مثلاً

اسد ہر جا سخن نے طبع باغ تازہ ڈالی ہو
 مجھے رنگ بہار بجادی بیدار پسند آیا

.....
 مطرب دل نے مرے تارخس سے نما
 سار پر رشتہ ہے نسخہ بیدل باندھا

.....
 مجھے راہ سخن میں خوف گزری نہیں غائب
 عصائے خضر صحرائے سخن ہے غائب لکھا

.....
 آہنگ اسد میں نہیں جز غمہ بیدل
 عالم ہر افسانہ ماوار و ماہیج

اس زمانے کے کلام میں محض روئیں ہی فارسی نہیں ہیں بلکہ پورے مصرعے فارسی

کے چلے آتے ہیں مثلاً ۵

ہسان جو بہ آئینہ زویرانی دہا
غبار کو چہ آئے رنج ہے خاکِ ساحلِ ہا

.....

فندہ کندہ گل گشتِ ذوقِ ہمیش بے پروا
وقتِ گدازِ غرقِ دوا دل پسند آبا

.....

شغلِ تنہا رہو شاں و خلوتِ شہما
سہرا بزمِ سب رہے سب سب کو کہما

نائبِ سپہ شاگردِ جہدِ ارزق شاگردِ کتے ہیں :-

بہتہ دھارِ سخن میں بہتہ سب کے ہر زبردیہ کھتا تھا چنا بچہ یابِ ذوقِ ہفتا

نزدِ تہیں میں رنجست ۱۷۷

اسدِ افغان بہت ہے

ہندوہ برس کی کوسے جیسے برس کی کوسے سماںِ خدایِ عیسیٰ اس برس میں بڑا
میں ہو گیا آتشِ صہ پہ آتی رہا اس دہاں کو دوریا و ان تبسمِ ناک کئے دس ہندوہ شہر
نوسے کے دیوانِ عال میں رہنے دینے۔

یہی وہ دیوان ہے جو نسخہ حمید یہ کے نام نہایت ہو

نسخہ حمید یہ کی تصحیح دوسرا نسخہ مفتی انور الحق صاحب ۱۲ نسخہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں
کہ اس پر تجدد بکریاں فوجیہ محمد ناک کی ہر میں ثبت ہیں بعض نسخہ ۱۲۴۳ کی اور بعض ۱۲۴۲ کی ہیں

یہی سلسلہ ہوا ہے کہ یہ دیوان کے مرتب بارادہمن ہے یہ بعد یہ نسخہ دیکھ کر

سے نائب کے پاس ہی کہ ہے۔ دیوان کی نگار سے گرا ہے اور انہوں نے خود اس میں با

ہلا جس کی میں کیونکہ اگرچہ ان ہمالیوں کا خط بہت خراب اور ٹکستہ ہے لیکن پھر بھی اس میں اور غائب کی طرز تحریر کے موجودہ نمونوں میں ایک گونہ مثلاً بہت پائی جاتی ہے۔ اور گو محض اس کی بناء پر ان کو غائب کا قلمی قرار دینا شاید درست نہ ہو لیکن خود ان ہمالیوں کی نوعیت یہی ہے کہ ان مصنفین سے سو اور کسی کے قلم کا حرف منسوب کرنا مشکل ہے۔ نیز ان میں سے اکثر یہ ہیں کہ خط کو "ت" کی جگہ "د" سے لفظ رکھ دیتے ہیں۔ یا کسی صریح لفظ سے پہلے ہی سے بہت سی قزاقیوں میں سے کسی سے حاشیہ پر پڑ جاتی گئی ہیں۔ جن میں سے "ت" سے "د" اور "و" سے "ز" وغیرہ ہیں۔ بہت سے بعض ایسی بھی ہیں کہ ان میں دوبارہ پھر کچھ تغایب ہوا ہے۔ اور مطبوعہ دیوان میں ان کے برے اثرات نمایاں نہیں ہوتے۔

نسخہ سید کبھی غائب | لیکن سیر کے خیال میں مفتی صاحب کی یہ رائے محل نظر ہے۔ اس کے وجوہ کے یاں نہیں گبسا | اختصاراً وجہ ذیل میں :-

(۱) غالبؒ کے نسخہ میں کاکتہ تھے۔ اور جاتے ہوئے کھنڈ ٹھہرے "و" کی تضحی میں ان کی

ایک غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے :-

داں پہنچ کر جو غمش آتا ہے ہم سے ہم کو

صدرہ آہنگ زمیں برس قدم ہے ہم کو

اس کے آخر میں ایک فطرت ہے جس میں لکھنؤ ذکر ہے۔

لکھنؤ آئے ہیں باغ میں کھتا ہے | ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

مقلع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر | غم پہنچت و طوف حرم ہے ہم کو

سے جاتی ہے کہیں ایک توقع غائب | خادہ رہ شش کاٹ کر ہے ہم کو

تعدہ سے ظاہر ہے کہ یہ غزل یقینی طور پر لکھنؤ میں کسی کئی تھی اور آخری شریف تیار ہے۔

یہ کاکتہ حاشیے وقت کسی گئی تھی لیکن مطبوعہ نسخہ حیدر میں یہ غزل غالبؒ کے کلام میں

شال جس کا کوئی ہم طرح شعر بھی نسخہ میں موجود نہیں۔ پس اگر نسخہ غالب کے محنت سے نسخے
بعد بغیر تصحیح و ترمیم ان کے پاس کیا اور انہوں نے تو میں عاشر پر بڑے قوت غزل
گوئیوں، شاعرانہ تھی۔ ہر آئینہ یا پینٹنگی طور پر شاعر میں کسی کہی تھی و مثنوی کے
دو کو صبح بچھا جائے تو نسخہ جدید ۱۳۳۸ء ۱۳۳۹ء اور ۱۳۴۰ء ۱۳۴۱ء
یا ہر گز با ظاہر کہ نکاتہ جائے تے بعد اس نسخہ غالب کے پاس پہنچنا قابل تسلیم نہیں۔
(۲) غالب ذاب ملاز الدین احمد خاں کو بنے ایک خط مر قومیہ ۲ جولائی ۱۸۶۴ء
میں لکھتے ہیں :-

برکھاس پس فی ہات کہ سی جش خاں مرور سے زبیر میں ہا ہی بن خیل

غزل کسی بیت الغزل ہے سے

پادے اوک سے سانی جو ہمت نڈک

پادہ گرنیس ویتا دے شرب تودے

ذاب اپنی کئی خاں عروف کا انتقال ۱۳۴۰ء (مطابق ۱۳۳۸ء) میں ہوا۔ مگر
ماتہ پیشہ ہا کہ یہ غزل ۱۳۳۹ء سے بنے تھی ہی بین مبدوعہ نسخہ حمید نہیں اسے
بھی اس کلام میں شامل کیا گیا ہے جس وجہ سے کوئی سہ قلمی نسخہ میں موجود نہیں
اس لئے سمجھنا چاہئے کہ مبدو ہاں والا نسخہ ۱۳۳۸ء بعد ہی بھی غالب کے پاس
(۳) یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ نو غالب کے کہیں اس نسخہ کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ
انہیں مگر کے بعد اپنے کلام کے مختلف نسخے جمع کرنے کی حسب ضرورت پیش
آئی تھی۔ اگر نسخہ حمید بہ غالب کے اس غرض بھی ترمیم تھی تاہم اس سبب کہ انہوں
نے ضرورت کے وقت اسے اصل کرنے کی کوشش نہ کی؛ نیز خیال ہے
کہ غالب کو اس نسخہ کا سرے سے علم ہی نہ تھا۔

اردو اشعار تعداد سرسری اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قلمی نسخہ حمید تہ میں قصاید اور گیسرہ

رباعیات کے علاوہ کل ۱۸۵۰ اشعار ہیں۔ ان میں غالبؔ یا شمس العلماء مولانا محمد حسین صاحب
آزاد کی روایت کے مطابق مولانا فضل حق خیر آبادی اور مرزا خاں کو تو اس دہلی کے انتخاب کے وقت

کل ۴۷۳ اشعار تھے۔ ۱۸۲۵ء کے بعد آخری مہاجرایں برس میں غالبؔ نے اردو و نثریات
میں ۵۵۰ اشعار کہے۔ بعد کے تصانیف، قطعات اور مثنوی انہی کے اشعار کی تعداد ۷۷۷ ہے۔

رباعیات کی بارہ ہیں یعنی اگر سب اشعار کو شامل کر لیا جائے تو ان کے چالیس برس کے کل
اردو اشعار پیرہ سو سے کسی قدر کم ہوتے ہیں۔ اور ان میں وہ اشعار بھی شامل ہیں جو ان کے بطور

دوران میں شامل نہیں ہوئے لیکن رقعات میں چھپ گئے۔ ایسے اشعار بھی ہیں جو رقعات میں
چھپے نہ دوران میں شامل ہوئے لیکن ان کی تعداد زیادہ نہیں۔ اور ۱۸۲۵ء کے بعد سے ان کے

کل اردو اشعار پیرہ سو سے متجاوز نہیں ہوتے، اس زمانہ میں انہوں نے ترکی
کے کئی ہزار اشعار کہے یہ فرض کیا جا چکا ہے کہ ان کے اردو اشعار زیادہ تر اس زمانے کے

ہیں جبکہ قلعہ کے ساتھان کا رابطہ ملازمت قائم ہو چکا تھا اور بادشاہ کی خاطر سے انہیں
اردو میں شعر کہنے پڑتے تھے۔

انتخاب شدہ اشعار: [نسخہ حیدرآبادی اشعار کا کوئی مجموعہ سرخاکی وقت غالبؔ یا ان کے
دوستوں کے پیش نظر تھا، نہ سمجھنا چاہئے کہ انتخاب درست نہ تھا اس لئے نسخہ میں بعض ایسی

نثریں موجود ہیں جو گانا یا جڑوا انتخاب میں آتی چاہئیں نہیں، میں بشلا کھینچنے والی
غزل سے

وامان دل بہ وہم نہاں نہ کھینچے اسے مدی خیال سے بے جا نہ کھینچے

مجزو نیاز سے تو وہ آیا نہ راہ پر دامن کو اس کے آن حریفانہ کھینچے

خود نامہ بن کے جا بے اس نامہ پیا کیا نادر کہ مست بیگانہ کھینچے

یا

تماشا گشتی تماشائے چیدن بہار تنہا کنہگار ہیں ہم
شد شکر کہند و درو مانا سپاسی ہجوم تماشا سے لاجپار ہیں ہم

یا

خود پرستی سے رہے باہم گزرا آشتا بکسی سہری شریب مینہ خیر آشتا
ربا یک تیرازہ دشت میں اجڑا بہا سبزہ بیکانہ صبا آورہ گل نا آشتا

یا

”مورہ یارن غباروں میں پنہاں کر دیا
غالب اسے گنج گوشتاں ہی دیر گنا

یا

سر پر سے وہاں ہزار آرزو رہا
ارباب میں کس مزیک بخت رہا ہو

یا

اسے نواسا تماشا سرکب چلتا ہوں میں
اک طرف جلتا ہے دل و رگ عجب جلتا

یا

دنی جہاں شرم و شستہ سے مائے زہریں
حق یز قیاس میں موج کی مانند رہیں

بہر حال ان میں سے کوئی شاعر سچے مرثوب بہ شہل پسند یا سہ غائب میں قابل

حذف و رد نہ تھا۔

سے انتخاب کی ضرورت | میرا خیال ہے کہ یوں مجھ کو نہ بدقت انتخاب اشعار غالب یا ان کے دوستوں

کے سامنے نہ تھا۔ اگر تملات نے مسعدت کی، اور صحت نے اجازت دی تو میرا ارادہ ہے کہ غالب کے اچھے اشعار کا ایک نیا مجموعہ مرتب کروں۔ ایسا مجموعہ اس وجہ سے بہ طور خاص ضروری ہے کہ غالب کے بعض ان اشعار کی وجہ سے جن میں فیہریت کا رنگ بہت غالب ہے اور معانی زیادہ قبال ذکر نہیں۔ ان کی عظمت اور ان کے کمال کا مدح حقیقی عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو رہا ہے۔ اور غالبیت کے غلط تصور نے جو مروجہ اردو دیوان کے عام مطالعہ کا لازمی نتیجہ تھا بہت سے لوگوں کو اس راستے پر لگا دیا ہے جو کم از کم غالب کا مطمح نظر نہ تھا۔

تشوہید کے علاوہ بھی غالب کے بعض اچھے اشعار ملے ہیں جو اب تک ان کے دیوان میں شامل نہیں ہو سکے مثلاً

درد ہو دل میں تو دوا کیجے	دل ہی جب درد ہو تو کیا کیجے
ہم کو سنہ یاد کرنی آتی ہے	آپ سنتے نہیں تو کیا کیجے
مرض شوخی نشہ عالم ہے	حسن کو اور خودنا کیجے

یا

اس جو رجحان پر بھی بدٹن نہیں ہم تجھ سے
کیا طرفہ تمنا ہے امید کرم تجھ سے

یا

بچو چھ حال میں انداز اس غائب کے	بیوں پہ بیان ہی آجائے گی جواب کے
نہجے بھی تاکہ تم سے موندنا یوسی	طو قریبے لیکن ذرا حجاب کے ساتھ
نہو بہ ہرزہ ردا اور سہی بے ہودہ	کہ دور بیٹھ ہے نا خیال و خواب کے
بہر حیف کہ نا نہیں دنی مالتب	جو جاگنے کو لا دیوے کے خواب کے

۱۵ یہ آٹھوں غیر مطبوعہ اشعار ان ہی صاحب قلم شریح کلام غالب، خزانہ

اردو سکا تیب کی تعداد | اردو و شتر کے سلسلے میں تمام ضروری تفصیلات باب تہ ماہیت میں پیش کی جا چکی ہیں یہاں صرف ان سکا تیب کی تعداد عن کر دینا مناسب ہے۔ مطبع فاروقی کے چھپے ہوئے اردو سے پہلے "اور مطبع نو کشور کی چھپی ہوئی خود ہندی سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کتابوں میں تقریباً ۱۵ اور نامہ خالص کے علاوہ کل رقعات کی تعداد ۶۱۵ ہے۔

۴۶۰

اردو سے پہلے

۱۴۵

خود ہندی

ان میں سے کم و بیش ۱۱۷ رقعات مشنر کے ہیں۔ اردو سے پہلے کے بعض دوسرے مجموعوں میں چند اور رقعات کا اضافہ ہوا ہے۔ اگرچہ ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں چند نئے رقعات ہندوستانی الیڈ ہی صوبہ متحدہ کے رسالہ ہندوستانی میں چھپے ہیں چند غیر ہندو رقعات بعض رسائل میں چھپ ہوئے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک صاحب نام پورا کے تمام سکا تیب کو جواب تک شلن نہیں ہوئے۔ ایڈٹ کر کے جھاپنے کی تیاری میں مشروف ہیں۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد سے معلوم ہوا کہ انہوں نے غالب کے شاگرد فخر الدین حسین سخن کے کسی غزلیہ کے پائل غالب کے رقعات پر سو سخن کا ایک مجموعہ دیکھا تھا جو بہت کم شائع نہیں ہوا۔ اس نے اس مجموعہ کو حاصل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے اس کا بہتہ نہیں لے سکا۔ مطبعہ رقعات میں سے زیادہ تر میرزا رفیع، ذوالکرم، امین، حمد، فاضل، شہباز، میرزا، شہر، راجہ، خواجہ غلام غوث خاں، جگر، ذوالکرم، دلہا، شفیق، حکیم غلام شریف خاں اور میرزا غلام علی بیگ تھر کے نام ہیں۔

سکا تیب اردو کے انداز و سبب کی نسبت صرف اتنی وضاحت دیتی ہے کہ اس میں سلیس اور بہار آفریں تحریر، اردو زبان میں اور کوئی غور نہ موجود نہیں بالخصوص مٹا سب میں ایسا انداز آج تک بڑے سے بڑے ادیب بھی پیش نہیں کر سکے۔ حال یہ کہ ہر قسم کے مباحث اسی ایک انداز میں تہہ بہ تہہ لکھتے جاتے ہیں۔ یہ انداز ان سے پہلے کسی کو میرزا غلام

تحت بران پنج آہنگ، تھر دزد و مہو کا عمل، ذر باب شمایف میں آچکا ہے پنج آہنگ
کے آخری دو حصوں (آہنگ چارم و آہنگ پنجم) کی نسبت اتنا عرض کر دینا چاہئے کہ اس
چارم میں فاسب کی بھی مولیٰ تقریباتیں اور سزائیں ہیں آہنگ چہم میں فیسی کا سبب
ہے۔ آہنگ چہم میں نثروں کی فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) دیباچہ دیوان فیسی

(۲) دیباچہ گل رعنا۔

(۳) فائزہ گل رعنا۔

(۴) مولانا فضل خیر آبادی کے تہذیب و صنعت قطب ہیں۔

(۵) معتمد مدولہ خاں وزیر شاہ، اودھ کے نامور شہسوار تھے۔

(۶) خاں دیوان فارسی۔

(۷) دیباچہ دیوان اردو

(۸) تقریباً گھنٹن بیجی مرنبہ ذب مسلمانے خاں شہانہ۔

(۹) الخوان بیجی وزیر مملکت سپاہیوں کے ہیں۔

(۱۰) تقریباً دیوان حافظ

(۱۱) دیباچہ دیوان میرزا سید الدین بہادر ہیں کہ آخری تہذیب و صنعت قطب ہیں۔

(۱۲) مولانا سید الدین کی تقریباً صنعت قطب ہیں۔

(۱۳) دیباچہ دیوان فشی بہرگوپال تھے۔

(۱۴) تقریباً آثار الصنادید سید مرحوم۔

(۱۵) دیباچہ دیوان رنجیت ذب سید الدین حیدر خان

(۱۶) دیباچہ تذکرہ ظہیر زار کج تھے۔

(۱۷) تہذیب و صنعت قطب ہے فرما زو اس کے رام پور۔

(۱۸) تقریظ مجموعہ آثار مرثیہ مولوی ظہیر الحق۔

اس فہرست سے ظاہر ہے کہ غالب نے زیادہ تر کتابوں کے دیباچہ، خاتمہ اور تقریظیں لکھی ہیں لیکن سب کا انداز جدا لگا ہوا ہے۔ اور کوئی شراہی نہیں ہے جس میں ظہری کی سند شری کی طرح محض خیال آرائی کی کسی جواس زمانے میں غیر منقوط یا منقٹ الحروف عبارتیں لکھنا محال تھا۔ شری سمجھا جاتا تھا۔ غالب کی شروں میں اس نگارش کے نمونے بھی موجود ہیں۔

فارسی کا تیب الیکن ان کی شرفارسی کا ہر درجہ دلکش مجموعہ ان کے مکاتیب میں جن پر آج کل تہمت لگ رہی ہے۔ ان کی تعداد کم و بیش ایک سو چالیس ہے۔ میرا خیال ہے کہ اردو کے مکاتیب کی شرح فارسی کے مکاتیب کی بھی ایک بڑی تعداد نمائندہ ہو گئی یا چھپ نہیں سکی۔ اردو کے یہی تیب زیادہ تر غالب کی زندگی کے آخری بیس سال کے ہیں۔ اس سے پہلے وہ مولانا فارسی میں غلو و کثافت کرتے تھے۔ جو نہ کثیر الاحباب اور کثیر الاقارب تھے۔ اس لئے یہ نہیں سمجھی جاسکتا کہ انہوں نے بندہ سولہ برس کی عمر سے لے کر پچاس برس کی تک پینتیس چالیس برس میں محض ایک سو چالیس مکاتیب لکھے۔

کلیات نظم | کلیات نظم کے آغاز میں قصبات، نوحے اور تارکخیں ہیں۔ پھر ایک محسن ہے۔ اس کے بعد ترکیب بند، بعد ازاں ثنویاں، قصیدے اور غزلیات اور آخر میں رباعیات ہیں۔ ان کا سرسری انداز یہ ہے۔

قسم نظم	تعداد	اشعار
قصبات	۶۷	۸۳۴
محسن	۱	دس بند
ترکیب بند	۳	۲۳۰
ترجیع بند	۱	۵۶
ثنویاں	۱۱	۲۰۳۲

۴۲۸۷

۳۲۸

غزلیات

۲۰۰

۱۰۰

رباعیات

گویا کلیات فارسی کے کل اشعار کا اندازہ سوا دس ہزار کے قریب ہے۔ "سید ہیں" کے کل اشعار قریباً ساڑھے چھ سو ہیں مثنوی ابرگہ یاز کے ساتھ جو اشعار چھپے اور وہ کسی دوسرے مجموعہ میں شامل نہیں ہو سکے۔ قریباً ایک سو ہیں۔ اس طرح غالب کے فارسی اشعار کا مجموعہ گیارہ ہزار کے قریب ہے لیکن بعض چیزیں ناپید ہیں مثلاً نواب شمس الامجد تاج آبادی کا قصیدہ بعض اشعار و قطعات و رباعیات شروں میں آئے ہیں اور کسی مجموعہ نظم میں شامل نہیں ہو سکے۔ ان سب کو جمع کرنا وقت طلب ہے۔

قطعات اور ترکیب بند افطاحات مستغرق مضامین کے متعلق ہیں مثلاً اپنے اور میں صرین کے درمیان فرق کے متعلق اور اسی کی پیروی نہ کرنے کے متعلق ایک پہل کے متعلق۔ ذوق کے متعلق بعض قطعات اور حکام کی حق و حقیقت میں ہیں۔ چند نوٹ ہیں۔ ترکیب بند دو ہیں ایک حضرت علی علیہ السلام اور دوسرے نہ ختمی شدہ مضمون کی نسبت میں اور دوسرے بہادر شاہ کے ساتھ خبر دو کے مرثیہ میں ترجیع بند بہادر شاہ کی حق میں ہے اور محسن حضرت علی کی نسبت میں۔

شرواں | مثنویوں کی کیفیت یہ ہے :-

(۱) بہادر شاہ کی حق میں موسوم بہ سہر نہ نہیں

(۲) ایک قصہ موسوم بہ درود و دل

(۳) بنارس کی تقریب میں موسوم بہ حیرت و حیرت

(۴) ایک قصہ موسوم بہ ننگ و بو

(۵) کلکتہ میں جن لوگوں نے غالب کے خلاف اعتراضات کیا ہندو کامہ بپا یا نھان کے

جواب میں موسوم بہ باد مخالف

منزل حق

(۶) تبرکات اور مسند مکان و آفتاب قطیر حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو کلام

خیر آبادی کی تحریک پر بھی، در یہ اس سلسلہ بحث کی ایک کڑی ہے جو مولانا فضل بخش خیر آبادی
اور شاہ اسماعیل شہید کے در بیان شروع ہوئی تھی۔

(۷) تنہیت نامہ عید بخت بہادر شاہ ثانی

(۸) تنہیت نامہ عید بخت شہزادہ فتح الملک دلی عہد بہادر شاہ

(۹) واجہ علی شاہ فرمانروا کے اوہ کی شرموسہ پرست و ہفت افسرہ دیباچہ

(۱۰) آئین اکبری سچو سر سید احمد خان کی تہذیب۔

(۱۱) مثنوی ابگر بار

ابگر بار ان میں سے بعض مثنویوں کی کیفیت اور بعض اشعار کے مختلف حصوں میں باجائز
کئے جا چکے ہیں۔ لیکن آخری مثنوی کے متعلق نقوی مثنوی میں مذکور ہے۔ غائب کی یہ
سب بڑی مثنوی ہے جس کے اشعار گیارہ سو سے زائد ہیں۔ ان کا ارادہ حق ارشاد
کے نام میں عزوات نبوی علیہ السلام کو نظم کر کے مثنوی کہ یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا
وہ اس مثنوی کے صرف نقد مات یعنی حمد و ثناء و منقبت و غرض نہ صرف وغیرہ ہی نہیں
کر سکے بل مثنوی شروع نہ ہو سکا۔ اس میں صرف معراج کا واقعہ ۲۸ اشعار پر مشتمل ہے مثنوی
کے آخر میں غرض نہ صرف متعلق فرماتے ہیں

زبان تازہ سازمہ زبیر سے بخت	ہو ذکر شمشاد بے تاج و تخت
گزشت نگار دستہ ان کے من	زنجیر و درستم آرد سخن
مہم بود و در حاکم	مشائخ و مجاہد سپہ سالار
زشت و نیم بخت نکیز تر	ز مرغ حیرت و حیرت
فرد مہرین سنج سانیوں	وود و صبح اقبال و یمانوں
رقم سنج مشور ہر دہشیم	ز میب نیاں کویم ابھانیم
کسے را کہ نازد بہ بیکانگاں	خود در شمارد ز ویرانگاں

یہ اقبال ایسا زنیروئے دیں سخن۔ انہما از سید المرسلین
 فردوسی کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس کی صحت و درستی میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔
 غالب اس مثنوی کے دیباچہ میں لکھتے :-

در خمیرہ و دواخر پذیرین جیاں فردو آمد کہ نودات خداوند دنیا و دیں معزت امام مرسلین
 سلام علیہم رب العالمین بہ بندہ بکاش اندر آرم۔ توحید و مناقبات ہنغیب و ساقی نامہ و
 مثنوی نامہ پیدائی پذیرنت۔ باچانی و ضیاء گریبا سخنات دل آویز سرانگیز گفتہ آمد۔ و شو
 و مناقبات بشیرہ ابدع ہاں ساں نواز و قلندر اکھن سرودہ شد کہ سر و شان بختی۔ الب
 از شور یا ہر سے بتخانہ فردو۔ و در بارہ معراج مروج نگر آں پایہ یافت کہ سخن از جانیگہے رستم
 بطائر سید گفتار نشانماں کہ۔ تراست فردوسی کو بان ہند و گر نند اندہ و اس را۔ ہندے گراں
 ہے فرد شہد و ہے خند حسن خدا و خلق مرا جوں پیوند۔

قصائد کی تفصیل یہ ہے :-

مذہب	تعداد و قصائد
(۱) حمد و نعت و مناقب ائمہ	۱۳
(۲) اکبر شاہ ثانی پادشاہ دہلی	۱
(۳) بہادر شاہ ثانی پادشاہ دہلی	۱۵
(۴) ملکہ و کشور	۳
(۵) لارڈ آکلینڈ گورنر جنرل	۱
(۶) لارڈ ولیم براگورنر جنرل	۳
(۷) سر چارلس مٹکاف	۱
(۸) جیمس ٹامپسن فٹ گورنر یوپی	۱

- (۹) پرنسپ صاحب
 (۱۰) ٹامس ماڈل
 (۱۱) ولیم فریڈ
 (۱۲) کالون صاحب
 (۱۳) لا ڈار ڈنگ گورنر جنرل
 (۱۴) ایڈمنسٹریٹو بہادر
 (۱۵) لارڈ کینگ گورنر جنرل
 (۱۶) سر رابرٹ ٹنگہری ٹرنسٹ گورنر پنجاب
 (۱۷) شہزادہ فتح الملک
 (۱۸) ابو الفتح
 (۱۹) نصیر الدین حیدر شاہ اودھ
 (۲۰) امجد علی شاہ اودھ
 (۲۱) واجد علی شاہ اودھ
 (۲۲) نواب یوسف علی خاں والی راس پور
 (۲۳) نواب وزیر الدولہ والی ٹونک
 (۲۴) راجہ شیرو حیان سنگھ والی الہور
 (۲۵) سادہ جہانم سنگھ والی پٹیار
 (۲۶) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مرحوم
 (۲۷) مفتی صدر الدین آزادہ مرحوم
 (۲۸) نواب خیار الدین احمد خاں خیر مرحوم
 (۲۹) سر سالار جنگ اول

(۳۰) ایک عام قصیدہ یا نظم جس کا ذوق مدوح نہیں۔

مثنوی ابرگر بار کے ساتھ وہ قصیدہ ہے جس میں ایک لارڈ ایلچمن کی مدح میں اور دوسرا لارڈ لارنس کی مدح میں "سبد چیں" میں ایک قصیدہ تو اب کلب علی خاں بہادر والی رام پور کی مدح میں ہے۔

قصیدوں کا انداز | ناسب ہے خد و ایک جگہ اپنے قصیدہ وں کے تعلق جو کچھ لکھا ہے وہ حرفِ چر و رست سے فرماتے ہیں :-

کیا کروں اپنا تیرا ترک نہیں کیا جاتا وہ ادش ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی بچہ کو نہیں آتی کہ باہل مھاؤں کی طرح بن مشرقی کر دیں میرے قصیدہ سے دیکھو شیبے سر بہت پاؤں کے اور مدح کے شرکہ میں بھی یہی حال ہے۔

واقعہ یہی ہے کہ ان کے تمام قصیدوں میں یا تو تشبیہیں بہت ملنے میں یا وہ شاعرانہ نقطہ نگاہ سے خاص طور پر قابلِ تہ میں جن میں اموں نے اپنی عادتِ بدین کی سے تشبیہوں میں ناسب اپنے شاعری کے ہر کمال کو انتہائی حسنِ خوبی کے ساتھ ہی ہر کیے اکثر قصائدِ عربی اور دوسرے مشاہیرِ سا تذہ فن کے قصیدوں پر لکھے ہیں اور غالب گران سے آئے ہنسیں غلے تو پیچھے بھی نہیں رہے ہیں۔ اس سے نہ ناسب اور نہ اور دوسرے شعرا جیسے قدردان ملے اور نہ زبانِ فارسی کا وہ ذوق باقی رہا جس سے وہ فی اور دوسرے ساتھ کا کلامِ مدح پر متنِ ستارہ بد ناسب کی وفات سے ساتھ ہی ہی زبان کا تذکرہ بڑی حد تک ختم ہو گیا۔

ہر طرح خیار | مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ناسب کے طریقِ اصطلاح شعرا کا بھی مختصر ذکر کر دیا جائے وہ اپنے شاگردوں سے مصافحہ لکھا ہوا ہے اور مصافحہ سے لکھے شعرا کا بھی ذکر اتنا ہوتا تھا کہ اس میں حسبِ ضرورتی اصطلاح دی جا سکے کہ ان قصیدوں میں بھی وہ صحت فرماتے تھے اور اصل مسودہ مرسل کو واپس کر دیتے تھے۔ فاضل محمد جیل بریلوی کو لکھتے ہیں۔

دو عنایت نامہ آپ کے اوقات مختلف میں پہنچے پہلے خط کے حاشیہ پر اور پشت پر اشعار
 لکھے ہوئے ہیں۔ سیاہی اس طرح کی بھکی کہ حروف اچھی طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اگرچہ بیانی
 میری اچھی ہے۔ اور میں بینک کا محتاج نہیں لیکن باری محمد اس کے پڑھنے میں بہت
 تعطف کرنا پڑتا ہے۔ بلاۓ اس کے جلد اصلاح کی باتیں۔ چنانچہ اس خط کو آپ کی خدمت
 میں دے رہی ہوں۔ تاکہ آپ یہ نہ جانیں کہ میرا خط بھلا کر چھینک دیا ہو گا۔ اور بعد میں
 اندیشہ آپ کو معلوم ہو جائے۔ آپ خود دیکھیں۔ اس میں اصلاح کہاں دی جائے۔ دیکھیں
 اصلاح کے جو نزل بھیجے۔ اس میں بن الازا و دین المعصومین کا فاصلہ زیادہ چھڑائے۔ آپ کے
 دوسرے خط میں جو کاغذ اشعار کا ہے حروف اس کے روشن ہیں۔ مگر بن اسطر موقوف
 اور اصلاح کی جگہ وہم آپ کی خاطر سے سچ کتابت اٹھاتا ہوں اور دونوں غزلوں کو
 بعد میں دیکھتا جاتا ہوں سورہ اور آپ کے پاس ہر گاہ اس سے مغایہ کر کے معلوم کر سکتے ہیں
 کہ کس شعر پر اصلاح ہوئی اور کیا اصلاح ہوئی اور کون سی بیت موقوف ہوئی۔
 تفتہ کو لکھتے ہیں :-

دوسرا پارسل جس کو نم سننے سے تعطف خط بنا کر بھیجا ہے اصلاح کر جلد۔ نہ تحریر مطبوعہ کا بیج دتا
 کچھ میں آتا ہے۔ تم بے انگ انگ دو دور تھے پر کیوں نہ نکھا اور چھپنا چھپنا کیوں نہ نکھا
 ایک تہہ و تن زیادہ ہو جاتا تو ہو جاتا ہر حال اب مجھے نشے چھٹا پڑے ہیں۔
 ایک اور خط میں فرماتے ہیں :-

اشعار جناب زندگے پہنچنے کے ایک ہفتہ بعد دست ہو گئے۔ اور اصلاح اور اشعار
 اور فرامہ جیسا کہ میرا شیوہ ہے کل میں آیا۔

سب کے ساتھ کہاں سلوک | ان کے پاس اطراف ایک نظمیں اور نثریں (اردو اور فارسی کی)
 اصلاح کے لئے آتی تھیں سب کو انتہائی توجہ سے دیکھتے تھے۔ سخت تحالیف کے عالم میں

بھی یہ خدمت انجام دیتے رہتے تھے۔ اور جب باطل مجبور ہو جاتے تھے تو چھوٹوں بڑوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتے تھے۔ مثلاً باب اخلاق میں سیاح کے نام کا ایک خط نقل ہو چکا ہے جس میں فرماتے ہیں کہ محض تمہارا دسیانہ کا، اور دوسروں کا کلام ہی ہے اصلاح نہیں پڑا باکیوالی راجہ پور کی غزلیں بھی ویسے ہی رکھی ہوئی ہیں۔

اصلی سے معذوری [آخری مر میں بہت معذور ہو گئے تھے اور اخباروں میں اعلان کر دیا تھا کہ اب کوئی صاحب اپنا کلام اصلاح کے لئے بھیجیں لیکن اباب عقیدت اس زمانے میں بھی تبرکاً اصلاح کے لئے ہمارے بھیجتے جاتے تھے۔ وہ سیاح کو ۲۵ اگست ۱۸۶۷ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں :-

بھائی اب میں تو کوئی دن کامان مرں اور اخبار واسے میرا حال کیا جانیں ایں
اصل الاخبار اسٹیشن لاخبار واسے کہ یہاں کے رہنے والے ہیں
اور مجھ سے ملتے ہیں سوان کے اخبار میں میں نے اپنا حال نقل بھیجا ہے اور اس میں
میں نے نقد چار خطوں کے جواب سے اور اخبار کی اصلاح سے اس برکسی نے عمل نہ
کیا اب اب ہر طرف کا ناس نے اب کا تقاضا اور انتظار واسے اصلاح کے لیے
آتے ہیں اور میں شرمندہ ہوتا ہوں۔

ہمانی میں دستگاہ [حاجہ خالی حسین مرزا مرحوم کی زبان سے بیان کرتے ہیں کہ ایک روز
میں حسین مرزا اور نائب و بران عام میں بیٹھے تھے۔ چوہدری آیا اور کہا کہ حضور نے
غزلیں مانگی ہیں۔ نائب نے چوہدری کو ٹھہرا لیا۔ اور اپنے آدمی سے کہا کہ پانچویں میں لکچ کاغذ دو
میں بندھے ہوئے رکھے ہیں وہ لے آؤ۔ کاغذ آئے۔ ان میں آٹھ نو پرچے تھے جن پر
ایک ایک دو دو مصرعے لکھے ہوئے تھے۔ نائب نے اسی وقت قلم و دوات منکا کرن مصرعہ
پر غزلیں لکھنی شروع کیں اور وہیں بیٹھے بیٹھے آٹھ نو غزلیں مکمل کر کے چوہدری کو دے کر واپس

انداز شعر خوانی

خواجہ حالی فرماتے ہیں کہ شعر خوانی کا انداز بڑا دلکش اور موثر تھا۔ خواجہ حالی نے صرف ایک مرتبہ غالب کو مشاعرہ میں غزل پڑھتے سنا۔ ان کی باری سب کے بعد آئی صبح ہو گئی تھی انہوں نے کہا اٹھا جہاں میں بھی اپنی بھیرویں لاپتا ہوں۔ یہ کہہ کر اول اردو طرح کی غزل اور اس کے بعد فی رسی کی غیر طرح نہایت پروردگار سے پڑھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مجلس میں کسی کو اپنا قدردان نہیں جانتے اس نے غزل خوانی میں فریاد کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

خواجہ حالی نے ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ ایک روز قلعہ ست سیدھے نواب مصطفیٰ خاں کے مکان پر آئے اور کہنے لگے۔

آج حضور نے ہماری بڑی قدردانی فرمائی یہ کی سار کبار میں قیدہ نکھرے رہے ہاں
جب میں قیدہ و چہ پہ تو ارشاد ہوا کہ مرزا غلام پڑھنے خوب ہوا۔

اس سے بھی یہی ظاہر ہوا۔ ہے کہ شعر پڑھنے کا انداز بہت دلکش تھا۔

شری نادر شاہ خاں شعر کا طریقہ خواجہ حالی کے بیان کے مطابق یہ تھا کہ

کثر کہ نام نہ فہمی میں نہ دیا کرتے تھے اور جب کوئی شعر سراغ نام مچاتا تھا۔

تو کہ بند میں اب آواز دیتے تھے۔ اس طرح ہر دس دس کر میں رکاوٹوں سے تھے

اور دوسرے دن صرف دو پر سوچتے سپر کر نام اشعار نمینہ کر بیٹے تھے

ایک خط میں میرزا تقی کو لکھتے ہیں:-

کیا ہنسی آتی ہے تم پر یہ وہ ناموں سے مجھ کو بھی یہ کچھ ہو رہا تھا وہی نام یہ نصیبہ

سے رہ رہا۔ اس کے خونی کھونے درن ناموں پر غلط جڑنے لگے ماحول و

لا قوۃ الا باللہ بھین میں جب میں کہتا بیٹھے نکاموں حریف سے مجھ پر کر میں کے دلی

دستہ داس سے خونی بن دیر نہ رہے ہوں صرف بھراؤ روینہ قادیہ تو دیکھو یہ اور اس

۱۵ یادگار نائب مسعود ۱۵ یادگار نائب مسعود

تھو کو دو فرشتوں کی طرح مجھ پر ستر کر دیا۔ وہ دونوں شام کو اٹھی لے کر میرے مکان پر آئے۔
اور مجھے سوار کرا کے لے گئے۔ وہاں پہنچ کر مولانا صدر الدین آزدہ کی زیارت سے پنج ماہ کی
تلافی ہو گئی۔ سبانی نے طرحی زمین میں غزل بڑھی۔ دو تین شعور نشین تھے۔ عارف اور جوہر
نے دو غزلیں بڑھیں۔ میں نے اسی روز ایک غزل کہی تھی جس کا مطلع یہ ہے :

صبح شد خیز کر دو دادا ڈبنا ٹم

چہرہ آغشتہ بہ خوناب جب گرینا ٹم

یہ غزل سبانی تا چندہ مشاعرے کے لئے "گریبا ٹم نے آید" دانا ٹم نے "آید طرح ہوئی"۔
دوسرے مشاعرہ [دوسرے مشاعرے میں ہی غالب شریک ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ اردو کے

بہت سے شاعر جمع تھے اور انہوں نے لمبی لمبی غزلیں بڑھیں بھتی صدر الدین آزدہ بہار
تھے اس لئے شریک مشاعرہ نہ ہوئے :

چوں زبیت چمن رسید سخت ملک نخواست "خفک نخواست" سرودم۔ نگاہ غزل

طرحی خواندم

چہ پیش اندوعدہ چوں باور نہ عنوانم نے آید

بہ نوئے گفت سے آیم کہے دانا ٹم نے آید

مشاعرے میں آئندہ کے لئے عرفی کا یہ مصرعہ طرح قرار پایا

مدد سال سے توں بہ تمنا گریستن،

غالب لکھتے ہیں :

دریں زمین طالب آملی۔ قصیدہ دار و عرفی دو غزل تا غالب بے نوا رہا بکلا

زمزمہ در فروش آند

۱۔ کلیات نثر فارسی صفحہ ۲۰۱۔

۲۔ کلیات نثر فارسی صفحہ ۲۰۲۔

قیسراشاہ: اچھے شاعر کی کیفیت یوں بیان فرماتے ہیں کہ شام ہوئی تو وہی دو فرشتے یعنی عارف و نحو آکر منہ لے گئے۔ میر نظام الدین ممتون اور مولوی امام بخش صاحبانی ہر سبب علالت نہ آئے، حضرت آذرود کی خدمت میں آدمی بھیجا گیا۔ وہ اگرچہ دیر سے آئے مگر تشریف لے آئے۔ جس نے طرحی زمین میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ اس قصیدہ کو برات نامقبول کی طرح ناخواندہ واپس لے جاؤں اور آذرود کے شکر کو درود نہ دوں لیکن حضرت آذرود کی تشریف آوری سے دل مطمئن ہو گیا۔ اور میں نے قصیدہ پڑھنا ضروری سمجھا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ مشاعرہ میں آذرود اور فارسی دونوں زبانوں کی طرحیں دی جاتی تھیں اور دونوں زبانوں کے شعرا آتے تھے۔ مگر غالب صرف فارسی کلام پڑھتے تھے۔

چوتھا مشاعرہ | چوتھے مشاعرے کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس میں میر تقی خاں نہیں گیر تریختہ گویوں کی آنکھوں کا غبار بنی ہیں نے ایک ہفتہ پہلے غزل کہہ لی تھی۔ اور حضرت آذرود کی خدمت میں بھیج دی تھی۔

پانچواں مشاعرہ | میر ہمدی تخریج داسے خط میں قلعہ کے مشاعرہ کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی شب ۲۵ فروری (سنہ ۱۰۷۱) کو بادشاہ کا حکم پہنچا کہ سب شاعر قلعہ میں جمع ہوں چنانچہ خاندان بابر کے شہزادے اور دوسرے لوگ اس قدر تعداد میں آئے کہ نشست گاہ میں بیٹھنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ سب پہلے سلطان الشعراء شیخ محمد براہیم ذوقؒ نے بادشاہ کی غزل پڑھی۔ پھر شہزادہ خضر سلطان نے اپنی غزل سنائی۔ ان کے بعد میرزا جید رشکوہ، میرزا

۱۷ کلیات نثر فارسی صفحہ ۳۰۲ ۱۸ کلیات نثر فارسی ۳۰۲ ۱۹ مشاعرہ غالب قلعہ کے ساتھ مطلق ملازمت پیدا ہو جانے کے بعد ہوا جبکہ ذوق بقید حیات موجود تھے گویا اسے ۱۸۵۲ء اور ۱۸۵۳ء کے درمیان کوئی مشاعرہ بھیجا

نور الدین میرزا عالی بخت عالی نے اپنا اپنا کلام سنا یا۔ عالی کے پاس ہی میں (غالب) بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اپنی غزل دس شعر کی ٹپھی مہربانی کے شاگردوں میں سے محوی نام ایک نوجوان نے "لشید مستانہ" لکائی۔ میرزا حاجی شہرت نے کم و بیش ستر شعر میں طرحی میں سنائے میں پشیاب کے بہانے سے وہاں سے اٹھا۔ اور اپنے گھر چلا آیا۔ دکانوں کے دروازے کھلے تھے۔ چراغ روشن تھے۔ شراب پی اور سو رہا۔ صبح قلعہ میں گیا تو وہ چاروں شہزادے جن کے نام اوپر مرقوم ہیں جمع تھے انہوں نے رات والی غزلیں پھر سنائیں۔ میں نے بھی اپنی غزل دوبارہ پڑھی۔ وہیں سنا کہ مشاعرہ ساری رات جاری رہا۔ سب کے آخر میں سلطان الشعراء (ذوق) نے دو غیر طرحی غزلیں سنائی تھیں۔

نائب کی شاعری کے متعلق محمولہ بالا بیانات کا خلاصہ یہ ہے

(۱) انہوں نے دس گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنے شروع کئے تھے۔ ابتداً اردو سے ہوتی تھی۔ دس بارہ برس میں خیالی مضامین کا ایک دیوان تیار کر لیا تھا جب اچھائی برائی کی تیز مہل ہوتی تو اکثر اشعار حذف کر ڈالے۔ صرف چند اشعار بطور نمونہ موجود رہے۔

(۲) فارسی بھی اردو کے بعد ہی شروع کر دی تھی اور کم و بیش بیس برس کی عمر تک دروز کی شق بیک وقت جاری رہی۔

(۳) اس کے بعد فارسی کی طرف زیادہ توجہ ہوتی گئی اور اردو کی طرف سے دل ہٹا گیا۔ تاہم وہ ۱۸۴۵ء سے ۱۸۵۰ء تک اردو کے بجائے حقیقتہً فارسی کے شاعر سمجھے جاتے رہے۔

(۴) قلعہ کے ساتھ لازمت کا تعلق پیدا ہونے کے بعد یہ پاس خاطر شاعرانہ انہوں نے پھر اردو پر توجہ مبذول کی ان کے مروجہ دیوان کی زیادہ تر اچھی غزلیں اسی دور کی کہی ہوئی ہیں۔



مبین عندلیب گلشن نا آفریده کھون